سندھ و ہند کی قدیم شخصیات

ترجمہ اردو

رجال السند والہند

تصنیف

مورخ اسلام مولانا قاضی محمد اطہر مبارک پوری رحمہ اللہ

ترجمہ

جناب مولانا عبد الرشید بستوی مدظلہ

استاذ حدیث جامعۃ الامام انور شاہ دیوبند

ناشر

مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ

اردو بازار کراچی

سندھ و ہند کی قدیم شخصیات

ترجمہ اردو

رجال السند والہند

تصنیف

مورخ اسلام مولانا قاضی محمد اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ

ترجمہ

جناب مولانا عبدالرشید بستوی مدظلہ

استاذ حدیث جامعۃ الامام انور شاہ دیوبند

ناشر

مکتبہ خدیجۃ الکبریٰ

اردو بازار کراچی 021-32752007

کتاب	:	سندھ وہند کی قدیم شخصیات
		(ترجمہ رجال السند والہند)
تالیف	:	مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ
ترجمانی	:	مولانا عبدالرشید بستوی
باہتمام	:	....
اشاعت	:	۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء بار اوّل: ۱۱۰۰
صفحات	:	۴۰۰
ناشر	:	....

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

باب صاد

باب عین

عنوان	صفحہ

تاثرات

حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد!

اسلام وہ ابرِ رحمت ہے جو عالمِ انسانیت کی سیرابی کے لیے عرب کے افق سے اٹھا اور دنیا کے ہر گوشے کو سیراب کر گیا۔ اس بارانِ رحمت کے اثر سے کتنے گلستانوں میں، علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی بہاروں کے کتنے قافلے خیمہ زن ہوئے، اور کتنے رہ گزاروں میں اتفاقاً کتنے پھول کھلے وہ سب تاریخ کے دامن کی زینت نہ بن سکے، لیکن جن گلستانوں اور پھولوں کی عطر ریزیں ہواؤں نے تادیر فضاؤں کو معطر کیا ان میں سے کسی کسی کا کچھ نہ کچھ تذکرہ تراجم، سفرناموں اور تاریخ و وقائع کے ذخیروں میں آ گیا ہے۔

سرزمین ہند بھی اس بارانِ رحمت کی فیض رسانی سے محروم نہیں رہی، لیکن اس گلستاں کے کتنے پھولوں نے انسانیت سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے ان کا نہ احاطہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اب اس کی کوئی تدبیر ممکن ہے، تاہم جو تذکرے ضخیم کتابوں کے ضمن میں محفوظ رہ گئے تھے انھیں حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ کے ذوق تحقیق و جستجو نے ''رجال السند والہند'' میں یک جا کر دیا۔ اور اس طرح ہند و سندھ کی پہلی صدی سے ساتویں صدی تک کی سو سے زائد شخصیات کا تذکرہ یکجا ہو گیا۔ اس کے لیے موصوف مرحوم نے کتنی کاوش کی اور کتنی راتوں کو انھوں نے

طلوع سحر سے ملایا اس کا علم تو خدا کو ہے لیکن ان کی اس کتاب کے دیکھنے والوں نے اس خدمت کے لیے انھیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

موصوف کی یہ نادر تالیف عربی زبان میں تھی اور ان کی خواہش تھی کہ اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے، شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند کی اعزازی نگرانی کے زمانہ میں موصوف نے مولانا عبد الرشید صاحب بستوی زید مجدہم کو اس کی طرف متوجہ بھی کیا تھا۔

موصوف مرحوم کی زندگی میں یہ کام نہ ہو سکا لیکن یہ مولانا عبد الرشید صاحب زید مجدہم کی سعادت مندی اور خوش نصیبی ہے کہ انھوں نے حضرت قاضی صاحب مرحوم ومغفور کی جمع کردہ اس امانت کو اردو لباس پہنا دیا۔ راقم الحروف ترجمہ کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا، لیکن مترجم زید مجدہم کے سلیقہ اور ذوقِ علمی سے یہی امید ہے کہ یہ خدمت قابل پذیرائی ہوگی۔

دعا ہے کہ خداوند کریم حضرت مؤلف قدس سرہ اور عزیزم مترجم زید مجدہ کی محنت کو آخرت میں حسنات کی میزان میں جگہ دے اور دنیا میں قبول عام کی دولت سے نوازے۔ آمین والحمدللہ اولاً و آخراً۔

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ

خادم تدریس دار العلوم دیوبند

۱۳؍ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

❀❀❀

اظہارِ مسرت

گرامی قدر جناب قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

استاذ شعبۂ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند

ارشادِ باری ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (ال عمران:۱۹) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو الاسلام ہے۔

نیز —— اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ:۳) یعنی آج میں پورا کر چکا تمھارے لیے دین تمھارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے الاسلام کو دین۔

بنی نوع انسان کی ابدی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو اکمل اور جامع ترین، عالمگیر اور ناقابلِ تنسیخ ہدایات دیں، وہ تمام شرائع سابقہ حقہ پر مع شے زائد مشتمل ہونے کی وجہ سے خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم وملقب ہوئیں۔

دین اسلام کی بقاء کی طرح علوم اسلامی کی بقاء اور ترویج وترقی بھی ضروری ہے، بالکل اسی طرح علماء اسلام کے نام وکام کی بقاء اور ان کے علمی کارناموں اور قلمی کاوشوں سے آشنائی بھی ضروری ہے۔

علومِ اسلامی میں تراجم اور تذکرے پر کام ہر زمانہ میں نہایت دقیق، مشکل اور

سخت محنت طلب رہا ہے، اس موضوع پر کمر بستہ صرف وہی حضرات نظر آتے ہیں جو اللہ الموفق کے دربارِ عالی سے توفیق یافتہ ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے مردم خیز خطہ اعظم گڑھ کے مؤرخ کبیر مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ مرحوم چودھویں صدی ہجری کے انھیں باتوفیق علماء میں سے ہیں جنھیں راقم الحروف طبقہ علماء کا ''قیس وفرہاد'' کہتا ہے۔

قاضی صاحبؒ بلاشبہ تحریر وتحقیق کے میدان میں غازی اور علمی آثار وذخائر کے عظیم مرتب ومؤلف تھے۔ موصوف کو ان کی متنوع اور گوناگوں علمی وقلمی اور تحقیقی خدمات متقدمین کی صف میں لا کھڑا کرتی ہیں۔

قاضی صاحب کی گراں قدر تالیفات میں ''رجال السند والہند'' ایسے بلند مقام کی حامل ہے جس نے عرب وعجم کے عالی مقام اہل نظر علماء سے زبردست خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔

یہ بے مثال تالیف عربی زبان میں ہونے کے باعث صرف عربی داں حضرات کو فیض یاب کرسکتی ہے۔ بہر حال ضرورت تھی کہ کوئی باہمت اور صاحبِ ذوق شخص اس نادر اور اہم کتاب کو اردو قالب دے۔

سہولت پسندی اور کچھ نہ کرکے کچھ پا جانے کے اس دورِ ہوس میں اگر کوئی بندۂ خدا اِدھر اُدھر کی فضول تفریحات اور یہاں وہاں کی حاضر باشیوں سے خود کو بچا کر خدائے بخشندہ کی عطا کردہ صلاحیتیں کام میں لاتا ہے تو یقیناً مسرت کی بات ہے۔

اپنے موضوع پر کامل احاطہ کرنے والی، اکابر کے علمی خزانے کا سراغ دینے والی کتاب، ایک انسائیکلوپیڈیا، دریائے ناپیدا کنار، وقیع اور عظیم علمی خدمت، اہم دستاویز اور حیرت انگیز کارنامہ ''رجال السند والہند'' کو ایشیاء کی محبوب اور دلآویز زبان اردو کا جامہ پہنانے کے لیے آج کے اس دورِ قحط الرجال اور سنگ لاخ ماحول میں ہمارے عزیز دوست، علمی جذبات اور امنگوں کے حامل نوجوان اور تازہ وارد

صاحبِ قلم مولانا عبدالرشید صاحب بستوی عبقریٔ وقت اور رجال ساز استاذ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ، کسی مٹی کے تودے کو چمک دار اور بیش قیمت سونا بنادینے اور خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کردینے کی کیسی حیرت انگیز صلاحیت کے مالک تھے، مولانا عبدالرشید صاحب بستوی ان خوش بخت اور سعادت مند نوجوانوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے وحیدِ دھر حضرت کیرانویؒ کی خدمت میں رہنے اور تلمذ کا شرف حاصل کرنے کی سعادت بخشی۔

آج یہ جوہر قابل، آسمانِ دارالعلوم پر ایک درخشندہ ستارے کی طرح اپنی تابندگی سے ذوق وشوق کے حامل طلبہ کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔

مقام مسرت ہے کہ یہ حسین علمی گلدستہ اور قابلِ قدر مترجَم کارنامہ عنقریب تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل مراحل طباعت سے گزر کر منظر عام پر جلوہ گر ہو رہا ہے —— اصل عربی کتاب کی طرح اس کا اردو قالب بھی ان شاء اللہ اہل ذوق ونظر سے دادِ تحسین وصول کرے گا۔

راقم الحروف، مترجم موصوف کی شبانہ روز کی نشاطات اور علمی وقلمی سرگرمیوں پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حیات اور علمی مشاغل میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں ایسے کارآمد نوجوانوں کی صحیح قدردانی کی توفیق بخشے آمین!

ابوالحسن الاعظمی

۴ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ

❁❁❁

حرف گفتگو

ہندوستان ان خوش قسمت مما لک میں سے ایک ہے، جو جغرافیائی لحاظ سے ہزاروں میل کی طول مسافت کے باوجود، جزیرہ نمائے عرب سے تاریخی اعتبار سے ہمیشہ مربوط رہا ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے یہ رابطہ محض جزوی، تجارتی اور اقتصادی سرگرمیوں تک محدود رہا۔ لیکن یہ تعلق اس قدر مضبوط، مستحکم اور مؤثر تھا کہ اہل عرب کے یہاں معزز ترین قبائل و عشائر کے اہم افراد کے نام ''ہند کی جانب منسوب'' سے موسوم ملتے ہیں۔ سردار قریش حضرت ابوسفیانؓ کی زوجہ اور کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام بھی علی اختلاف الروایات ہند یا ہندہ ہی تھا۔

ظہور اسلام کے بعد یہ رشتہ مزید مستحکم، ہمہ گیر اور شاخ در شاخ ہوتا چلا گیا۔ زبان رسالت مآب سے غزوہ ہند کی پیشین گوئی اور اس میں شرکت کرنے والے باتوفیق مجاہدین کے لیے فضیلت و مرتبت کی خوش خبری نے پیغمبر اسلام کے براہ راست فیض یافتہ اور وحی الٰہی کے اولین مخاطب حضرات صحابہ کرام جن کی غالب اکثریت عرب تھی اور ان کے بعد کی مسلم نسل کو ہندوستان کی جانب رخ کرنے کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ راغب کر دیا۔

اگرچہ سندھ و ہند کے علاقے میں اسلام کو قوت و شوکت، غلبہ و اقتدار اور فروغ و استحکام تو نیک طینت اور جواں سال مجاہد محمد بن قاسم ثقفی کی یہاں آمد اور فتح و نصرت کے بعد حاصل ہوا، مگر اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں: مالابار، کالی کٹ اور سندھ قدیم کے بعض شہروں کے باشندے اس سے

پہلے ہی زاہد شب زندہ دار اور مردان وفا شعار مسلمانوں کی قدوم سعادت لزوم سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ہی اسلام ان علاقوں میں پہنچ چکا تھا۔

یہ سب کچھ اعجاز تھا، نبی آخرالزماں کی رسالت کا، فرمان الٰہی کے بہ موجب ساری امت مسلمہ کو فریضۂ تبلیغ سونپے جانے کا اور پھر اسلام کی صداقت وحقانیت کا۔ ان علاقوں میں عرب اگر چہ کاروباری حیثیت سے ٹھہرے اور ان میں سے بعض چند دنوں قیام کے بعد واپس چلے گئے، مگر وہ فریضۂ دعوت سے کبھی غافل نہ رہے۔ انھوں نے قول سے زیادہ اپنے پاکیزہ عمل اور گفتار سے بڑھ کر اپنے اعلی کردار سے اسلام کا آفاقی پیغام باشندگان سندھ وہند تک پہنچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان عرب تاجروں اور ان کی اولاد کے ہاتھوں پر مقامی باشندوں کی ایک معتد بہ تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

محمد بن قاسم کی سندھ آمد، یوں تو ایک مجبوری اور بے بس مسلم خاتون کی صدائے فریاد پر لبیک کہتے ہوئے، قدیم سندھ کے ستم شعار حاکم راجہ داہر بن صصعہ کی چیرہ دستیوں کا قلع قمع کرنے کی غرض سے ہوئی تھی، مگر اس کے ہمراہ جذبۂ جہاد سے سرشار اور اسلامی دعوت کو دنیا کے کونے کونے تک عام کرنے کے سوز دروں سے لبریز ایک عظیم لشکر بھی تھا۔ جس نے نہ صرف سندھ کے باشندوں کو داہر کے ظلم وستم سے نجات بخشی، بلکہ مثالی امن وامان اور عدل وانصاف پر مبنی ایک بے نظیر حکومت کی بنا بھی ڈال دی اور محمد بن قاسم کی نیک نفسی، صلاح وپرہیز گاری، عفت وپاک دامنی اور عدل گستری ومحکوم پروری نے سندھ کے متعصب ہندوؤں کے قلوب کو فتح کر کے انھیں اسلام کا غلام بے دام بنا دیا۔

مشہور مقولہ ہے "وفي كل امر له حكمة" اس دنیا میں ایسے کتنے واقعات رونما ہوئے اور فی زمانہ بھی ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، جن کے تصور سے

ہی پہاڑوں کے دل دہل جاتے ہیں، انسان تصویر حیرت بنا، کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے اور عقلِ عیار بھی ان کی تاویل کرنے سے عاجز نظر آتی ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ، منتقم مزاج اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی تنگ ظرفی، کینہ پروری اور ستم شعاری کے نتیجے میں محمد بن قاسم ثقفی جیسے اسلام کے مخلص جیالے کے ساتھ پیش آیا۔ جب اس نے سریر آرائے امارت ہوتے ہی اپنی دیرینہ آتش حسد کی تسکین کی خاطر، محمد بن قاسم کی معزولی کا فرمان جاری کرتے ہوئے اسے بہ عجلت تمام دارالخلافہ بغداد آنے کا حکم دیا، جہاں اس مرد مجاہد کو صفحۂ ہستی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹا دیے جانے کے تمام سامان پہلے سے ہی کیے جا چکے تھے۔ اس جاں گسل اور روح فرسا حادثے نے جہاں تاریخ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اہالیان سندھ کے دل و دماغ میں بسے ہوئے حسین خواب چکنا چور کر دیے، وہیں اس اسلامی فاتح لشکر کے بہت سے حوصلہ مند و غیرت شعار بہادروں کو خلافت بغداد کے تئیں حد درجہ مایوس و متنفر بھی بنا دیا۔ نتیجتاً لشکریوں کا ایک بڑا طبقہ واپس اپنے وطن جانے کی بجائے، سندھ ہی میں سکونت پذیر ہو گیا اور اس طرح باشندگان سندھ کو بہت قریب سے مسلمانوں کو دیکھنے، سننے، برتنے کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کا خوب خوب موقع ملا اور وہ ان کے اخلاق و کردار، معاملہ، انصاف، رواداری، سیر چشمی اور دیگر اسلامی محاسن و محامد کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اسلام کی صداقت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

محمد بن قاسم کی سندھ آمد اور اس کی معزولی کے بعد اس کے لشکریوں کی ایک تعداد کی سندھ ہی میں اقامت گزینی، مستقبل کے حوالے سے سندھ کے لیے بہت سود مند ثابت ہوئی۔ اس کے باعث نہ صرف یہ کہ یہاں کی صنم آشنا سرزمین، زمزمۂ توحید سے معمور اور نغمۂ رسالت سے آباد ہو گئی، بلکہ اس کی مٹی سے ایسے ایسے تابدار لعل و جواہر پیدا ہوئے، جو پوری دنیائے اسلام کے آسمان علم و فضل،

صلاح وتقوی، سیاست وسیادت، امارت وقضاء اور جہاد وقتال کے درخشاں ستارے ثابت ہوئے اور جنہوں نے علم دین کی ہمہ جہتی خدمات کے ایسے تابندہ نقوش چھوڑے، جو رہتی دنیا تک نشان منزل کا پتہ دیتے اور اپنے اولین راہ رووں کی عظمت وعبقریت کی خبر دیتے رہیں گے۔

قدیم سندھ--جس میں موجودہ پاکستان کا بڑا حصہ، افغانستان وایران کا ایک حصہ شامل تھا، اسی طرح قدیم ہند جس کی سرحدیں موجودہ بنگلہ دیش، برما (میانمار) نیپال کے بعض حصوں، پورے کشمیر متحدہ پنجاب کے بیشتر علاقوں سمیت، منقسم ہندوستان کی شمال مشرقی کچھ ریاستوں کے علاوہ، سب کو محیط تھیں —— اپنی تاریخی اور جغرافیائی نیز تہذیبی حیثیت کے باوصف ارباب علم وفضل اور اصحاب تصنیف وتالیف مورخین کی خاطر خواہ توجہ ودلچسپی سے محروم رہے اور انھیں وہ مقام نہ مل سکا، جس کے یہ بجا طور پر مستحق تھے۔

یہی وجہ ہے کہ قدیم عربی تاریخ کے وسیع وعریض ذخیرے میں سندھ وہند کا حصہ بہت معمولی اور برائے نام ہی نظر آتا ہے اور وہ بھی عموماً ضمنی طور پر اور منتشر شکل وصورت میں۔ اس کی شاید سب سے بڑی وجہ یہ رہی کہ ہندوستان، اپنے طویل مسلم حکمرانی کے عہد میں صرف ان فرمارواؤں کے زیر نگیں رہا، جن کا لسانی، تہذیبی اور وطنی تعلق قدیم فارس سے رہا اور مہبط وحی سرزمین عرب سے برائے نام۔ اور ''الناس علی دین ملوکھم'' کے بہ موجب یہاں کی تمام سرگرمیاں، خواہ ان کا تعلق سیاست وحکومت سے رہا ہو یا امارت وقضا سے، لکھنے پڑھنے سے رہا ہو یا تصنیف وترجمے سے، تاریخ نویسی سے رہا ہو یا سیرت وسوانح نگاری سے، حکومتی اداروں سے رہا ہو یا عام مدرسوں اور خانقاہوں سے، علوم نقلیہ: کتاب وسنت اور فقہ سے رہا ہو یا علوم عقلیہ: حساب، جغرافیہ، نجوم، ہیئت وغیرہ سے، فارسی زبان ہی کے ارد گرد گردش کرتی رہیں۔ چناں چہ خود سندھ وہند سے تعلق رکھنے والے اصحاب

علم وفضل نے اسلامی علوم ومعارف کے حوالے سے جس قدر فارسی کتب خانے کو مالا مال کیا، عربی لائبریری کو اس کا دسواں حصہ بھی نہ مل سکا۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ افریقہ کے دور دراز صحرا، بلکہ یوروپ بعید میں واقع اندلس کے تذکروں سے تو عربی تواریخ بھری پڑی ہوں اور ہندوستان جیسا وسیع وعریض اور مردم خیز، تاریخ ساز بلکہ عہد ساز ملک اپنے واقعی اور رواجی ذکر سے بھی محروم رہ جائے۔

تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہاں کی سرزمین نے عربی کتب خانے کو مطلقا کوئی تحفہ ہی نہیں دیا، ضرور دیا ہے اور جو تحفہ بھی دیا ہے وہ اپنے موضوع پر سند اور بے مثال ہے۔ اس حوالے سے جن شخصیات کو امتیازی حیثیت حاصل ہے، ان میں امام لغت وحدیث علامہ زبیدی، مولانا آزاد بلگرامی، شیخ محمد طاہر پٹنیؒ، شیخ علی متقی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے صاحب زادگان، بالخصوص حضرت شاہ عبدالعزیز، علامہ عبدالحی لکھنوی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، مولانا عبدالحی حسنی، مولانا ظفر احمد عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد یوسف کاندھلوی، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، عصر اخیر میں مولانا محمد یوسف بنوری، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی چند علماء نے گراں قدر تالیفی خدمات انجام دی ہیں، لیکن یہ تمام تر سرمایہ آٹے میں نمک اور دریا میں قطرے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، گویا اہل سندھ وہند کی ضرورت سے زیادہ ملکی وحکومتی زبان پر اعتبار وانحصار اور اہل عرب کی یک گونہ چشم پوشی وسہل کوشی نے مل کر ایسی غفلت شعاری کا مظاہرہ کیا، جس کا ناقابل تلافی نقصان اسلامی تاریخ کو برداشت کرنا پڑا۔

گزشتہ چار پانچ دہائیوں سے یہ غفلت شعاری جانبین کی طرف سے کسی قدر بیداری میں تبدیل ہو رہی ہے اور سندھ و ہند سے تعلق رکھنے والے ارباب فضل وکمال اور ان کے تاریخ ساز کارناموں اور تحریری کاوشوں پر مشتمل مختلف موضوعات کے تعلق سے کئی ایک کتابیں سامنے آئی ہیں۔ ان میں علمائے عرب کی مؤلفات میں ڈاکٹر یونس الشیخ ابراہیم السامرائی کی کتاب ''علماء العرب فی شبه القارة الهندية'' باوجود بعض تاریخی غلطیوں کے، اس موضوع پر اہل عرب کی طرف سے لکھی جانے والی تمام کتب میں غالباً سب سے زیادہ مفصل، جامع اور محیط ہے، جب کہ علماء سندھ و ہند کی عربی تصنیفات میں حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی تالیف ''رجال السند والهند'' اور حضرت مولانا عبدالحی حسنی کی ''نزهة الخواطر'' سب سے زیادہ وقیع اور قابل استناد ہے۔

''علماء العرب فی شبه القارة الهندية'' صرف ان شخصیات واعلام کے تذکرے پر مشتمل ہے، جن کا تعلق ساتویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے عہد سے ہے، جب کہ ''رجال السند والهند' میں سندھ وہند کی ایسی نمایاں شخصیات پر بہت کچھ تحریری سرمایہ دست یاب ہے اور اس سے پہلے ادوار' اور حالات وواقعات اور تاریخ ووقائع کے وسیع ذخیرہ کتب میں بکھرے ہوئے ہیں، اس لیے یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ گوشۂ خمول سے نکال کر منظر عام پر لانا اور بیسیوں ضخیم کتابوں کے ہزاروں صفحات میں بکھرے ہوئے حالات وواقعات اور تراجم کو جمع کرنا، ترتیب دینا اور ایک مربوط ومسلسل تذکرے کی لڑی میں پرونا کس قدر مشکل، دشوار گزار اور جگر سوزی کا کام ہے، مگر جواں سال ہمتوں نے ہمیشہ ہی سے اپنے لیے ایسے ہی ناہموار اور پرخطر راستوں کا انتخاب کیا اور ایسے ہی دریائے تلاطم خیز کی تہوں سے درشاہوار نکالنے کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنایا اور ہمت مرداں، مدد خدا کے مطابق وہ اس میں کام یاب بھی رہیں۔

بحر تلاطم کے انہی غواصوں میں ایک نمایاں اور ممتاز نام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوریؒ کا ہے، جنہوں نے حوصلہ شکن اور سخت نامساعد حالات میں اپنا عزم سفر جواں رکھا اور دنیائے رنگ وبو کی خیرہ کن اور پرکشش رعنائیوں اور آسائشوں سے بالکلیہ صرف نظر کر کے، علم وتحقیق کے میدان میں ایک کے بعد ایک مرحلے کامیابی کے ساتھ طے کیے۔ قاضی صاحب کی متعدد قابل قدر علمی وتحقیقی کاوشوں میں "رجال السند والهند" سرفہرست اور چند شاہ کار تالیفات میں سے ایک ہے، جس نے نہ صرف علمائے ہند، بلکہ محققین علمائے عرب سے بھی خراج تحسین وصول کیا اور جسے قاضی صاحب نے بے شمار علمی خرمنوں سے دانہ دانہ چن کر خود ایک حسین اور رشک علماء خرمن علم وتحقیق کی شکل میں تیار کیا۔

اس کتاب میں ساتویں صدی ہجری سے پہلے تک کی ایک سو سے زیادہ ایسی شخصیات کا تذکرہ ہے، جنہوں نے علم وفضل، تحقیق ومطالعہ، تدریس وتعلیم، صلاح وورع، اصلاح وتزکیہ، سیاست وحکومت اور طب وجغرافیہ، نجوم وہیئت یا دیگر میدانوں میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

قاضی صاحب نے اصل کتاب سے پہلے مقدمۂ کتاب کے طور پر سندھ وہند کے بعض مشہور تاریخی مقامات اور شہروں کا تعارف کرایا ہے، جو بجائے خود قابل مطالعہ اور لائق صد تحسین ہے۔ پھر حروف تہجی کی ترتیب پر اعلام وشخصیات کا تذکرہ شامل کتاب ہے۔ ان تذکروں کی بابت اس امر کا شدت سے اہتمام نظر آتا ہے کہ کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہی جائے، بلکہ معتبر اور مستند سوانح وتاریخ نگاروں کی تحریروں کو خوب صورت انداز میں جمع کر دیا جائے۔ ہاں بعض ناگزیر مقامات پر قاضی صاحب نے اپنے تاریخی مطالعے کی روشنی میں تبصرے اور تجزیے کیے ہیں، جو خاصے کی چیز ہیں۔ آخر میں "باب الآباء" اور "باب الأبناء" کے عنوان سے ان اعلام کا تذکرہ ہے، جو اپنے والد اور بیٹوں کی جانب نسبت وکنیت سے شہرت یافتہ ہیں۔ کتاب کا اختتام

"باب المجاهیل" پر کیا گیا ہے جن کے نام وغیرہ کی بابت تصریح دست یاب نہ ہوسکی اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ ان کا تعلق سندھ وہند کے کس علاقے سے تھا؟۔

حضرت قاضی صاحب کی زندگی کے آخری چند سالوں میں بندے کو ان کی خدمت میں رہنے اور قریب سے دیکھنے کا زیادہ موقع ملا، جب وہ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے عملاً زیادہ وابستہ ہوگئے تھے اور ان کی دیوبند آمد ورفت بڑھ گئی تھی۔قاضی صاحب نوجوان فضلاء کی علمی وتحقیقی کاموں کے لیے نہ صرف تشجیع فرماتے، بلکہ ان کی علمی رہ نمائی بھی فرمایا کرتے تھے اور جب کسی فاضل کی تحریری کاوش کا علم ہوتا تو اپنی دلی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے اس کی بے پناہ تحسین فرماتے تھے۔

ناچیز کے تعلق سے بھی قاضی صاحب کو کچھ اسی قسم کا حسن ظن ہوگیا تھا اور وہ ہر ملاقات پر نت نئے موضوعات اور کتابوں پر کام کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے، مگر جس کام کے لیے انھوں نے سب سے زیادہ تاکید کی، اس کا تعلق خود ان کی اپنی دوشاہ کار تالیفات ''رجال السند والهند'' عربی اور ''العقد الثمين في فتوح الهند ومن ورد فيها من الصحابة والتابعين'' عربی کے اردو ترجمے سے تھا۔لیکن بعض ناگزیر مصروفیتوں اور طبعی تکاسل نے حضرت قاضی صاحب کی حیات میں اس جانب متوجہ نہ ہونے دیا اور چند ہی مہینوں بعد قاضی صاحب سفرِ آخرت کو سدھار گئے۔

کچھ عرصہ پہلے صدیق مکرم فاضل گرامی جناب مولانا شفیق احمد خان قاسمی بستوی استاذ حدیث جامعہ خدیجۃ الکبری، کراچی (پاکستان) نے بہ اصرار اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ راقم السطور ''رجال السند والهند'' کو اردو قالب میں ڈھال دے، تاکہ اس ذخیرۂ علم سے اردوداں طبقہ بھی مستفید ومستفیض ہوسکے۔ان کی جانب سے یہ اصرار زور پکڑتا رہا اور بندے نے بہ توفیق الٰہی ترجمے کا آغاز کردیا۔مگر بعض ناگفتہ حالات اس راہ میں تسلسل کے ساتھ حائل ہوتے رہے اور یوں یہ کام مہینوں کے بجائے سالوں میں جاکر پایۂ تکمیل کو پہنچ سکا۔

راقم نے ترجمے میں اس بات کا بھرپور خیال ملحوظ رکھا ہے کہ کتاب کی شستہ ترجمانی کے ساتھ ساتھ اصل کتاب کی کوئی بات رہ نہ جائے۔ قاضی صاحبؒ نے جس جگہ اپنا تبصرہ شامل کیا ہے، وہاں آخر میں بین القوسین (قاضی) لکھ کر اشارہ کردیا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر درج کتاب قصائد کے بعض اشعار، ترجمے میں حذف کردیے گئے ہیں اور حاشیے پر اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں "باب المجاهيل" کے عنوان کو چنداں سودمند اور مفید مطلب نہ سمجھ کر ترجمے میں نظر انداز کردیا گیا ہے۔

ترجمے کے دوران چند باتوں کی طرف احقر کی توجہ بہ طور خاص گئی، جن کے اضافے سے ترجمے اور خود کتاب کی افادیت ومعنویت دوچند ہوسکتی ہے، وہ یہ ہیں: تمام مراجع کی مکمل تخریج، اقتباسات کا اصل مآخذ کے ساتھ مقابلے کے بعد ضروری تحشیہ وتعلیق اور بعض ایسی شخصیات کے تراجم کا تذکرہ جو اصل کتاب میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ یہ کام بہت دقت طلب اور محنت طلب ہے، جو بہ چند وجوہ بندے کے لیے ناممکن ہے، کسی قدر کام تو ہوگیا ہے، خدا کرے کہ بہ عجلت تمام مکمل ہوجائے تو آئندہ ایڈیشن میں ان کے اضافے کا ارادہ ہے، بلکہ بہتر ہوتا کہ اصل عربی کتاب بھی تعلیق وتخریج اور تحشیہ کے ساتھ ازسرِنو زیورِ طبع سے آراستہ کی جائے۔ لیکن اس کے سبب اصل کتاب کی اپنی اہمیت، قدر وقیمت اور افادیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی اور اس موضوع پر اردو میں تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ ترجمہ بلاشبہ ایک مستند ذخیرہ اور لائق اعتماد وثیقہ ہوگا۔

اس ترجمے کی اشاعت کی مناسبت سے احقر ان مخلصین کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہے، جنھوں نے کسی بھی عنوان سے بندے کو گراں بار احسان کیا، بالخصوص استاذ عالی قدر حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی زید مجدہم استاذ ادب عربی ورئیس تحریر ماہنامہ الداعی عربی، دارالعلوم دیوبند، استاذ گرامی حضرت

مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہم العالی مولف ''ایضاح البخاری'' استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مشفق ومحترم جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ استاذ شعبۂ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند، کہ اوّل الذکر نے اردو وعربی زبان وادب کا نہ صرف شعور عطا کیا بلکہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود زمانۂ تلمذ سے لے کراب تک ہر مرحلے پر معلمانہ ومربیانہ رہ نمائی، نصائح اور قیمتی مشوروں سے ہمیشہ ہی سرفراز فرمایا اور ترجمتین کے اصول ومبادی ذہن نشین کرنے کے ساتھ قدم قدم پر اصلاحات بھی دیں اور مؤخرالذکر دونوں محسنین نے بندے کی ہر علمی وقلمی کاوش پراپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، حوصلہ افزائی کی اور ہر ممکن تعاون دینے کے علاوہ اپنے وقیع تاثرات سے ترجمہ ہذا کی قدروقیمت میں اضافہ کیا۔ حق جل مجدہ ان سب حضرات کا سایۂ عاطفت، صحت وعافیت کے ساتھ تادیر ہم خردوں کے سروں پر قائم رکھے۔ (آمین) نیز عزیزان مولوی محمد وصی بستوی، مولوی محمد سلمان سدھارت نگری اور مولوی عالمگیری مظفرنگر سلہم اللہ وزادہم علماً نافعا کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ترجمے میں ناچیز کا ہاتھ بٹایا۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ترجمہ ہذا کواردوداں طبقے کے لیے کارآمد، مؤلف مرحوم اور ناچیز مترجم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور ناشروطابع کواس کی دیدہ زیب اشاعت پراجرعطا فرمائے اورانھیں مزید علمی خدمات کے لیے قبول فرمائے۔

(آمین یارب العلمین)

خاکسار

عبدالرشید بستوی

۱۲رشعبان ۱۴۱۹ھ

قاضی اطہر مبارک پوریؒ، نقوشِ زندگی

تحریر: عزیز القدر مولانا مفتی وصی احمد قاسمی / استاذ معہد الانور دیوبند

صاحب کتاب حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ موجودہ دور میں ''مؤرخ اسلام'' کے پرشکوہ خطاب کے صحیح معنی میں مستحق ہیں، انھوں نے تاریخ اسلام اور تاریخ ہندوسندھ کے متعدد گوشوں کے تعلق سے کئی ایک بلند پایہ اعلی اور تحقیقی کتابیں تالیف کی ہیں۔ ذیل کی سطور میں حضرت قاضی صاحب کی زندگی اور علمی وتصنیفی کاموں کا مختصر اور جامع تعارف پیش کیا جارہا ہے، جو تمام تر خود قاضی صاحبؒ کے تالیف کردہ رسالے ''قاعدۂ بغدادی سے صحیح بخاری تک'' سے ماخوذ ہے۔

پیدائش

۴ر رجب ۱۳۳۴ھ - ۷ر مئی ۱۹۱۶ء کو آپ نے ایک علمی اور دینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، جائے ولادت ضلع اعظم گڑھ کا مشہور مردم خیز قصبہ مبارک پور ہے، آپ کے جد اعلیٰ مغل شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں کے دور میں بانی مبارک پور راجہ سید مبارک (متوفی ۹۶۵ھ) کے ہمراہ مبارک پور تشریف لائے اور اس وقت سے ایک طویل عرصہ تک چوں کہ نیابت قضا کا عہدہ آپ کے خاندان میں چلتا رہا، اس لیے لفظ قاضی آپ کے نام کا بھی جز بن گیا اور قاضی اطہر کے نام سے مشہور ہوئے، ویسے اصل نام عبد الحفیظ اور والد ماجد کا اسم گرامی شیخ محمد حسن ہے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم گھریلو مکتب میں حاصل کی، عربی تعلیم کا تقریباً پورا زمانہ مدرسہ احیاء

العلوم مبارک پور میں گزرا۔ البتہ دورۂ حدیث کی تکمیل مدرسہ شاہی مرادآباد میں ہوئی۔
مخصوص اساتذہ میں مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری (متوفی ۱۴۰۴ھ) مولانا شکر اللہ مبارک پوری (متوفی ۱۳۶۱ھ) مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادی (متوفی ۱۳۹۲ھ) مولانا سید محمد میاں دیوبندی (متوفی ۱۳۹۵ھ) مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی (متوفی ۱۳۹۵ھ) اور خال محترم مولانا محمد یحییٰ صاحب رسول پوری (متوفی ۱۳۸۷ھ) ہیں، مؤخر الذکر سے موصوف کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئے اور ان کی تعمیر میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

شوق مطالعہ

آپ ابتداء ہی سے ایک باذوق، حوصلہ مند اور مطالعہ کے رسیا طالب علم تھے، قلت وسائل کے باوجود حوصلہ کی بلندی اور شوق طلب کا یہ عالم تھا کہ ان کے اپنے بہ قول جامع ازہر مصر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا سودا ہر وقت سر میں سمایا رہتا تھا، مگر جب اس کی کوئی سبیل نظر نہیں آئی تو اپنے گھر اور مدرسے ہی کو جامع ازہر جامع زیتون، جامع قرطبہ، مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ مستنصریہ بنالیا اور وطن ہی میں رہ کر خدا کے فضل وکرم، اساتذہ کی شفقت ومحبت اور اپنی جدوجہد سے وہ سب کچھ حاصل کرلیا، جس سے زیادہ شاید ان علمی مراکز میں بھی نہ ملتا۔

شوق مطالعہ آپ کا امتیاز تھا، بلکہ حسب تصریح خود قاضی صاحب جنون ودیوانگی کی حد تک بڑھا ہوا تھا، زمانۂ طالب علمی میں چلتے پھرتے بھی کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ضرور رہا کرتی تھی، حتی کہ کھانے کے وقت کتاب سامنے رہتی، راتوں کو درسیات کے مطالعے کے بعد گھنٹوں غیر درسی کتابوں کے مطالعے میں منہمک رہتے۔ کثرتِ مطالعہ اور کتب بینی سے بعض اوقات آنکھ میں سوزش پیدا ہوجاتی، دانے نکل آتے اور سر چکرانے لگتا تھا، لیکن راہ طلب کے اس تیز گام مسافر کی رفتار میں کوئی کمی نہ آتی۔ شوق وطلب کا یہی جذبہ دم واپسیں تک ہم رکاب رہا،

جس کی کافی شہادت ان کی بیش بہا تالیفات وتعلیقات ہیں۔

مضمون نویسی کی ابتداء

تصنیف وتالیف کا ذوق خداداد تھا، قلم پکڑنے اور کچھ نہ کچھ لکھنے کا شعور اردو تعلیم کے زمانے سے ہی پیدا ہو چلا تھا، عربی شروع کی تو اس شوق کو اور مہمیز لگی، لیکن چوں کہ معلومات کی فراہمی، ان کی ترتیب اور اسلوب نگارش وغیرہ میں کسی کی رہنمائی حاصل نہ ہو سکی، اس لیے شروع میں ایک مضمون کئی بار لکھتے اور پھاڑ کر پھینک دیتے اور کافی محنت کے بعد ہی وہ ان کے ذوق کے مطابق ہوتا۔ دسمبر ۱۹۳۴ء میں سب سے پہلا مضمون بہ عنوان ''مساوات'' مومن نامی بدایوں کے ایک رسالے میں شائع ہوا۔ اس وقت آپ عربی کے ابتدائی درجات کے طالب علم تھے، مضمون کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

''بنی نوع انسان میں مساوات ویکسانیت کا حد اعتدال پر قائم رکھنا اتنا ضروری اور لازمی ہے کہ اس کے بغیر نہ کسی سلطنت کا نظام اچھی طرح قائم رہ سکتا ہے اور نہ دنیا کی کوئی جماعت فروغ پاسکتی ہے، جو مذہب یا قانون مساوات ویکسانیت سے خالی ہو، سمجھ لو کہ وہ بالکل ناقص ہے، اسی طرح جو جماعت یا سوسائٹی اپنے افراد میں مساوات ویکسانیت بہ درجہ اتم برقرار نہ رکھ سکتی ہو، یقین کر لو کہ وہ آج نہیں تو کل دنیا سے فنا ہو جائے گی، اس طرح ہر نظام اور سوسائٹی کی روح رواں درحقیقت مساوات اور صرف مساوات ہے، آج کل دنیا کی کوئی قوم اور مذہب ایسا نہیں جو مساوات کا دعوے دار نہ بنتا ہو، لیکن جب ایک انصاف پسند انسان صحیح طریقے پر اس کی جانچ کرنے بیٹھتا ہے، تو اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب اس امتحان پر پورا نہیں اترتا''۔

ذوق شعر وسخن

اردو تعلیم ہی کے زمانے سے شعر وشاعری کا ذوق بھی ابھرنے لگا تھا، اس

وقت آپ کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی، مضمون نگاری کی طرح شعروشاعری میں بھی کسی سے اصلاح یا مشورہ کی باری نہیں آئی، ذوق ہی واحد رہنما تھا، خوداعتمادی کے ساتھ آگے بڑھے، تو اس میدان کے بھی شہ سوار ثابت ہوئے، آئے دن جلسوں کے لیے ملی، قومی، سیاسی اور مذہبی نظمیں کہنے لگے، سب سے پہلے نظم ''مسلم کی دعا'' کے زیرعنوان ماہ نامہ الفرقان بریلی جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوئی۔ جامع مسجد مبارک پور کے چندہ کے سلسلہ میں بہت سی نظمیں کہی تھیں، جنھیں بعد میں ''اذان کعبہ'' کے نام سے یکجا کر دیا گیا، اس کی ایک نظم کے چند بند ملاحظہ ہوں:

نظر جب جب اٹھائی جارہی ہے ❁ جھلک کعبہ کی پائی جارہی ہے
نظر میں نور پیدا ہورہا ہے ❁ یہ دل شاد تمنا ہورہا ہے
زمیں پہ عام چرچا ہورہا ہے ❁ فلک پہ شور برپا ہورہا ہے
بناؤ مسجد جامع بناؤ ❁ بڑھاؤ دین کی شوکت بڑھاؤ
کماؤ دولت عقبیٰ کماؤ ❁ بلاؤ روح حاتم کو بلاؤ
یہاں ہمت دکھاتی جارہی ہے ❁ مسلماں سن ذرا گوش صفا سے
مسلماں کام لے جو دوسخا سے ❁ مسلماں جوڑ رشتہ مصطفیٰ سے
مسلماں تیری مذہب سے خدا سے ❁ محبت آزماتی جارہی ہے

تصنیفی زندگی کا آغاز

تحصیل علم سے رسمی اور عرفی فراغت کے بعد تدریسی وتصنیفی زندگی شروع ہوئی۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء تک مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور سے وابستہ رہے، اس دوران اساتذہ وتلامذہ میں عربی زبان وادب کا ذوق پیدا کرنے کے لیے ''رابطہ الأدباء'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، ''مجلة رابطة الادباء'' کے نام سے دوتین نمبر بھی شائع کیے، مگر بہ وجوہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔ اسی زمانے میں شباب کمپنی

ممبئی کے لیے سید جمال الدین افغانی کے دو عربی رسالوں کا ترجمہ کیا۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۴۴ء سے ۱۲ر جنوری ۱۹۴۵ء تک مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر سے متعلق رہ کر ردِ شیعیت وقادیانیت پر مضامین لکھے۔ ۱۳ر جنوری ۱۹۴۵ء تا یکم جون ۱۹۴۶ء زمزم کمپنی لمیٹڈ لاہور سے منسلک ہو کر ساڑھے نو سو صفحات میں منتخب التفاسیر مرتب کی۔

تقسیم ملک سے کچھ پہلے مئی یا جون میں ایڈیٹر روزنامہ ''زمزم'' مولانا محمد عثمان فارقلیط کے ہمراہ اس خیال سے وطن آگئے کہ ہنگامے کے بعد واپس چلے جائیں گے، لیکن ایسا نہ ہو سکا، قیام لاہور کے زمانہ میں درج ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

۱- منتخب التفاسیر جس کی کتابت تیرہ پاروں تک ہو چکی تھی۔

۲- علمائے اسلام کی خونیں داستانیں: جس کے ۴۰۰ صفحات کی کتابت احسان دانش مرحوم مالک مکتبہ دانش کرا چکے تھے۔

۳- ائمہ اربعہ: اس کی پوری کتابت تنظیم اہل سنت امرتسر نے کرائی تھی۔

۴- الصالحات: اسے ملک دین محمد اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور نے بہ غرض اشاعت لے لیا تھا۔

لیکن افسوس کہ ان میں سے کوئی کتاب شائع نہ ہو سکی اور تقسیم ملک کی نذر ہو گئی، تقسیم کے بعد بھی اگرچہ بعض اکابر اہل علم وقلم کا یہ اصرار رہا کہ موصوف دوبارہ لاہور جا کر تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری کریں، لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔

۱۹۴۸ء کی ابتداء میں مولانا محفوظ الرحمٰن نامی سکریٹری آف حکومت یوپی کی زیر نگرانی بہرائچ سے آپ نے ہفتہ وار اخبار ''انصار'' جاری کیا، جس کے شریک ادارت مولانا عبد الحفیظ بلیاوی مرحوم مصنف ''مصباح اللغات'' تھے، یہ اخبار حکومت کے عتاب کی وجہ سے سات آٹھ ماہ بعد بند ہو گیا۔ قیام بہرائچ ہی کے دوران آپ نے اپنی تصنیف ''تذکرۂ علمائے مبارک پور'' کے لیے ابتدائی معلومات فراہم کیں۔

شوال ۱۳۶۷ھ سے شعبان ۱۳۶۸ھ تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات میں

تدریسی خدمت انجام دیں، یہاں کے عظیم الشان کتب خانے سے خوب خوب استفادہ کیا اور یہیں اپنی بلند پایہ عربی تصنیف ''رجال السند والہند'' کی تالیف کا آغاز کیا۔

عروس البلاد بمبئی میں

آٹھ سال تک مبارک پور، امرتسر، لاہور، بہرائچ اور ڈابھیل میں گزارنے کے بعد ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق نومبر ۱۹۴۹ء کو عروس البلاد بمبئی پہنچے، جو آپ کے علمی سفر کی آخری منزل تھی۔ ابتداء میں دفتر جمعیۃ علماء بمبئی میں افتاء اور دوسری تحریری ذمہ داریاں سنبھالیں، ۱۵/جون ۱۹۵۰ء سے روزنامہ ''جمہوریت'' کا اجراء ہوا تو آپ اس کے سب ایڈیٹر بنائے گئے۔ پھر اس سے مستعفی ہو کر ۲۳/فروری ۱۹۵۱ء سے روزنامہ ''انقلاب'' سے وابستگی اختیار کرلی اور متواتر چالیس سال تک ''جواہر القرآن'' ''احوال'' اور ''معارف'' کے عنوان سے ہر قسم کے علمی، دینی، سیاسی اور تاریخی مضامین بلاناغہ تین مستقل کالموں میں لکھتے رہے۔ کسی ایک اخبار سے چالیس سال تک اس طرح کی وابستگی صحافتی تاریخ کا ایک ریکارڈ ہے۔

۱۹۵۲ء میں انجمن خدام النبی کی طرف سے جب ماہ نامہ ''البلاغ'' اور ہفت روزہ ''البلاغ'' جاری ہوا تو دونوں کی ادارت میں آپ شریک رہے، ہفت روزہ تو چھ ماہ کے بعد بند ہوگیا؛ لیکن ماہ نامہ ''البلاغ'' آپ کی ادارت میں پچیس سال سے زیادہ مدت تک جاری رہا۔ اس طرح آپ نے تقریباً دسیوں رسالوں کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیے و کذلک یفعل الکبار۔

احیاء العلوم مبارک پور اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے علاوہ آپ نے انجمن ہائی اسکول بمبئی اور دار العلوم امدادیہ بمبئی میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۱ء میں بھیونڈی میں مفتاح العلوم کے نام سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جو ماشاء اللہ اب مہاراشٹر کا عظیم دینی و علمی ادارہ بن چکا ہے۔

اردو تصانیف

مختلف موضوعات پر اردو میں آپ کی درج ذیل تصانیف ہیں:
۱-عرب و ہند عہدِ رسالت میں۔۲-ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔۳-خلافت راشدہ اور ہندوستان۔۴-خلافت امویہ اور ہندوستان۔۵-خلافت عباسیہ اور ہندوستان۔۶-اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔۷-مآثر و معارف۔۸-دیارِ پورب میں علم وعلماء۔۹-آثار واخبار۔

یہ سب کتابیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئیں اور پہلی پانچ کتابوں کو تنظیم فکرونظر سکھر سندھ پاکستان نے دوبارہ شائع کیا۔عرب و ہند عہد رسالت میں اور ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں کو مکتبہ عارفین کراچی نے دوبارہ شائع کیا۔پہلی دو کتابوں کا مصری عالم ڈاکٹر عبدالعزیز عبدالجلیل نے عربی میں ترجمہ کیا،پہلی کتاب کا ترجمہ ''الهيئة المصرية لكتاب مصر'' نے اور دوسری کا ''مكتبة آل عبدالله البكرية رياض'' نے شائع کیا،اس کے علاوہ پہلی کتاب کا سندھی ترجمہ بھی تنظیم فکرونظر سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۰-مختصر سوانح ائمہ اربعہ۔۱۱-تدوین سیر ومغازی۔۱۲-خیر القرون کی درسگاہیں اوران کا نظام تعلیم وتربیت۔۱۳-خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات۔یہ کتابیں شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کی طرف سے طبع ہوئیں۔۱۴-معارف القرآن تاج ایجنسی بمبئی سے شائع ہوئی۔۱۵-علی وحسین۔۱۶-طبقات الحجاج۔۱۷-تذکرہ علمائے مبارک پور۔۱۸-تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں۔۱۹-افادات حسن بصری۔۲۰-اسلامی نظام زندگی۔۲۱-حج کے بعد۔۲۲-مسلمان۔۲۳-اسلامی شادی۔۲۴-قاعدہٴ بغدادی سے صحیح بخاری تک:یہ کتابیں مختلف اوقات میں مختلف اداروں سے شائع ہوئیں،آخر کے چند رسائل متعدد بار طبع ہوئے۔

عربی تصانیف

اردو کے علاوہ عربی میں بھی آپ کی بیش قیمت تصنیفات ہیں:

۱-**رجال السند و الهند** پہلی بار محمد احمد میمن برادران کے زیر اہتمام مطبع حجازیہ بمبئی میں چھپی، دوسری بار حک واضافے کے بعد دو اجزاء میں دار الانصار قاہرہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کو اب اردو کے قالب میں ڈھال کر شائع کیا جا رہا ہے۔

۲- **العقد الثمین فی فتوح الهند و من وردفیها من الصحابة و التابعین** پہلی بار ابناء مولوی محمد بن غلام السورتی بمبئی نے شائع کیا، دوسری بار دار الانصار قاہرہ سے شائع ہوئی۔

۳- **الهند فی عهد العباسیین** دار الانصار قاہرہ مصر سے طبع ہوئی۔

تحقیق و تعلیق

تصنیفات کے علاوہ آپ کی عربی تحقیقات و تعلیقات بھی ہیں:

۱-**جواهر الاصول فی علم حدیث الرسول لأبی الفیض محمد بن محمد بن علی الحنفی الفارسی.**

۲-**تاریخ أسماء الثقات لابن شاهین البغدادی**: ان دونوں کتابوں کو **شرف الدین الکتبی و أولاده** بمبئی نے شائع کیا، پہلی کتاب کو دار السّلفیہ بمبئی اور **مکتبة علمیة** مدینہ منورہ نے بھی شائع کیا۔

۳- **دیوان احمد**، یہ آپ کے نانا مولانا احمد حسین صاحب کے عربی اشعار وقصائد کا مجموعہ ہے، جسے آپ نے مرتب و مدون کر کے شائع کیا۔

ان مستقل تصنیفی و تالیفی کاموں کے علاوہ آپ نے بہت سے علمی و تحقیقی مضامین معارف اعظم گڑھ برہان دہلی، صدق لکھنؤ، دار العلوم دیوبند اور دیگر

اخبارات ورسائل میں لکھے، بلکہ اخبار ''انقلاب'' میں چالیس سال تک جو مضامین مختلف موضوعات پر لکھے ہیں، اگر ان کو علیحدہ علیحدہ عنوان سے جمع کر دیا جائے تو بلاشبہ سیکڑوں جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

خدا تعالیٰ حضرت قاضی صاحبؒ کی ان تالیفی خدمات کو قبول فرمائے اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین!

بندہ

وصی احمد بستوی القاسمی

خادم تدریس معہد الانور دیو بند

۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

کلماتِ دعاء

حضرت علامہ ابوالوفاء افغانیؒ

صدر لجنہ احیاء معارف نعمانیہ حیدرآباد (دکن)

الحمدللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ الذین فازوا منہ بحظ عظیم، امابعد!

احقر نے علمائے سندھ وہند کے حالات پر فاضل جلیل برادرم قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کی کتاب "رجال السند والہند" کا جستہ جستہ مطالعہ کیا، یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ موصوف نے مختلف بنیادی کتابوں سے بڑی دیدہ وری کے ساتھ یہ کتاب ترتیب دی ہے اور بڑی حد تک وہ خلا پُر کر دیا ہے جو اب تک علماء کی توجہ سے محروم تھا۔ خدا ان کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازے، تحریر و تخلیق کا غازی بنائے اور اس کتاب کی تکمیل کی توفیق دے؛ تاکہ اس موضوع پر ایک کافی ووافی ذخیرہ جمع ہو جائے اور کتاب ہر اعتبار سے مکمل اور اہل علم کے لیے نفع بخش اور چشم کشا ثابت ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کو مزید نیک کاموں کی توفیق دے اور اس قسم کے علمی آثار و ذخائر کی ترتیب و تالیف کے لیے تادیر بقید حیات رکھے۔

❁❁❁

مبارک کوشش

مصر کے مشہور محقق و نقاد شیخ عبدالمنعم النمرؒ

رکن از ہر ڈیلی گیشن و رکن اسلامی کانفرنس، برائے ہند

فاضل رفیق مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کی تصنیف ''رجال السند والہند'' کو خاص خاص مقامات سے دیکھنے کا موقعہ ملا، مجھے محسوس ہوا کہ موصوف نے مختلف مآخذ و مراجع سے اس کتاب کو ترتیب دینے میں بڑی محنت کی ہے، اس کتاب کے ذریعہ سندھ و ہند میں گزری ہوئی ہر شعبۂ زندگی سے متعلق نمایاں شخصیات کو بہ خوبی جانا جا سکتا ہے، یہ ایک ایسی مبارک کوشش ہے جس کی وجہ سے مؤلف موصوف ہر قاری کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں۔ مجھے امید ہے کہ قاضی صاحب ساتویں صدی ہجری کے بعد کی سندھ و ہند کی شخصیات پر بھی قلم ضرور اٹھائیں گے، تاکہ عربی داں حضرات برصغیر ہندوپاک کی شخصیات کا صدی وار مطالعہ کر سکیں۔ احقر فاضل برادر احمد غریب کو مبارک باد پیش کرتا ہے کہ ان کی کوششوں کے طفیل یہ کتاب قارئین تک پہنچ سکی۔

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بڑی مسرت ہوئی

فاضل گرامی قدر شیخ عبدالعال عقباویؒ

رکن از ہر ڈیلی گیشن و رکن اسلامی کانفرنس برائے ہند

مشیتِ ایزدی سے بمبئی میں میری ملاقات فاضل برادر جناب قاضی اطہر صاحب مبارک پوری سے ہوئی، اس وقت سندھ و ہند کی ہر طبقے کے عظیم شخصیات کے حالات پر مشتمل ان کی کتاب "رجال السند والہند" کو بھی دیکھنے کا موقع ملا، اس بے مثال کتاب کی تالیف میں موصوف نے جس غیر معمولی سرگرمی اور دقتِ نظر کا مظاہرہ کیا ہے اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی، یہ ان کی ایسی قابل قدر کاوش ہے جس کے نتیجے میں ابتدائے اسلام سے لے کر ساتویں صدی ہجری تک کی اسلامی ہند کی شخصیات کا تعارف آسان ہو گیا ہے۔ انھوں نے حالات نگاری میں حروفِ تہجی کی آسان ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، کتاب میں مذکورہ مآخذ و مراجع ہی سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس بیش قیمت کتاب کی تصنیف میں مؤلف نے کس قدر محنت و جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ رب کریم انھیں صحت و تندرستی سے نوازے اور ان کا سایہ تادیر قائم رکھے تاکہ اس کتاب کا دوسرا حصہ بھی منظر عام پر آجائے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو ان کی اس کوشش کا بہترین صلہ عنایت فرمائے۔ وهو نعم المولی ونعم المعين۔

❁❁❁

دعاء

مشہور ومعروف محقق ومورخ احمد سباعی مکیؒ

مؤلف تاریخ مکہ مکرمہ

تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلامی تحقیقات کے حوالے سے علمائے ہند کی خدمات ایک واضح حقیقت ہیں، ان میں فلاسفہ بھی گزرے ہیں، حفاظ حدیث بھی، راویان حدیث بھی گزرے ہیں، مفسرین بھی، ادباء بھی گزرے ہیں اور ٹھوس دلائل سے زندیقوں اور ملحدوں کا رد کرنے والے مناظرین ومحققین بھی، بلکہ اس باب میں ان کی خدمات کا پلڑا اوروں کی بہ نسبت جھکا ہوا نظر آتا ہے، اس لیے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ کوئی شخص ان عظیم شخصیات پر کچھ لکھے، البتہ یہ بات ضرور حیرت انگیز ہے کہ مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے ان نادرۂ روزگار شخصیات کے حالات اس انداز پر قلم بند کردیے جائیں کہ بہ ظاہر ایسا کرنا ممکن نہ ہو۔ قاضی اطہر صاحب مبارک پوری نے یہی کچھ کیا ہے، مجھے ''رجال السند والهند'' نامی ان کی یہ جامع کتاب دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، دعا ہے کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو قاضی صاحب جیسی عظیم ہستیوں سے محروم نہ کرے۔ إنّه سَميع مجيب الدعاء.

❋❋❋

تعارف

پروفیسر احمد فرید/مقیم بمبئی

اپنی حالیہ تصنیف ''رجال السند والہند'' دکھانے کے بعد محقق جناب قاضی اطہر صاحب مبارک پوری نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ان کی بیش قیمت کتاب کے تعلق سے کچھ تعارفی کلمات لکھ دوں۔ اس میں شک نہیں کہ قاضی صاحب نے اس کتاب کے ذریعہ عربی لائبریری کی ایک بڑی ضرورت پوری کردی ہے، عام مؤرخین و محققین کی نظروں سے پوشیدہ اپنے مستند تاریخی مآخذ کی بہ دولت یہ کتاب جلد ہی ادبی اور تاریخی حلقوں میں اپنا ایک مقام پیدا کرلے گی۔ اس کتاب میں آپ کو انتہائی دل نشیں اور دل کش پیرائے میں ان علمائے ہند کے حالات پڑھنے کو ملیں گے جو ہر فن میں کامل دست گاہ رکھتے تھے جو ماضی میں منارۂ نور اور اب سلف صالحین شمار ہوتے ہیں۔ کتاب کے مطالعے سے آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ کوئی انسائیکلو پیڈیا ہے، کوئی سمندر ہے جس کا ساحل نہیں، آپ کے سامنے تاریخ کا وہ اہم باب ہوگا جس کی اسلام کے سنہرے دور کی ان عظیم شخصیات سے واقفیت کے لیے ضرورت تھی۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ ایک ایسی وقیع علمی خدمت انجام دی ہے جو ایسے نامساعد حالات میں انھیں جیسوں کا حصہ ہوسکتا ہے، بلاشبہ یہ ایک تاریخی دفتر ہے جو اپنے اندر ماضی کے تمام واقعات اور اس دور میں گزری جملہ شخصیات کے احوال و آثار کو سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ایک دستاویز ہے جس سے برصغیر کے مسلمانوں کو خلیجی ممالک سے جوڑنے میں مدد ملے گی، کیوں کہ یہ ماضی میں عرب و عجم کے روحانی مذہبی اور تمدنی و ثقافتی تعلقات اور رشتوں کی منظر کشی کرتی ہے، اس لیے ہر مسلمان اور ہر عربی مفکر سے میری گزارش ہے کہ وہ اس قیمتی کتاب کو ضرور پڑھے تاکہ اسے ان حقائق کا علم ہو جس کی اسے تلاش ہے۔ اخیر میں احقر مؤلف موصوف کی خدمت میں عزت افزائی اور شکریے کے جذبات پیش کرتا ہے۔

امت کا فریضہ ادا کردیا

علامہ سلیمان دارانی دمشقیؒ

استاذ جامع بنی امیہ، دمشق

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد!

میں نے فاضل مؤلف مولانا قاضی اطہر صاحب حفظہ اللہ کی کتاب ''رجال السند والہند'' کے بعض مقامات کو دیکھا، ماشاء اللہ انھوں نے اس سلسلے میں علمائے امت پر عائد ذمہ داریوں کو کسی حد تک پورا کردیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اولیاء اللہ کا ذکر خیر باعث رحمت خداوندی ہے اور یہ علماء ہی اولیاء امت ہیں، کیوں کہ اگر انھیں بھی ولی نہ مانا جائے تو روئے زمین ہی ولایت سے خالی ہوجائے گی، یہ چند تعارفی جملے ہیں جو میں نے اس کتاب کے حوالے سے لکھے ہیں، اگرچہ میں اس لائق نہیں ہوں کہ کسی کتاب پر تقریظ لکھوں یہ تو محض خدا کی توفیق ہی کہی جاسکتی ہے، **إنه الموفق وهو يهدى السبيل۔**

❁❁❁

اپنے موضوع پر کامل و مکمل کتاب

شیخ سعد بن عبداللہ شملان ؒ/ مشہور بحرینی عالم

وباللہ التوفیق "رجال السند والہند" نامی قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کی کتاب نظر نواز ہوئی، تنگیٔ وقت کے باعث بالاستعیاب تو اس کا مطالعہ نہ کرسکا، لیکن جو کچھ دیکھا اس کی روشنی میں اسے ایک عمدہ اور اپنے فن میں کامل و مکمل کتاب کہہ سکتا ہوں، پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے بعد بلاشبہ یہ اکابر کے علمی خزانے کا سراغ دینے والی ایک شان دار کتاب ہوگی خدا اس کتاب کو افادۂ عام کا ذریعہ بنائے، سلف صالحین کی زندگیوں سے ہمارے لیے عبرت کا سامان کرے اور ہمیں ان کا پیروکار بنا کر کردار وعمل کا غازی بنائے، یہ بھی دعا ہے کہ وہ دین اسلام کو سربلند رکھے، اس کی خدمت ونصرت کے لیے نیک اور صالح افراد مہیا کرے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

تشکر وامتنان

اخیر میں احقر ان تمام جلیل القدر علماء ومشائخ کا شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے اپنی تقریظات سے اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا احساس دلایا، اسی طرح وہ لوگ بھی شکریے کے مستحق ہیں جن کا اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں کسی بھی قسم کا تعاون رہا ہے، خصوصاً حضرت مولانا غلام محمد صاحب خطیب جامع مسجد بمبئی، مولانا محمد عثمان مبارک پوری، عالی جناب الحاج محی الدین منیری اور برادرم محمد صدیق صاحب قادری جیسے مخلص حضرات کا راقم الحروف کچھ زیادہ ہی شکر گزار ہے۔

مؤلف کتاب

مقدمہ کتاب

از مؤلف: (حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ)

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سیدنا ونبینا ومولانا محمد صلی الله علیه وعلی آله وأصحابه وأتباعه أجمعین وسلّم.

احقر قاضی اطہر بن محمد حسن بن لال محمد بن شیخ رجب بن امام بخش بن محمد رضا مبارک پوری اعظمیؒ رقم طراز ہے کہ جس طرح علماء نے عالم اسلام حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور دیہاتوں پر بہت کچھ لکھ رکھا ہے اور اس میں انھوں نے فتوحات، رعایا وسلاطین کے حالات اور اسلام ومسلمانوں کے سلسلے میں رونما ہونے والے واقعات درج کیے ہیں، تاریخ بغداد، تاریخ اصفہان، تاریخ جرجان اور تاریخ شام وغیرہ جغرافیہ، اسفار، تاریخ اور طبقات کی سیکڑوں کتابیں جس کا بین ثبوت ہیں اسی طرح مؤرخین نے زمانۂ قدیم ہی سے ہند کی تاریخ، فتوحات اور یہاں کے باشندوں کے حالات سے بھی دل چسپی لی ہے۔ ابن ندیم کی تصریح کے مطابق علی بن محمد بن عبداللہ مدائنی (متوفی ۲۲۵ھ) نے اس موضوع پر "ثغر الهند" اور "عمال الهند" نامی دو کتابیں تصنیف کیں، علماء کے بہ قول خراسان، ہندوستان اور ایران کے حالات سے ان سے زیادہ اس وقت کوئی دوسرا واقف نہ تھا، مدائنی کی یہ کتابیں اب ناپید ہیں۔ مدائنی کے بعد احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی کتاب "فتوح البلدان" میں فتوحات سندھ سے متعلق ایک مستقل باب قائم کر کے کتاب کی تصنیف کے وقت (۲۵۵ھ) تک کے سارے حالات قلم بند کردیے ہیں، تاریخ ہند پر اسے تیسری تصنیف سمجھا جائے فتوح البلدان کا یہ حصہ کتاب کے ساتھ دستیاب ہے۔ علامہ عبدالکریم ابن ابوبکر سمعانی مروزی (متوفی ۵۶۲ھ) کی "کتاب الانساب" میں بھی

سندھ وہند کی شخصیات کا کچھ تذکرہ موجود ہے، فتوح البلدان کی طرح یہ کتاب بھی دستیاب ہے۔ شہر الور کے قاضی اور خطیب شیخ اسماعیل بن علی بن محمد ثقفی سندھی کے آباء واجداد کی بھی اس موضوع پر ''تاریخ السندوغزوات المسلمین علیھا وفتوحاتھم'' نام کی ایک عربی تصنیف موجود ہے ''کشف الظنون'' میں تاریخ سندھ سے مراد شاید یہی کتاب ہے۔ افسوس کہ یہ کتاب بھی علامہ مدائنی کی کتابوں کی طرح زمانے کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی، اسماعیل ثقفی کے بعد ۶۱۳ھ میں علی بن حامد ابن ابوبکر کوفی اوشی نے تاریخ سندھ پر ایک فارسی تصنیف یادگار چھوڑی، وہ اپنی اس کتاب کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ ''الور'' میں میری قاضی اسماعیل بن علی ثقفی سندھی سے ملاقات ہوئی ان کے پاس ان کے آباء واجداد کی عربی تصنیف ''تاریخ السند'' کے کچھ اجزاء دیکھ کر میں نے انھیں لے لیا اور بعد میں اس کا فارسی ترجمہ کردیا، کوفی اوشی کی یہ کتاب ''چچ نامہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مذکورہ بالا تمام کتابیں اس موضوع سے متعلق ساتویں صدی ہجری تک کی معلومات فراہم کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ سندھ وہند کے حالات، فتوحات اور شخصیات کا تذکرہ بہت سی کتب غزوات وفتوحات، کتب طبقات اور سفرناموں میں بھی موجود ہے جیسے سلیمان تاجر (متوفی ۲۳۷ھ) ابوزید سیرافی (متوفی ۲۶۴ھ) او رابودلف ینبوعی (متوفی ۳۳۱ھ) کے سفرنامے، علامہ ابن خرداذبہ (متوفی ۲۵۰ھ) کی ''المسالك والممالك'' علامہ ہمدانی (متوفی ۲۸۰ھ) کی ''کتاب البلدان'' بزرگ بن شہریار رامہرمزی کی ''عجائب الهند'' ابوالحسن مسعودی (متوفی ۳۰۲ھ) کی ''مروج الذهب'' اور ''اخبار الزمان'' ابن ندیم کی ''الفهرست'' علامہ ابراہیم بن محمد اصطخری (متوفی ۳۴۰ھ) کی ''مسالك الممالك، ابن حوقل بغدادی (متوفی ۳۵۸ھ) کی ''صور الارض'' علامہ شمس الدین بشاری مقدسی (متوفی ۳۷۵ھ) کی ''أحسن التقاسيم فى معرفة الأقاليم'' مسعودی کی ''قانون'' مؤرخ بیرونی (متوفی ۴۰۰ھ) کی ''کتاب الهند'' ابن رستہ (متوفی ۲۸۰ھ) کی ''الأعلاق

النفیسة'' قدامہ بن جعفر (متوفی ۲۹۶ھ) کی ''کتاب الخراج وصنعة الکتابة'' علامہ ادریس متوفی (۵۶۰ھ) کی ''عجائب البر والبحر'' زکریا قزوینی متوفی (۶۸۲ھ) کی ''آثار البلاد'' ابوحامد غرناطی اندلسی متوفی (۵۵۷ھ) کی ''تحفة الألباب'' اور علامہ یاقوت حموی بغدادی (متوفی ۶۲۶ھ) کی ''معجم البلدان'' وغیرہ۔ یہ تمام کتابیں ساتویں صدی ہجری تک کے تاریخی، سیاسی وثقافتی حالات پر مشتمل ہیں، جو اسلامی عظمت واقتدار کا سب سے تابناک دور ہے۔

ساتویں صدی ہجری کے بعد امیر معصوم بکری سندھی (متوفی ۱۰۱۱ھ) اور شیخ محمد طاہر ٹھٹھوی (متوفی ۱۰۳۰ھ) نے فارسی میں سندھ کی تاریخیں لکھیں۔ شیخ علی شیر (متوفی ۱۱۸۸ھ) نے ''تحفة الکرام'' کے نام سے تاریخ ہند پر ایک مبسوط کتاب تصنیف فرمائی، اس کی تیسری جلد سندھ کے حالات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں ''ارغوان نامہ'' اور ''ترخان نامہ'' میں بھی ہند کا کچھ تذکرہ موجود ہے۔ صاحب کشف الظنون رقم طراز ہیں کہ محمد بن یوسف ہروی نے جدید مغربی ہندوستان کی ترکی زبان میں ایک تاریخ لکھی تھی۔ اس کا ایک فرنچ محقق نے ترجمہ کیا اور بہت سی باتوں کا اضافہ بھی کیا۔ چناں چہ اس نے اس علاقے کے واقعات معروف بہ ''ینگ دنیا'' اس کے اوصاف وخصوصیات، نیز یہ بات بیان کی کہ متقدمین جس دنیا تک پہنچنے میں ناکام رہے، وہاں تک متاخرین کس طرح پہنچے؟ انھیں زمانوں میں بعض ہندوستانی علماء نے بھی تاریخ ہند پر کتابیں لکھیں، مثلاً فارسی میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ''أخبار الأخیار'' محمد قاسم فرشتہ کی ''تاریخ فرشتہ'' اس کے علاوہ اور بہت سے علماء نے یہاں کی شخصیات کو موضوع تحریر بنایا ہے، لیکن ان کا طریقۂ تصنیف وتالیف متقدمین علماء سے الگ اور اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کا نتیجہ تھا جس کا اظہار ہندوستان کے عظیم مؤرخ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (۱۲۰۰ھ) نے یوں کیا ہے، موصوف اپنی کتاب ''مآثر الکرام'' میں ملا نظام الدین کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مصنّفین نے صرف یہاں کے صوفیائے کرام ہی کے حالات اور کارناموں سے دل چسپی لی، برائے نام ہی انھوں نے یہاں کی دوسری نامور شخصیات کا ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاہنوز اس سلسلے میں کوئی مستقل کتاب دستیاب نہیں ہے، ''عین العلم'' نامی کتاب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کا مصنف اپنے زمانے کا انتہائی جلیل القدر عالم ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہ ہندی نژاد ہے، جیسا کہ ملا علی قاری نے اپنی شرح میں بحوالہ حافظ ابن حجر عسقلانی تصریح کی ہے کہ ''وہ ایک ہندی فاضل اور نیک آدمی تھے'' لیکن افسوس کا مقام ہے کہ کسی ہندوستانی مؤرخ نے ان پر کچھ نہیں لکھا اور اسی لیے اس عظیم الشان تصنیف کے باوجود دنیا میں ان کا کوئی نام لینے والا نہیں، ہمارے مؤرخین کی اسی کوتاہی کے سبب علمائے ہند کا خاطر خواہ تذکرہ کتابوں میں نہیں ملتا''۔

مذکورہ طریقے سے ہٹ کر بعض علماء نے متقدمین کے نہج پر بھی کتابیں لکھی ہیں جیسے شیخ عبدالقادر عیدروس بھروچی کی کتاب ''النور العاشر فی أعیان القرن العاشر'' اور شیخ زین الدین معبری مالاباری کی تصنیف ''تحفة المجاهدین فی بعض أخبار البرتگالیین'' لیکن پہلے ہی طریقۂ تصنیف کے عام ہونے کی وجہ سے اسلامی ہند کی بہت سی شخصیات طاق نسیاں ہوکر رہ گئیں، مثلاً صاحب ''مشارق الانوار والعباب'' امام حسن صغانی لاہوری، صاحب ''کنزل العمال'' امام علی متقی، صاحب ''مجمع البحار'' علامہ طاہر پٹنی گجراتی، صاحب ''تاج العروس'' علامہ مرتضٰی زبیدی بلگرامی اور مکہ مکرمہ کے قاضی القضاۃ امام قطب الدین نہروالی وغیرہ بہت سے جبال علم کا ہندی نژاد ہونے کے باوجود یہاں کی کتابوں میں خاطر خواہ تذکرہ نہیں ملتا اور وہ لوگ جو ان سے علم وفضل میں بدرجہا کمتر تھے، ان پر ضخیم کتابیں موجود ہیں۔ بلاشبہ یہ ہندوستان کی ان عظیم شخصیات کے حق میں کوتاہی اور اس کی اسلامی تاریخ پر ظلم ہے!!!

خدا بھلا کرے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کا کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس خلا کو محسوس کیا اور ممکنہ حد تک علمائے ہند کے حالات اپنی فارسی تصنیف "مآثر الکرام" اور عربی تصنیف "سبحة المرجان فی آثار الهندوستان" میں جمع کردیے، ان کے بعد حضرت مولانا عبدالحیؒ حسنی (متوفی ۱۳۴۱ھ) نے اپنے دور تک کی شخصیات پر ایک انتہائی مبسوط کتاب "نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر" تصنیف فرمائی۔ یہ ایک ایسی عمدہ اور مستند کتاب ہے جس کا اب تک کوئی جواب نہیں۔

چوں کہ اس موضوع پر ابھی کچھ اور کام کرنے کی گنجائش تھی اس لیے دل میں خیال آیا کہ سندھ و ہند کی شخصیات کے حالات کو خاص طرز پر ایک ایسی کتاب میں جمع کردوں، جس کی اپنی الگ خصوصیات وامتیازات ہوں، اس کے لیے میں نے سالہا سال تاریخی وسوانحی کتابوں کی چھان بین کی اور اب میری ان کوششوں کا نتیجہ "رجال السند والہند" کے نام سے کتابی شکل میں آپ حضرات کے سامنے ہے والفضل للمتقدم۔

قابل ذکر امور وخصوصیات

۱- رجال السند والہند سے ہماری مراد وہاں کے علماء، محدثین، راویان حدیث، فقہاء، اولیاء، قضاۃ، ادباء، شعراء، نحویین، لغویین، اطبا، فلاسفہ، حکام، سلاطین اور مسلم تجار وصنعت کار ہیں، ان کے علاوہ دیگر فنون سے وابستہ افراد کا تذکرہ بہت کم اور وہ بھی تکمیل مبحث کے لیے ہوا ہے۔

۲- رجال سند وہند سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے یہاں پیدا ہوکر زندگی گزاری، خواہ ان کی وفات وہیں ہوئی ہو یا کسی اور جگہ، اسی طرح وہ لوگ بھی مراد ہیں، جن کے آباء واجداد وہیں کے تھے، لیکن ان کی پیدائش اور وفات کسی اور ملک میں ہوئی۔ رجال السند والہند کے ضمن میں ایسے لوگوں کا تذکرہ نہیں آئے گا جو کہیں

اور سے آ کر یہاں کے ہو رہے حالاں کہ ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔

۳- سوانح نگاری کے سلسلے میں جب ہمیں ہندوستانی مؤرخین کے یہاں کوئی خاص بات نہیں ملی تو ایسے موقعوں پر ہم نے عام تاریخی اور سوانحی کتابوں کی طرف رجوع کیا ہے۔

۴- زیر نظر کتاب ہماری کوئی با قاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ مختلف کتابوں کے ضروری اقتباسات کو ہم نے یکجا کر دیا ہے اور اس نقل و ترتیب میں ہم نے پوری احتیاط برتی ہے، کوشش یہی رہی ہے کہ عبارت ہو بہو نقل کر دی جائے حتی کہ بعض مقامات پر ہم نے دانستہ غلط عبارتیں ہی نقل کر دی ہیں، پھر بعد میں ان کی اصلاح کی ہے۔

۵- تاریخ وفات وغیرہ کا بھی ہم نے اہتمام کیا ہے، اگر متعلقہ شخصیات کے حالات میں یہ چیز نہ مل سکی تو ہم نے ان کے اساتذہ، تلامذہ یا معاصرین کے حالات سے ان کی تاریخ وفات وغیرہ کی تعیین کی ہے۔

٦- چوں کہ یہ ایک سوانحی اور تاریخی کتاب ہے، نہ کہ فضائل ومناقب کی، اس لیے ہم نے متقدمین کی اتباع میں بڑی بڑی ہستیوں کا تذکرہ القاب وغیرہ کے ساتھ نہیں کیا ہے، اس کے باوجود اگر کچھ القاب آگئے ہیں تو وہ بہ طور اقتباس اور حوالے کے ہیں۔

۷- اسی طرح ہم نے سوانح کے ضمن میں آنے والے مباحث سے مطلق تعرض نہیں کیا ہے الا یہ کہ وہ سوانح کا جز ہوں۔

۸- سندھ وہند کا تذکرہ ہم نے قدیم عرب مؤرخین کی عادت کے مطابق بحیثیت دو ملک کے کیا ہے۔

دعا ہے کہ رب کریم اس کتاب کو اپنی رضا وخوشی کا بہترین ذریعہ بنائے۔

وصلى الله علىٰ سيدنا ونبينا ومولانا محمد وآله وأصحابه وأتباعه اجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين.

سندھ و ہند کی اہمیت، عالم اسلام میں

اب ہم قارئین کے سامنے بہ شمول سندھ و ہند عالم اسلام کے سب سے تابناک اور سنہرے دور کا حال بیان کرتے ہیں، جس میں ہماری مذہبی، علمی، معاشرتی اور ثقافتی قدروں کا بول بالا تھا، مسلمان اسلام کے سایے تلے انتہائی خوش حالی اور امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے، تمام شعبہ ہائے زندگی میں ان کے تیز قدموں کی چاپ صاف سنائی دیتی تھی، عقائد و عبادات کی روح پوری اثر انگیزی کے ساتھ ان کے جسم میں رواں دواں تھی۔ حافظ ذہبی "تذکرة الحفاظ" میں اس زمانے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام اور اہل اسلام دونوں ہی اس دور میں معزز تھے، علم کا دور دورہ تھا، جہادی سرگرمیاں زوروں پر تھیں، سنتیں معمول بہا تھیں، بدعات کا نام و نشان نہ تھا، حق گوئی کا بے پناہ جذبہ تھا، زاہدین و اولیاء اللہ بھی بکثرت تھے اور مغرب اقصیٰ و جزیرۂ اندلس سے لے کر حبشہ اور چین و ہند تک لوگ مامون اور آسودہ حال تھے۔

علامہ مقدسی بشاری رقم طراز ہیں کہ عالم اسلام (خدا اس کی حفاظت فرمائے) کچھ ہموار اور مسطح علاقوں کا نام نہیں کہ طول و عرض اور مربع پیمائش سے اس کی تحدید کی جا سکے، بلکہ بہت منتشر، شاخ در شاخ، پہاڑ اور گھاٹیوں پر مشتمل ہے جو شخص سورج کے طلوع و غروب ہونے کے مقامات پر غور کرے، دنیا کے ممالک کا گشت کرے، راستوں کا اسے علم ہو اور فرسخ سے دنیا کے علاقوں کی پیمائش کرے، اسے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، تاہم راقم سطور اربابِ عقل و خرد کے لیے عالم اسلام کی منظر کشی، تعارف اور صحیح خدوخال واضح کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

عالم اسلام کا سورج مغرب اقصیٰ کے ساحل بحر اٹلانٹک میں غروب ہوتا ہے، بحر قلزم اور مراکش کے درمیان واقع ملک مصر تک پھیلتا چلا گیا ہے، مراکش، مصر سے بحر اٹلانٹک تک ایک مٹی کی شکل میں بڑھتا چلا گیا ہے، شام کی سرحد چوں کہ جانب

شمال میں مصر سے ملک روم تک جا ملتی ہے اس لیے اس کا محل وقوع بحر روم اور صحرائے عرب کے درمیان ہے، صحرائے عرب اور شام کا کچھ علاقہ جزیرہ نمائے عرب کے کچھ حصے سے ملتا ہے۔ شمالی عراق کا پڑوسی ملک ''افور'' ہے، مغرب میں دریائے فرات ایک کمان کی شکل میں اسے گھیرے ہوئے ہے، فرات کے عقب میں بقیہ صحرائے عرب اور شام کا کچھ حصہ واقع ہے، یہ عرب ممالک کی تفصیل ہے۔

ممالک عجم کا تعارف اس طرح ہے: مشرقی عراق کی سرحد پر خوزستان، مشرقی افور کی سرحد پر ملک رحاب اور خوزستان کے بعد ایک لائن میں فارس، کرمان اور سندھ واقع ہیں، جن کے جنوب میں سمندر اور شمال میں صحرا اور خراسان ہیں، سندھ وخراسان کی سرحدیں جانب مشرق میں غیر مسلم ممالک سے اور رحاب کی سرحد مغرب وشمال میں روم سے ملتی ہے اور ریاست دیلم رحاب، خراسان، پہاڑوں اور جنگلات کے درمیان واقع ہے۔

ذرا غور کیجئے یہ تھیں عالم اسلام کی حدود۔ جو شخص مغرب سے لے کر مشرق تک سلطنتِ اسلامیہ کا سفر کرے، اس کو راستے کی نشیب وفراز اور بے چیدگی کا سامنا کرنا پڑتا، بحر اٹلانٹک سے مصر کے لیے راست راستہ موجود تھا، وہاں سے عراق کے لیے تھوڑا مڑنا پڑتا تھا، پھر ذرا شمال میں ہٹ کر خراسان اور عجم کی حکومتیں پڑتی تھیں، اس کے بعد بخارا کے دائیں جانب ''اسیجاب'' سے سورج طلوع ہوتا نظر آتا تھا۔

عالم اسلام کا رقبہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق یہ تھا: بحر اٹلانٹک سے قیروان کی مسافت ۱۲۰/دن کی، قیروان سے دریائے نیل تک ۶۰، وہاں سے دریائے دجلہ تک ۵۰، دجلہ سے دریائے جیحون تک ۶۰، جیحون سے ''تونکت'' تک ۱۵/اور وہاں سے طراز کی مسافت ۱۵/یوم کی تھی اور اگر آپ فرغانہ کی طرف چلیں تو جیحون سے ''اوزکند'' کی مسافت ۳۰/یوم کی اور کاشغر جانے کی صورت میں ۴۰/یوم کی ہے۔

دوسری جانب ساحل یمن سے بصرہ کی مسافت ۵/یوم کی، وہاں سے

اصفہان کی ۱۳۸ ر فرسخ، اصفہان سے نیشاپور کی ۳۰ ر نیشاپور سے جیحون کی ۲۰ ر پھر جیحون سے طراز کی مسافت ۳۰ ر یوم کی ہے، یہ سیدھی پیائش ہے جس میں مصر، مراکش اور شام نہیں آتے۔ گویا اس تفصیل کی روشنی میں عالم اسلام کا کل طول تقریباً ۲۰۸۰۰۰ کلومیٹر ہے۔

عالم اسلام کے عرض کے متعلق یہ ہے کہ اس میں یکسانیت نہیں ہے، چناں چہ مراکش اور مصر کا عرض کم ہے، لیکن جب آپ مصر کی طرف بڑھیں گے تو عرض بڑھ جائے گا اور بڑھتا ہی چلا جائے گا، یہاں تک کہ دریائے جیحون کے اس پار ملک سندھ تک پہنچ جائے گا، مراکش سے سندھ تک کی یہ پوری مسافت ۳ ر ماہ کی ہے، ابوزید سیرافی نے عالم اسلام کا عرض ''ملطیہ'' سے جزیرہ، عراق، فارس اور کرمان ہوتے ہوئے منصورہ تک مانا ہے لیکن انھوں نے مسافت کا ذکر نہیں کیا ہے جو غالباً تقریباً ۴ ر ماہ کی ہوگی، لیکن ہماری بات زیادہ واضح اور محقق ہے۔

کہتے ہیں کہ ۳۳۲ھ میں جب محصولات اور ٹیکس کے علاوہ تمام ملک سے خلیفہ کو حاصل ہونے والی آمدنی کا حساب لگایا گیا تو وہ ۲۳۲۰۲۶۴ دینار تھا، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب ایک بار خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے روم سے ملنے والے ٹیکس کو شمار کیا اور وہ ۳۰۰۰۰۰ ر دینار سے کم نکلا تو اس نے شاہ روم کو لکھا کہ میرے سب سے گھٹیا اور خراب علاقے سے جس کے حکمراں بھی سب سے گھٹیا اور خراب ہیں، جو خراج آتا ہے، تمھارا اخراج اس سے بھی کم ہے۔

یہ چوتھی صدی ہجری کی اسلامی حکومتوں کا اجمالی بیان تھا جو اس دور کا وسطی زمانہ ہے جس دور کی کچھ عظیم شخصیات کے حالات ہم لکھنے جارہے ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے قارئین کے سامنے بہ شمول ہند اس دور کے عالم اسلام خصوصاً مشرقی ممالک کا ایک نقشہ ضرور آگیا ہوگا۔ امام تاج الدین سبکی شافعیؒ ''طبقات الشافعیہ الکبریٰ'' میں مشرقی ممالک کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جاننا چاہیے کہ ہمارے علماء (علمائے شوافع) مختلف ملکوں کے رہنے والے تھے، کچھ سمرقند، بخارا، شیراز، جرجان، رے، طوس، ساوہ، ہمدان، دامغان، زنجان، بسطالہ، تبریز، بیہق، میہنہ اور استر آباد وغیرہ۔ ماوراء النہر کے شہروں اور خراسان، آذر بائیجان، مازندان، خوارزم، غزنہ، صحاب، غور، کرمان اور سندھ وغیرہ، مشرقی ممالک کے بھی باشندے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ملک چین تک پورا ماوراء النہر اور عراق عرب وعراق عجم ایسے بہت سے مردم خیز شہروں اور علاقوں پر مشتمل تھے۔ یہاں تک کہ ۶۱۶ھ میں چنگیز خاں دشت قیپچاق سے برق وباد کی طرح اٹھا، آبادیوں اور بستیوں کو تاراج کرڈالا، بے گناہوں کا قتل عام کیا، عورتوں کی عصمتیں لوٹیں، غرض ساری دنیا کو ویران وبرباد کردیا۔ اس کے بعد اس کی اولاد آئی انھوں نے بھی اسی کی روش اختیار کی، بلکہ ظلم وبربریت میں اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔ تباہی وبربادی اس حد تک پھیلی کہ خدا کی پناہ، بغداد ہلاکو خاں کے ہاتھوں ویران کردیا گیا، خلافت کی دھجیاں اڑا دی گئیں، خلیفۃ المسلمین قتل کردیا گیا، عام مسلمانوں کا یہی حال ہوا، کبھی بنوعباس کے محلوں پر صلیب نصب کی گئی تو کبھی مسجدوں سے ناقوس کی آوازیں سنی گئیں، کھلے بندوں حرام کاری کی گئی، مساجد ومعابد کو اجاڑ دیا گیا اور اسلامی عظمت وشوکت کے تمام نشانات مٹادیے گئے، شاعر کہتا ہے:

ثم انقضت تلك البلاد وأهلها ۞ وكأنهـــا وكأنهـم أحـلام

پھر وہ بستیاں اور بستی والے اس طرح مٹ گئے گویا وہ کوئی خواب تھے۔

تاتاریوں کا ایک دستہ غزنہ اور اس سے ملحقہ ممالک سندھ، ہند، سجستان اور کرمان تک پہنچ گیا، کھیتیاں اور بستیاں جلا دیں گئیں اور ملک تباہ وبرباد کرکے ایک ویرانے میں بدل دیا۔

بغداد مشرق میں اسلامی تہذیب وثقافت اور دنیا جہان سے آئے ہوئے اصحاب علم وفضل اور ارباب صنعت وتجارت کا مرکز تھا، جس طرح مغرب میں

اندلس ان تمام چیزوں کی سرپرستی کررہا تھا۔ دیگر اسلامی ممالک کی طرح ہندوستان بھی دربار بغداد سے وابستہ تھا۔ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) بغداد کی مرکزیت کی منظرکشی کرتے ہوئے اپنی کتاب ''صفوة الصفوة'' کے شروع میں رقم طراز ہیں:

بغداد چوں کہ عالم اسلام کا مرکز ہے اس لیے اس کی مرکزیت کا خیال کرتے ہوئے اسلامی دنیا کے حالات لکھتے وقت آغاز اسی سے ہونا چاہیے تھا، لیکن اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود اسے حرمین شریفین پر فضیلت نہیں دی جاسکتی، اس لیے میں نے اپنی اس کتاب کا آغاز حرمین ہی سے کیا۔ اس کے بعد طائف اور پھر یمن کا، پھر کہیں جا کر دارالخلافہ بغداد کا، پھر مدائن اور واسط کا، پھر بصرہ اور ملہ کا، پھر عبادان، تستر، شیراز، کرمان، ارجان، سجستان، دیبل اور بحرین کا، پھر یمامہ، دینور، ہمدان، قزوین، اصفہان، رے، دامغان، بسطام، نیشاپور، اور طوس کا، پھر ہرات، مرو، بلخ، ترمذ، بخارا، فرغانہ اور نخشب کا، اس کے بعد مشرقی ممالک کے ان حضرات کا جن کے نام اور شہروں کا تذکرہ کتابوں میں موجود نہیں، اہل مشرق کے تذکرے کے بعد ہم نے پھر دارالخلافہ بغداد کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد مغربی ممالک کا ذکر آیا ہے، اس کے تحت ہم نے اہل عکرہ موصل برقہ، شام، بیت المقدس اور جبلہ کا تذکرہ کیا ہے، پھر ان بندگانِ شام کا تذکرہ ہے جن کے وطن کا پتہ نہیں، اس کے بعد عسقلان، مصر، اسکندریہ اور مراکش کا تذکرہ ہے، بعد ازاں پہاڑوں، جزیروں اور ساحلوں پر بسنے والے حضرات زیر بحث ہیں، ان کے بعد صحراؤں اور جنگلات میں آباد لوگوں کے احوال کا بیان ہے بالکل اخیر میں ان لوگوں کے حالات ذکر کیے گئے ہیں، جن سے کسی راستے میں ملاقات ہوگئی، لیکن وہ کہاں کے تھے، ؟ کس ملک کے تھے؟ کچھ پتہ نہیں۔

ابوالقاسم عبیداللہ ابن عبداللہ بن خرداذبہ اپنی کتاب ''المسالك والممالك'' میں لکھتے ہیں کہ ہر ملک کے قبلے کی جہت الگ ہے، مثلاً اہل آرمینیا، آذربائیجان، بغداد، واسط، کوفہ، بصرہ، مدائن، حلوان، دینور، نہاوند، ہمدان، اصفہان، رے،

طبرستان، خراسان اور کشمیر کا قبلہ اس دیوار کعبہ کی جانب ہے جس میں دروازہ ہے، باشندگان تبت، ترکستان، چین اور منصورہ کا حجر اسود کی طرف ہے، یمنی حضرات کا رکن یمانی کی طرف اور اہالیان مراکش، افریقہ، مصر، شام اور جزیرہ کا قبلہ رکن شامی کی سمت میں ہے، قبلے کی یہ مختلف جہتیں ہیں جن کی طرف رخ کرکے پوری دنیا کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔

یہ اسلامی ممالک بشمول ہند، اسلام کے زیر سایہ انتہائی پر سکون اور خوش حال زندگی بسر کررہے تھے۔ مختلف علوم وفنون کا دور دورہ تھا، ہر طرف چہل پہل اور بیداری تھی اور جگہ جگہ مسلمانوں کی مذہبی تحریکات کے دیدہ زیب ودل فریب مناظر دعوت نظارہ دے رہے تھے کہ ساتویں صدی ہجری کے نصف میں ایک طوفان آتا ہے اور ساری دنیا کو تباہ وبرباد کرجاتا ہے۔ یہ وہی طوفان ہے جسے دنیا یورش تاتار کے نام سے یاد کرتی ہے۔

ذیل میں ہندوسندھ کے بعض مشہور ترین شہروں، ان کی فتح اور اسلام کے زیر نگیں آنے کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔ جن شہروں سے اربابِ علم وعلماء پیدا ہوئے اور ساری دنیا، اسلام اور مسلمانوں کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ دور میں ان کے فضل وکمال سے مالا مال ہوئی، ان میں سے اکثر اربابِ فضل وکمال انہی شہروں کی جانب منسوب ہیں۔

الور (اروڑ)

سندھ کا ایک قدیم شہر جس پر رائے راجاؤں کی حکومت تھی، نہروں اور باغات کے درمیان، دریائے سندھ کے ساحل پر واقع یہ ایک ممتاز شہر تھا، اس کی سرحد مشرق میں کشمیر و، مغرب میں مکران ودیبل، جنوب میں بندرگاہ سورت اور شمال میں قندھار، سیستان اور کرمان سے ملتی تھی۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ جب محمد بن قاسم ''الور'' کے ارادے سے چلے، تو راستے میں ان کی ملاقات باشندگانِ ساوندری

سے جو کہ آج مسلمان ہیں، ہوئی انھوں نے امان چاہی، جو انھیں لشکر اسلام کی ضیافت اور اس کی رہ بری کی شرط پر دے دی گئی، اس کے بعد وہ ''سمہ'' پہنچے، وہاں کے لوگوں نے بھی ساوندری والوں کی شرط پر مصالحت کرلی، بعدازاں الور کی طرف بڑھے، یہ شہر پہاڑ پر آباد تھا، مہینوں محاصرہ کرنے کے بعد بالآخر اس معاہدے پر صلح ہوئی کہ مسلمان ان کی عبادت گاہوں سے کوئی تعرض نہیں کریں گے، محمد بن قاسم نے اہالیان الور پر ٹیکس لاگو کیا اور وہاں ایک مسجد کی تعمیر کی۔

اچ (اوچھ)

ملتان کے مضافات میں یہ ایک قدیم اور مشہور علاقہ ہے، سندھ کے چھ معروف قلعوں میں رائے ساہسی بن سہیرس کا مشہور قلعہ یہیں ہے، رائے ساہسی نے چوں کہ اپنی رعایا کو مٹی جمع کرکے قلعہ کے لیے ایک اونچی جگہ بنانے کا حکم دیا تھا، اس لیے اس علاقہ کا نام ''اچ'' بمعنی بلند پڑگیا۔

بدہہ

علامہ حموی کہتے ہیں کہ ''بدہہ'' طوران، مکران، ملتان اور منصورہ کے درمیان دریائے مہران کے مغرب میں واقع، سندھ کے ایک وسیع وعریض علاقے کا نام ہے، اونٹ پالنا یہاں کے لوگوں کا پیشہ ہے، منصورہ سے بدہہ کی مسافت ۵/دن کی ہے اور مکران کے شہر ''کیز'' سے بدہہ اور بدہہ سے مکران کے ساحلی شہر ''تیز'' کا فاصلہ بالترتیب دس اور ہندرہ دن کا ہے۔ حموی کہتے ہیں کہ اس کا نام باء کی بجائے نون کے ساتھ بھی آیا ہے، لیکن مجھے اس کی صحت میں شک ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس کی تحقیق کرلی جائے مذکورہ شہر ''تیز'' مکران یا سندھ کے ساحل پر واقع ہے جس کے مغرب میں عمان ہے، عمان اور مکرانی شہر ''کیز'' کی درمیانی مسافت پانچ دن کی ہے۔

بروص (بھروچ)

علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ بروص، ہند کے بڑے شان دار اور مشہور ترین ساحلی شہروں میں سے ایک ہے، یہاں سے نیل - نیلا رنگ بنانے کے کام میں آنے والا ایک قسم کا گھاس - لک - سرخ رنگ، جس سے کھال رنگی جاتی ہے، بیرون ملک برآمد کی جاتی ہے۔ مسعودی کے بہ قول بروص اپنے علاقے کا پایۂ تخت تھا، اور اس علاقے کے بہت سے گاؤں اس کی طرف منسوب ہوکر بروص کہلاتے تھے، کتابوں میں مذکور ''بروصی نیزے'' کی نسبت اسی طرف ہے۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حاکم بحرین وعمان: عثمان بن ابوالعاص ۱۵ھ ہی میں بہ زمانۂ حضرت عمر بن خطابؓ اپنے برادر حکم بن ابوالعاص کو تھانہ اور بروص روانہ کر چکے تھے، بروص ہی کو آج کل بھروچ کہا جاتا ہے، جو صوبۂ گجرات کا ایک مشہور ضلع ہیڈ کوارٹر اور شہر ہے۔

بلوص (بلوچ)

علامہ حموی کہتے ہیں کہ بلوص کردوں کی طرح ایک قوم ہے جو فارس وکرمان کے درمیان ایک وسیع علاقے میں کثیر تعداد میں آباد ہے، یہ بڑے جری اور دلیر ہوتے ہیں ''قفص'' نامی غارت گر برادری سے جو انھیں کے آس پاس بستی ہے بالکل خوف نہیں کھاتے، بہادر ہونے کے باجود بے ضرر ہیں، قفص برادری کی طرح ڈاکہ زنی اور قتل وغارت گری بھی نہیں کرتے۔ مورخ ابوالفداء تقویم البلدان، میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ جبالِ قفص کے دامن میں سکونت پذیر ہیں اور خانہ بدوشوں کی طرح مویشی پالنا اور ان کے بالوں سے گھر بنانا ان کا پیشہ ہے، فی زمانہ ان کو زوط - جاٹ - کہتے ہیں، ان کی زبان ہندوستانی زبان سے ملتی جلتی ہے۔

بوقان

علامہ یاقوت حموی کے بہ قول بوقان سندھ کے ایک شہر کا نام ہے۔ بلاذری کہتے ہیں کہ جب گورنر زیاد بن ابیہ نے ابوالاشعث منذر بن جارود عبدی کو سرحد ہند کا حاکم بنایا، تو انھوں نے بوقان وقیقان پر چڑھائی کی اور فتح یاب ہوئے، پھر ابن احری باہلی اس علاقے کے امیر ہوئے، جنھوں نے شدید جنگ کر کے ان علاقوں کو زیر نگیں کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے ابن جارود کے بعد اس علاقے کا امیر سنان بن سلمہ ہذلی کو بنایا، البتہ ابن احری باہلی بھی ان کے ساتھ تھے، یہاں کے باشندے بحمد للہ آج مسلمان ہیں، خلیفہ معتصم باللہ کے عہد خلافت میں عمران بن موسیٰ بن یحییٰ برمکی نے ''بیضاء'' کے نام سے یہاں ایک شہر آباد کیا تھا۔

بیرون

علامہ قلقشندی کہتے ہیں کہ بیرون، دیبل اور منصورہ کے مابین دیبل کا ایک مضافاتی شہر ہے، قانون میں لکھا ہے کہ اس کا طول ۹۴/درجہ ۳۰/دقیقہ اور ۲۴/درجہ ۴۵/دقیقہ ہے۔ ابن سعید کی تصریح کے مطابق بیرون خلیج فارس میں سندھ کی ایک بندرگاہ ہے۔ تاریخ عزیزی میں باشندگانِ بیرون کو مسلمان بتایا گیا ہے، یہاں سے منصورہ کا فاصلہ ۱۲۰/میل ہے۔

بیلمان (بھلیمان)

علامہ حموی کہتے ہیں کہ ''بیلمانی تلواریں'' اسی کی طرف منسوب ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ یمن میں کسی مقام کا نام ہو۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ بیلمان، سندھ و ہند کا وہ علاقہ ہے جس کی طرف ''سیوف بیلمانیہ'' کی نسبت کی جاتی

ہے۔ جنید بن عبدالرحمٰن مری نے جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں سندھ کے کسی علاقے کے حاکم تھے، اس کا حکم پا کر ''کیرج'' پر فوج کشی کی اور اپنے عاملوں کو مربد دھنج اور بھروچ کی طرف روانہ کیا۔ ایک لشکر ازّین۔ اُجین۔ بھی گیا، ایک اور دستہ حبیب بن مرہ کی قیادت میں مالوہ بھیجا گیا۔ جنید کو بیلمان میں فتح ہوئی جس کے نتیجے میں اس کے محل میں نذرانے کے علاوہ چالیس لاکھ دینار اور اتنی ہی قیمت کے ساز وسامان کا ڈھیر لگ گیا۔ بیلمان دراصل ''بھیلمان'' ہے جہاں سندھ، گجرات، کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کی سرحدیں آ کر ملتی ہیں۔ یہ پہلے بھیل بعدازاں گوجر قوم کا مرکز رہا ہے۔

تانہ (تھانہ)

تقویم البلدان میں ابوالعقول، عبدالرحمٰن ریان ہندی کے حوالے سے تحریر ہے کہ یہ ایک ساحلی شہر ہے، جس کا طول ۱۱۴ر درجہ ۲۰ر دقیقہ اور عرض ۱۹ر درجہ ۲۰ر دقیقہ ہے، اس کے باشندے بت پرست اور کافر ہیں کچھ مسلمان بھی یہاں آباد ہیں۔ ابوریحان بیرونی کہتے ہیں کہ اس کی نسبت ''تانشی'' ہے ''الثیاب التانشیة'' میں یہی نسبت ہے۔ علامہ بلاذری کے بہ قول جب امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کی طرف سے عثمان بن ابوالعاص بحرین وعمان کے گورنر بنے تو وہ اپنے بھائی حکم کو بحرین بھیج کر خود عمان پہنچے، وہاں سے تھانہ کے لیے ایک لشکر روانہ کیا، جب لشکر سالماً غانماً واپس آ گیا تو انھوں نے امیر المومنین کی خدمت میں ایک اطلاعی خط لکھا، حضرت عمرؓ کی طرف سے اس کا جو تاریخی جواب آیا، اس میں لکھا: اے ثقفی بھائی! حملت دوداً علی عود (تو نے کیڑے کو لکڑی کی سواری دی) بہ خدا اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو میں تیری قوم سے ان کی تعداد پوری کرتا۔ تھانہ عروس البلاد ممبئی کے قریب واقع ضلع ہیڈ کوارٹر ہے۔

داور(۱)

علامہ حموی کہتے ہیں کہ اس علاقے کے لوگ ''داور'' کو ''زمنداور'' بمعنی زمین دار بولتے ہیں، یہ علاقہ ''بست وغور'' سے متصل مختلف شہروں اور دیہاتوں پر مشتمل ایک وسیع ریاست ہے۔علامہ اصطخری کے بہ قول داور، سجستان کی طرف غور کی ایک ہری بھری سرحدی ریاست کا نام ہے، داور اور ''درغور'' دریائے ''ہندمند'' کے ساحل پر واقع ہیں، جب عبدالرحمٰن بن سمرہ کا خلافت عثمانی میں سجستان پر قبضہ ہوا، تو انھوں نے ''رخج '' کے راستے داور پہنچ کر زون نامی پہاڑ میں اہل داور کا محاصرہ کرلیا۔ بالآخران کی طرف سے آٹھ ہزار کے اسلامی لشکر کے لیے ضروریات زندگی کی فراہمی کی پیش کش پر صلح ہوگئی، بعد ازاں عبدالرحمٰن بن سمرہ ''زون'' نام کے یاقوتی آنکھوں والے سونے کے بت کے پاس گئے، اس کا ہاتھ کاٹا، اس کی دونوں آنکھیں نکالیں، پھر سردار کفار سے مخاطب ہوکر فرمایا یہ سونے اور جواہرات رکھ لو، میرا مقصود انھیں لینا نہیں صرف تمھیں یہ بتانا تھا کہ یہ بت کسی نفع وضرر کا مالک نہیں ہے۔حموی کہتے ہیں کہ داور میں سونے اور جواہرات سے مرصع ''زور'' نام کا ایک بت تھا اسی کا نام بعد میں راء کونون سے بدل کر زون رکھ دیا گیا۔

دہلی

علامہ قلقشندی تقویم البلدان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دہلی دور دور تک پھیلا ہوا ایک وسیع وعریض شہر ہے۔زمین ہموار،، لیکن ریتیلی اور پتھریلی ہے، طول ۱۲۸/درجہ ۵۰/دقیقہ اور عرض ۳۵/درجہ ۵۰/دقیقہ ہے۔جب سلطان شہاب الدین غوریؒ نے لاہور اور دہلی وغیرہ ہند وسندھ کے علاقوں کو فتح کیا تو اپنے لائق غلام

---

(۱) بعض محققین نے اس کا نام ''راور'' لکھا ہے۔ع۔ر۔بستوی۔

سلطان قطب الدین ایبک کو دہلی کا فرماں روا بنایا۔ یہ واقعہ ۱۱۹۵ء کے قریب کا ہے۔ قطب الدین نے اپنی فوجیں بھیج کر ایسے بہت سے علاقوں کو زیر نگیں کیا، جہاں اب تک مسلمانوں کے قدم نہیں پہنچے تھے۔ بہ قول صاحبِ تقویم البلدان مسلمان ایبک کے زمانے میں مشرق میں بنگال اور اس سے بھی آگے تک جا پہنچے۔

دیبل

علامہ حموی کہتے ہیں کہ دیبل (دال کے فتحہ، یاء کے سکون اور باء کے ضمے کے ساتھ) بحر ہند کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے جس کا طول مغرب میں ۹۲/درجہ ۲۰/ دقیقہ اور عرض جنوب میں ۲۴/درجہ ۳۰/دقیقہ ہے۔ یہ ایک بندرگاہ بھی ہے، جس سے گزر کر لاہور اور ملتان کے دریا بحر ہند میں پہنچتے ہیں اور یہیں سے دیبل کی مصنوعات بیرون ملک بھیجی جاتی ہیں۔ صاحبِ تقویم البلدان کے بہ قول یہاں بھیڑیے بہت ہیں، کھجور بصرہ سے منگائی جاتی ہے۔ بلاذری لکھتے ہیں کہ حاکم بحرین وعمان: مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی نے دور فاروقی میں اپنے بھائی عثمان بن ابوالعاص کو خلیج دیبل روانہ کیا جہاں ان کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اور وہ کامیاب رہے۔ آگے لکھتے ہیں پھر محمد بن قاسم ثقفی حجاج کے زمانے میں مکران آئے، یہاں کئی دن قیام کیا، ''قنز بور'' - گنج پور- ''ارمائیل'' کو فتح کیا پھر جمعہ کو دیبل پہنچے، حسن اتفاق کہ افراد، ہتھیار اور ساز و سامان سے لدی ہوئی کشتیاں بھی آپ کی مدد کو آ پہنچیں، دیبل پہنچ کر آپ نے خندق کھودی، اس پر تیر انداز بٹھائے اور ایک منجنیق نصب کی، دیبل میں ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جس پر ایک طویل سرخ پرچم ہمہ وقت لہراتا رہتا تھا، محمد بن قاسم نے وہ پرچم گرادیا، جس سے کفار کی بدشگونی اور بے چینی مزید بڑھ گئی، بڑی للکار کے بعد وہ باہر نکلے، پھر جلد ہی پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ سالار لشکر کے ایماء پر سیڑھیاں لائی گئیں جن پر چڑھ کر بزور فتح کرلیا گیا۔

سندھ کے راجہ داہر کا عامل بھاگ پڑا اور ان کا سب سے بڑا پجاری گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔ محمد بن قاسم نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور ۴۰۰۰ رنفوس کو آباد کیا۔

ابن جوزی کتاب المنتظم میں لکھتے ہیں کہ ذی الحجہ ۲۸۰ھ مین دیبل سے ایک خط آیا جس کے الفاظ یہ تھے:

''۱۶ رشوال کو یہاں چاند گہن ہو گیا، پھر اخیر شب میں کچھ روشنی ہوئی، بعدازاں صبح سے عصر تک شدید اندھیرا رہا، عصر کے وقت سیاہ آندھی چلی، جس کا سلسلہ تہائی رات تک جاری رہا، اس کے بعد زلزلہ آیا جس میں چند مکانات کے علاوہ پورا شہر کھنڈر ہو گیا، خط لکھے جانے تک ۳۰۰۰۰ رافراد دفن کیے جا چکے ہیں، ملبوں سے لاشیں نکالنے اور دفن کرنے کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے، ملبوں سے برآمد انسانی لاشوں کی تعداد بہ قول بعض ایک لاکھ پچاس ہے۔ امام سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں بھی اس کا مختصر تذکرہ کیا ہے، زلزلے کا یہ واقعہ خلیفہ ابوالعباس احمد معتضد باللہ کے عہد کا ہے۔ دیبل ہی کا دوسرا نام ٹھٹھ ہے، جو شہر کراچی کے قریب آباد تھا''۔

سرانديپ (لنکا)

علامہ حموی کہتے ہیں کہ ہندی میں جزیرے کو ''دیپ'' کہتے ہیں البتہ ''سرن'' کا معنی میں نہیں جانتا، شاعر کہتا ہے ؂

و کنت کما قد یعلم اللہ عازما ❁ اروم بنفسی من سرندیب مقصدا

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ میں نے اپنے سفر میں سرانديپ کا ارادہ کیا تھا۔

یہ بحر ہند کے آخری ساحل پر ایک جزیرہ ہے جس کی لمبائی ۶۴ رکلومیٹر ہے، سرانديپ ہی میں وہ پہاڑ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس پر حضرت آدم کا نزول ہوا تھا۔ اس پہاڑ کو ''راہون'' -راون- کہا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ بہت اونچا ہے دور ہی سے بحری مسافروں کو نظر آتا ہے، کہا جاتا ہے کہ سرخ یاقوت انہی پہاڑوں پر پایا

جاتا ہے جو سیلاب اور بارش کی وجہ سے بہ کر نیچے آجاتا ہے ان میں الماس بھی دستیاب ہے اور بہ قول بعض عود بھی یہاں سے حاصل کیا جاتا ہے، اس جزیرے میں ایک ایسی خوشبودار گھاس پائی جاتی ہے جس سے دوسرے ممالک محروم ہیں اس کا طول ۱۲۰ر درجہ اور عرض ۱۰ر درجہ ہے۔

بزرگ بن شہریار رامہرمزی ''عجائب الھند'' میں لکھتے ہیں کہ سرانديپ اور اس سے متصل جزائر کے باشندوں کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ملی تو انھوں نے دریافت احوال کی خاطر اپنا ایک زیرک و سمجھ دار آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا، لیکن مختلف پریشانیوں اور رکاوٹوں کا دور دورہ تھا اس شخص نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و دعوت کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ حضرت عمرؓ نے پوری تفصیل سے اس کا جواب دیا، یہ آدمی واپسی میں مکران کے مضافات میں انتقال کر گیا۔ اس کے ساتھ ایک ہندوستانی غلام تھا، جس نے سرانديپ پہنچ کر سارا ماجرا سنایا، مثلاً یہ کہ ہمارے پہنچنے سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو چکا تھا اور ہم نے عمر نامی ان کے ایک ساتھی سے ملاقات کی اور ان ہی سے ان کے نبی کے بارے میں کچھ سوالات کیے۔ اس غلام نے حضرت عمر کی تواضع و خاکساری کا بھی تذکرہ کیا کہ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں اور مسجد ہی میں رات گزارتے ہیں۔ صاحب عجائب الہند کہتے ہیں کہ اہل سرانديپ میں آج کل جو تواضع، پیوند لگے کپڑوں کا استعمال اور مسلمانوں سے الفت و محبت وغیرہ کی خوبیاں پائی جاتی ہیں، وہ انہی باتوں کا اثر ہے جو غلام نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے بارے میں بیان کی تھیں۔

سفالہ (سوپارہ)

مورخ ابوالفداء تقویم البلدان میں البیرونی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

''سفالہ'' دراصل ہندوستانیوں کے لیے یہ سفالہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حبشیوں کے یہاں ایک سفالہ ہے۔ مورخ ادریسی کہتے ہیں کہ یہ گھنی آبادی والا ایک آباد شہر ہے جہاں بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی ہے اور ضروریات زندگی کا جملہ سامان دستیاب رہتا ہے، یہ بحر ہند کی ایک بندرگاہ ہے، یہاں شکارگاہیں ہیں اور موتی بھی نکالے جاتے ہیں، یہاں سے سندان کا فاصلہ پانچ یوم کا ہے، صاحب ''کتاب البلدان'' کی تصریح کے مطابق لونگ سفالہ ہی سے درآمد کی جاتی ہے۔

سفالہ اور سوفارہ درحقیقت شمالی ممبئی کا مشہور علاقہ سوپارہ ہے جس کا ذکر جغرافیہ کی کتابوں، سفرناموں اور تاریخوں میں ملتا ہے۔ (قاضی)

سندھ

علامہ حموی کہتے ہیں کہ سندھ، ہندوستان اور کرمان وسجستان کے درمیان ایک ملک ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سندھ اور ہند بوقیر ابن یقطین ابن حام ابن نوحؑ کے دو بیٹوں کا نام ہے۔ سندھ کے ایک باشندے کو سندھی اور ایک یا دو سے زائد کو سندھ کہا جاتا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے کہ ایک حبشی کے لیے زنجی اور بہت سوں کے لیے زنج بولا جاتا ہے۔ بعض مورخین مکران کو سندھ کا حصہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پانچ اضلاع پر مشتمل تھا۔ پہلا مکران پھر طوران پھر سندھ پھر ہند اور ملتان۔ سندھ کا پایہ تخت ''منصورہ'' ہے اس کا ایک ساحلی شہر دیبل ہے۔ جو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں فتح ہوا، یہاں حنفیوں کی اکثریت ہے عبداللہ بن سوید شاعر کہتا ہے ؎

ألاهل إلى الفتيان بالسند مقدمی ❁ علی بطل قدهزه القوم ملجم

''کیا سندھ کے نوجوانوں کے پاس میرا آنا ہے، ایک ایسے لگام دیے ہوئے بہادر کے پاس جسے قوم نے جھنجھوڑ دیا ہو''۔

فلما دنا للزجر أزرعت نحوه ❁ بسيف ذباب ضربة المتلوم

''جب وہ قریب آیا تو میں اس کی طرف لپکا، دھار دار تلوار لے کر اور ایسی زور سے تلوار کا وار کیا، جیسے کوئی منتظر بیٹھا ہو''۔

شددت له كفي وأيقنتُ أنني ۞ على شرف الموت ان لم اصمم

''میں نے اس کے لیے اپنی ہتھیلی باندھ لی اور مجھے یقین ہو چلا کہ میں بس ہلاکت کے قریب ہوں اگر میں نے حملہ نہ کیا''۔

ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ ''المسالك و الممالك'' میں لکھتے ہیں کہ سندھ کے تحت، قیقان، بنہ، مکران، مید، قندھار، قصدار، بوقان، قندابیل، قنز بور، ارمائیل، دیبل، قنبلی، کنبایا، سہبان، سدوسان، راسک، الور، ساوندری، ملتان، منڈل، بیلمان، سرشت، کیرج، مرمد، ہالی، دھنج اور بھروچ وغیرہ بہت سے شہر آتے ہیں۔

سندان (سنجان)

مورح ابوالفداء تقویم البلدان میں لکھتے ہیں کہ سندان ساحل ہند پر تھانہ کے علاقہ میں ایک مقام کا نام ہے۔ تاریخ عزیزی میں ہے کہ یہاں سے منصورہ کا فاصلہ ۱۲۰ رکلومیٹر ہے، یہ ایک عام گزرگاہ اور بندرگاہ ہے، عود، نیزے کی لکڑی اور نرکل پیدا کرنے والے علاقوں میں سے ایک ہے۔ علامہ حموی نصر کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ سندان ''قصبة بلاد الهند'' ہے پھر خود ہی کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ اس جملے سے نصر کی کیا مراد ہے؟ کیوں کہ عربی میں ''قصبہ'' کسی علاقے کے سب سے اہم اور مرکزی مقام کو کہتے ہیں اور ہندوستان میں مذکورہ حیثیت کا اس نام سے کوئی شہر موجود نہیں، ہاں سندھ کے قریب اس نام کا ایک شہر آباد ہے، جہاں سے دیبل اور منصورہ ۱۰ ریوم کی مسافت پر واقع ہیں۔

بحتری کا کہنا ہے:

ولقد ركبت البحر في أمواجه ۞ وركبت الليل في بياس

''میں نے دریا کی موجوں پر سواری کی ہے اور رات کے خطرے میں بھی اس کی وحشت پر سوار ہوا ہوں''۔

وقطعتُ أطوال البلاد وعرضها ۞ مابين سندان وبين سجاس

''میں نے ان ممالک کے طول وعرض کا سفر طے کیا ہے جو سندان اور سجاس کے درمیان ہیں''۔

سندان اسلامی ماہانی سلطنت کا کم از کم ۱۹۲ھ سے لے کر ۲۲۷ھ تک پایۂ تخت رہا ہے۔ بلاذری کے بہ قول ان سے منصور بن حاتم نے بیان کیا کہ فاتحِ سندان بنوسامہ کے غلام: فضل بن ماہان ہیں۔ انھوں نے سندان پر قبضے کے بعد خلیفہ مامون رشید عباسی کے پاس خط لکھا اور اس کے لیے وہاں کی جامع مسجد میں دعا بھی کرائی، فضل کے بعد اس کا بیٹا محمد جانشین ہوا، اس نے سات جنگی کشتیوں کے ساتھ ''سندو ہند'' پر چڑھائی کر کے بہتوں کو تہ تیغ کیا۔ پالی فتح کرنے کے بعد جب وہ سندان واپس آیا تو پتہ چلا کہ اس کا بھائی ماہان بن فضل تختِ سلطنت پر قابض ہو چکا ہے اور خلیفہ معتصم باللہ سے خط وکتابت بھی کر چکا ہے نیز اس نے خلیفہ کو ساگون کی ایک ایسی لکڑی تحفے میں دی ہے جو لمبائی اور چوڑائی میں اپنی نظیر آپ ہے۔ باشندگانِ ہند کا میلان چوں کہ محمد کے بھائی فضل کی طرف تھا اس لیے انھوں نے محمد کو پھانسی دے دی اور خود سندان پر قابض ومتصرف ہو گئے البتہ انھوں نے وہاں کی مسجد بغیر کوئی نقصان پہنچائے مسلمانوں کے حوالے کر دی۔

شاعر ابوالعتاہیہ لکھتا ہیں:۔

ماعلى ذا كنا اقترفنا بسندا ۞ ن وما هكذا عهدنا الاخاء

''سندان میں کسی کے قتل کا ارتکاب نہیں کیا اور ہمارا معاہدہ اخوت اس طرح کا ہے بھی نہیں۔''

تضرب الناس بالمهنّد البيـــ ۞ ض على غدرهم وتنسى الوفاء

''میں نے دریا کی موجوں پر سواری کی ہے اور رات کے خطرے میں بھی اس کی وحشت پر سوار ہوا ہوں''۔

وقطعتُ أطوال البلاد وعرضها ۞ مابين سندان وبين سجاس

''میں نے ان ممالک کے طول وعرض کا سفر طے کیا ہے جو سندان اور سجاس کے درمیان ہیں''۔

سندان اسلامی ماہانی سلطنت کا کم از کم ۱۹۲ھ سے لے کر ۲۲۷ھ تک پایۂ تخت رہا ہے۔ بلاذری کے بہ قول ان سے منصور بن حاتم نے بیان کیا کہ فاتحِ سندان بنوسامہ کے غلام: فضل بن ماہان ہیں۔ انھوں نے سندان پر قبضے کے بعد خلیفہ مامون رشید عباسی کے پاس خط لکھا اور اس کے لیے وہاں کی جامع مسجد میں دعا بھی کرائی، فضل کے بعد اس کا بیٹا محمد جانشین ہوا، اس نے سات جنگی کشتیوں کے ساتھ ''سندو ہند'' پر چڑھائی کرکے بہتوں کو تہ تیغ کیا۔ پالی فتح کرنے کے بعد جب وہ سندان واپس آیا تو پتہ چلا کہ اس کا بھائی ماہان بن فضل تخت سلطنت پر قابض ہو چکا ہے اور خلیفہ معتصم باللہ سے خط وکتابت بھی کر چکا ہے نیز اس نے خلیفہ کو ساگون کی ایک ایسی لکڑی تحفے میں دی ہے جو لمبائی اور چوڑائی میں اپنی نظیر آپ ہے۔ باشندگانِ ہند کا میلان چوں کہ محمد کے بھائی فضل کی طرف تھا اس لیے انھوں نے محمد کو پھانسی دے دی اور خود سندان پر قابض ومتصرف ہو گئے البتہ انھوں نے وہاں کی مسجد بغیر کوئی نقصان پہنچائے مسلمانوں کے حوالے کر دی۔

شاعر ابوالعتاہیہ لکھتا ہیں:ے

ماعلی ذا کنا اقترفنا بسندا ۞ ن وما هكذا عهدنا الاخاء

''سندان میں کسی کے قتل کا ارتکاب نہیں کیا اور ہمارا معاہدہ اخوت اس طرح کا ہے بھی نہیں''۔

تضرب الناس بالمهنّد البيـــ۞ ض على غدرهم وتنسى الوفاء

"کہ لوگوں کی گردنیں مار دے سفید ہندی تلوار سے، ان کی غداری پر اور وفا شعاری کو فراموش کر بیٹھے"۔

سندان دراصل سنجان ہے جو آج کل ممبئی کے قریب ممبئی اور سوزت کے بیچ ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن ہے۔

سومنات

تقویم البلدان میں ہے کہ سومنات صاد کے ساتھ اور بہ قول بعض سین کے ساتھ پھر واؤ ساکنہ اور میم ونون کے فتح کے ساتھ ایک مقام کا نام ہے جس کا طول ۹۷/درجہ ۱۰/دقیقہ اور عرض ۲۲/درجہ ۵/دقیقہ ہے یہ ایک ساحلی شہر ہے۔ ابن معبد کہتے ہیں کہ مسافروں میں اس کی بڑی شہرت ہے اور "بلادلار" کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کی جائے وقوع سمندر کی داخلی سمت میں ہے۔

ایک چھوٹی خلیج بھی ہے جو شمال سے مشرق تک پھیلے ہوئے ایک بڑے پہاڑ سے بنتی ہے یہاں ایک بت ہے جس کی ہندو بڑی تعظیم وتکریم کرتے ہیں، سومنات کی طرف نسبت کر کے اسے "صنم صومنات" کہا جاتا ہے، یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ کر کے اسے توڑ دیا تھا۔

سیستان

علامہ حموی کے بہ قول یہ دریائے سندھ کے پاس واقع سندھ کا ایک بڑا شہر ہے، جس کی آمدنی خوب ہے، اس کے تحت بہت سے شہر اور دیہات آباد ہیں۔ ایک دوسرے مؤرخ کا کہنا ہے کہ سیستان سیوستان، سیوان اور سہوان یہ سب ایک ہی قدیم شہر کے مختلف نام ہیں جو کسی سندھی حاکم کے نام پر بسایا گیا، یہاں گذشتہ زمانہ کا ایک مشہور قلعہ بھی ہے، پہلے یہاں شاہان - الور - اروڑ کی حکومت تھی، بعد میں

یہ راجگان ٹھٹھ کے قبضے میں چلا گیا۔

سنداپور (گوا)

مؤرخ ابوالفداء تقویم البلدان میں سندان کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہاں سے سنداپور کا فاصلہ تین دن کا ہے۔

سنداپور سب سے آخری جزیرہ اور مالا بار کا ابتدائی حصہ ہے، یہاں کے گھڑیال اتنے مہذب اور سنجیدہ ہیں کہ تاہنوز کسی کو خلیج سنداپور میں ان سے کوئی اذیت نہیں پہنچی۔ صنداپور کا تذکرہ مسعودی، بزرگ بن شہر یار اور مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ یہ معرب ہے چنداپور کا جو انڈیا میں پرتگالیوں کا مرکز ہے اور جسے آج کل ''گوا'' کہا جاتا ہے۔

صیمور (چیمور)

علامہ حموی کہتے ہیں کہ اس کا نام بالنون صیمون بھی آتا ہے۔ یہ سندھ کے پاس دیبل کے قریب ہند کا ایک شہر ہے جو ایک غیر مسلم مہاراجا ''ولبھے رائے'' کے ماتحت ہے، لیکن اس کا اور ''کتامہ'' کا جو کہ مسلم آبادیاں ہیں مقامی حاکم مسلمان ہی ہوتا ہے۔ چیمور میں ایک جامع مسجد بھی ہے جس میں جمعہ ہوتا ہے، ولبھے رائے جو کہ ایک وسیع مملکت کا تاج دار ہے کا پایۂ تخت ''منگرور'' ہے۔

قامہل

علامہ حموی کہتے ہیں کہ یہ ہند کا ایک سرحدی شہر ہے یہاں سے چیمور تک کا علاقہ ہند کا حصہ ہے اور قامہل سے ملتان تک مکران اور بدھ وغیرہ کا علاقہ سندھ میں شامل ہے، یہاں ایک جامع مسجد بھی ہے جس میں باضابطہ نماز ہوتی ہے۔ منصورہ کا فاصلہ

یہاں سے ۸/دن کا ہے اور کھمبابت یہاں سے ۴/یوم کی مسافت پر واقع ہے۔

قُصدار (قزدار)

علامہ یاقوت حموی کے بہ قول قزدار ایک ہندوستانی علاقہ ہے جہاں سے ''بست'' کا فاصلہ ۶۴۰/کلومیٹر ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ قصدار سندھ کا ایک علاقہ اور طوران کا مرکزی مقام ہے۔ طوران کچھ دیہاتوں اور شہروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا حصہ ملک ہے۔ صاحبِ فتوح البلدان لکھتے ہیں کہ جب ابوالاشعث زیاد بن منذر بن جارود عبدی سرحد ہند کے امیر بنے تو انھوں نے بوقان اور قیقان پر چڑھائی کی جس میں انھیں کامیابی ملی اور مال غنیمت بھی ہاتھ لگا بعدازاں انھوں نے ہندوستانی علاقوں میں فوجی دستے روانہ کیے اور قصدار کو فتح کرلیا اور وہیں موسم سرما گزارا۔

ابوالاشعث سے پہلے سنان بن سلمہ ہذلی قصدار کو فتح کر چکے تھے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا تھا۔ شاعر کہتا ہے ؎

حلّ بقصدار فاضحی بها ۞ فی القبر لم يقفل مع القافلين

''قصدار آیا تو وہیں مدفون بھی ہوگیا، دوسرے جانے والوں کے ساتھ وہ لوٹا نہیں''۔

قفص

تقویم البلدان میں ہے کہ جبال قفص جس کے بارے میں ابھی گزرا کہ اس کے دامن میں قبیلہ بلوچ آباد ہے، کے جنوب میں سمندر اور شمال میں ''جیرفت'' کی سرحد ہے، ''مشترک'' میں صراحت ہے کہ قفص قاف کے ضمے اور فاء کے سکون کے ساتھ فارس اور کرمان کے بیچ کردوں کا ایک پہاڑ ہے جس کے باشندے انتہائی شر پسند ہیں۔

بلاذری کہتے ہیں کہ مجاشع بن مسعود نے آکر بزور بازو ''جیرفت'' کو فتح کیا، پھر آگے بڑھ کر کرمان کو مغلوب کیا وہاں سے قفص پہنچے۔ جلاوطن عجمیوں کا جم غفیر

''ہرموز'' میں یکجا ہوگیا تھا اس نے ان سے جنگ کی اور میدان مجاشع کے ہاتھ رہا، بہت سے کرمانی بھاگ نکلے، کچھ مکران اور سجستان چلے گئے، ان کے فرار کے بعد عرب فوجوں نے ان کے مکانات اور جائدادیں باہم تقسیم کرلیں، زمینوں کو آباد کیا ان کا عشر ادا کیا اور مختلف مقامات پر کنوؤں کی کھدائی کی۔

قمار (قامرون)

حموی کہتے ہیں کہ قامرون ہند میں ایک جگہ کا نام ہے جس کی طرف عود منسوب ہے، یہ تو عوام کی بات ہے۔ واقف کار حضرات کا کہنا یہ ہے کہ قامرون ہند کا ایک ایسا مقام ہے جس کی عود انتہائی عمدہ ہوتی ہے ان کا دعویٰ ہے کہ اگر اس پر مہر ماری جائے تو اس پر مہر کا نشان پڑ جاتا ہے۔ ابن ہرمہ کہتے ہیں ؎

أحبّ الليل إن خيال سلمى ۞ إذا نمنا ألم بناقراراً

''مجھے رات سے محبت ہے، کیوں کہ سلمٰی کے خیال آنے سے ہمیں سکون ملتا ہے، جب ہمیں نیند آجاتی ہے''۔

كأن الركب إذ طرقتك باتوا ۞ بمندل أوبقارعتي قمارا

''گویا کہ قافلہ سواراان، جب اس نے تجھے دستک دی، سوگئے۔ منڈل میں یا قمار میں میرے کھٹکھٹانے سے''۔

قندھار (گندھارا)

علامہ حموی کے بہ قول یہ سندھ وہند کا ایک شہر ہے جس کا طول ۱۱۰ر درجہ اور عرض ۳۰ر درجہ ہے۔ فتوحات میں اس کا بڑا تذکرہ ہے، کہا جاتا ہے کہ عباد بن زیاد نے سرحد سندھ اور سجستان پر چڑھائی کی، پھر سناورد آئے۔ وہاں سے سجستانی علاقہ ''روذبار'' ہوتے ہوئے ''ہندمند'' پہنچے، ہندمند سے کچھ اور کچھ سے صحرانوردی کرتے ہوئے

قندھار آئے۔ اہالیان قندھار سے جنگ کر کے انھیں تہ تیغ کیا اور شکست دی۔ عباد نے ان کی لمبی ٹوپیاں دیکھ کر خود بھی انھیں استعمال کرنا شروع کیا، جس کی وجہ سے اس کی ٹوپی کا نام ''عبادیہ'' پڑ گیا۔ شاعر یزید بن مفرغ کہتا ہے:۔

کم بالجروم وأرض الهند من قدم ۞ ومن سرابيل قتلى ليتهم قبروا

''کتنے جرائم ہیں، کہ سرزمین ہند پر بدن سے مقتول ہیں، کاش انھیں قبر میں دفن کر دیا جاتا''۔

بقندهار ومن تكتب منيته ۞ بقندهار يرجم دونه الخبر

''قندھار میں اور جس کی موت قندھار میں مقدر ہے، تو اس کی خبر کو بھی سنگ سار کر دیا جاتا ہے''۔

''ظفر الواله بمظفر وآله'' میں ہے کہ قندھار خلیج کھمبایت کے پاس ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے۔ بلاذری کہتے ہیں کہ عمرو بن حمل جب ہشام بن عمرو تغلبی کی طرف سے باربد (بھاڑ بھوت) آئے تو یہاں سے بذریعہ کشتی قندھار گئے، اسے فتح کیا اور ایک عبادت خانہ منہدم کر کے اس کی جگہ ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ قندھار کو آج کل ''گندھارا'' کہتے ہیں جو ضلع بھروچ گجرات میں واقع ہے ایک اور قندھار کابل کے قریب ایک مشہور مقام کا نام ہے۔

قندابیل

علامہ حموی کہتے ہیں کہ قندابیل سندھ کا ایک شہر اور بدھ نامی ریاست کا صدر مقام ہے، یہیں ہلال بن احوز مازنی شاری کی مہلب سے جنگ ہوئی تھی، قصدار اور منصورہ کا فاصلہ یہاں سے بالترتیب ۴۰ رکلومیٹر اور ۸ ردن کا ہے اور ملتان سے پہلے ۱۰ ریوم کی مسافت کا طویل صحرا حائل ہے۔

حاجب بن ذبیان مازنی کہتا ہے:۔

فإن أرحل فمعروف خليلي ❁ وإن اقعد فمالي من خمول

''اگر میں کوچ کر جاؤں تو میرا دوست معروف ومشہور ہے اور اگر میں بیٹھ رہا، تو بھی میں گمنامی سے دوچار نہ ہوں گا''۔

لقد قرت بقندابيل عيني ❁ وساغ لي الشراب إلى الغليل

''قندابیل میں میری نظر کو ٹھنڈک ملی اور پیاس دور ہونے تک پینا مجھے اچھا لگا''۔

غداة بنو المهلب من أسير ❁ بقاديه ومستلب قتيل

''صبح کو بنو مہلب قید ہو چکے تھے، انھیں گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا اور پھانسی پر لٹکایا اور قتل کیا جا رہا تھا''۔

قنوج

علامہ حموی کہتے ہیں کہ قنوج بفتح القاف وتشدید النون ہند میں ایک مقام کا نام ہے۔ ازہری کا کہنا ہے کہ یہ ایک جھاڑی کا نام ہے۔ علامہ ابن الجزری فرماتے ہیں کہ قنوج قاف مکسور اور نون مشدد مفتوح کے ساتھ ہند کا ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ابن سعید کے بہ قول اس کا طول ۱۳۱ر درجہ ۵۰ر دقیقہ اور عرض ۲۹ر درجہ ہے، یہ دریائے گنگا کے درمیان واقع اور لاہور کا پایہ تخت ہے۔ مہلبی کہتے ہیں کہ ملتان سے ۲۸۲ر فرسخ پر واقع یہ مشرقی ہند کا آخری حصہ ہے ہندوستان کا انتہائی عظیم الشان شہر ہے۔ نزهة المشتاق میں ہے کہ یہ ایک حسین شہر اور تجارتی منڈی ہے، اندرونی اور بیرونی کشمیر دونوں اس کے علاقے ہیں۔ مسعودی جس کی آمد ہند وسندھ میں ۳۰۳ھ میں ہے کہتے ہیں اس وقت قنوج کا راجہ جو راجگانِ سندھ میں سے تھا، بلہرا کا بھی حکمراں تھا۔ فرورہ ایک شہر ہے، اس کے حاکم کے نام پر ہی اسے فرورہ کہا جانے لگا۔ اب یہ اسلام کے زیر نگیں آ گیا ہے اور ''ملتان'' کے ماتحت ہے۔

قیقان (گیگان)

علامہ یاقوت حموی کہتے ہیں کہ قیقان بکسر القاف ہے۔ کتاب الفتوح میں

ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں ۳۸ھ کے اخیر اور ۳۹ھ کے آغاز میں حارث بن مرہ عبدی نے امیر المومنین کی اجازت سے رضا کارانہ طور پر حدودِ کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر جنگ کی جس میں انھیں فتح ہوئی اور کافی مال غنیمت اور قیدی ہاتھ لگے چناں چہ ایک ہی دن میں انھوں نے ایک ہزار غلام، باندی تقسیم کیے۔

صاحب کتاب الفتوح کے بہ قول قیقان، خراسان سے ملا ہوا سندھ کا ایک شہر ہے، حارث بن مرہ کے دو سال بعد ۳۶ھ میں مہلب نے حملہ کیا، قیقان میں مہلب کا مقابلہ ایسے اٹھارہ ترک گھوڑ سواروں سے ہوا، جو باہم قدم سے قدم ملا کر چلنے والے گھوڑوں پر سوار تھے۔ انھوں نے اس سے جنگ کی اور سب کو قتل کر دیا۔

پھر ۴۵ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن عامر کی طرف سے اور بہ قول بعض خود حضرت معاویہؓ ہی کی طرف سے عبدالرحمٰن بن سوار عبدی کو سرحد ہند کا امیر بنایا گیا، انھوں نے قیقان پر حملہ کیا جس میں انھیں خاصا مال غنیمت ہاتھ لگا، بعد ازاں سوار عبدی ایک وفد کے ہمراہ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں پہنچے اور انھیں کچھ قیقانی گھوڑے ہدیتہً پیش کیے، وہاں کچھ دنوں رہ کر واردِ قیقان ہوئے، اس عرصے میں ترکوں کے حوصلے بلند ہو گئے چناں چہ انھوں نے انھیں شہید کر دیا۔

اسی بابت شاعر کہتا ہے: ؎

وابن سوار على أعدائه ۞ موقد النار وقتال السغب

''ابن سوار اپنے دشمنوں کے حق میں، آگ کی بھٹی اور بھوکا جنگ جو ہے''۔

عبدالرحمٰن بن سوار عبدی بڑے دریا دل فرماں روا تھے، ان کے علاوہ کسی کے یہاں چولہا نہیں جلتا تھا۔ ایک رات انھوں نے ایک جگہ آگ دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیسی آگ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک نفساء عورت کھجور اور گھی کا حلوا بنا رہی ہے، انھوں نے حکم دیا کہ تین دن تک لوگوں کو اب حلوا ہی کھلایا جائے۔ خلیفہ ابن خیاط کہتے ہیں کہ ۴۷ھ میں عبداللہ بن سوار نے قیقان پر حملہ کیا جس میں وہ اور ان کے سپاہی

ترکوں کے ہاتھوں قتل کردیے گئے اور قیقان پر کفار ہی کا قبضہ رہا۔

قیقان، گیگان کا معرب ہے جسے آج کل ''قلات'' کہتے ہیں۔ (قاضی)

کِسّ (کچھ)

علامہ حموی کہتے ہیں کہ ''کس'' کاف کے کسرے اور سین کی تشدید کے ساتھ سمرقند کے قریب ایک شہر ہے اور بلاذری کے بہ قول ''صغد'' ہی ''کس'' ہے، نیز یہ سندھ کے ایک مشہور کا نام ہے جس کا تذکرہ فتوحات میں بھی ملتا ہے۔ صاحبِ ''مسند'' عبدالحمید عبد بن حمید کسی کی نسبت اسی طرف ہے۔ عباد بن زیاد نے سجستان سے سرحد ہند پر چڑھائی کی، وہاں سے ''سناورذ'' گئے، سناورد سے سجستانی علاقہ ''روذبار'' ہوتے ہوئے ''ہندمند'' پہنچے، ہندمند سے کس اور کس سے قندھار آ کر قندھاریوں سے دودو ہاتھ کرکے انھیں شکست دی۔ کس جرجان سے ۲۴ رکلومیٹر دور ایک بستی ہے، کس اور کش یہ معرب ہے ''کچھ'' کا، بعض کتابوں میں ''کصہ'' بالصاد بھی آیا ہے۔

کشمیر

علامہ حموی کے بہ قول کشمیر بکسر الکاف وسکون السین وسط ہند کا ایک شہر ہے۔ مسعودی کہتے ہیں کہ یہاں کے راجہ ''رائے'' کہلاتے ہیں یہ ہند کی ایک عظیم اور طاقت پہاڑی ریاست ہے، جو لگ بھگ ستر یا اسی ہزار شہروں اور دیہاتوں پر مشتمل ہے، صرف ایک ہی راستہ سے یہاں رسائی ممکن ہے کیوں کہ پوری ریاست کا صرف ایک ہی دروازہ ہے، یہ ریاست ایسے ناقابل تسخیر اور بلند پہاڑوں کے دامن میں آباد ہے جن کی بلندی تک انسان تو کیا؟ وحشی درندے بھی نہیں پہنچ سکتے اور جہاں پہاڑ نہیں وہاں پر پیچ وادیاں، جھاڑیاں اور باغات سے گھرے ہوئے تیز رو دریا ہیں۔ اس ریاست کی مضبوطی کی خراسان وغیرہ ملکوں میں بھی شہرت ہے اور اسے دنیا کا ایک عجوبہ شمار کیا گیا ہے۔

علامہ بلاذری کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور عباسی نے جب ہشام بن عمرو ثغلبی کو سندھ کا والی بنایا، تو اس نے دشوار گزار مقامات کو خود فتح کرنے کے بعد، عمرو بن جمل'' کو ''باربد'' اور ہندوستان بھیجا، عمرو نے کشمیر کو فتح کرلیا جس میں اسے بہت سے قیدی ہاتھ لگے۔

کلہ

علامہ حموی کہتے ہیں کہ یہ عمان اور چین کے مابین خط استواء پر واقع ایک بندرگاہ کا نام ہے جس کا طول ۱۳۰/درجہ اور عرض نامعلوم ہے۔ مہلبی کہتے ہیں کہ یہاں ایک آباد و شاداب شہر ہے، جہاں بلا امتیاز مسلم اور غیر مسلم دونوں رہتے ہیں۔ ''کلہ'' کی نسبت کلہی ہے۔

کلاہ

علامہ یاقوت حموی کہتے ہیں کہ کلاہ، ہند کا ایک دور دراز شہر ہے جہاں سے عود برآمد کیا جاتا ہے۔ سیف الدولہ کا درباری شاعر ابوالعباس صفری کہتا ہے:

لها أرج يقصر عن فداه ❁ فتيت المسك والعود الكلاهي

''اس کی خوش بو کی انتہاء کو مشک اور کلاہی عود کے چورے بھی نہیں پہنچ سکتے''۔

کمکم (کوکن)

ابن رستہ اپنی کتاب ''الاعلاق النفیسة'' میں راجہ بلہرا کی بابت رقم طراز ہیں کہ وہ شہر کمکم میں رہتا ہے جہاں ساگون خوب پیدا ہوتا اور سپلائی کیا جاتا ہے۔ ابن خرداذبہ ''المسالک والممالک'' میں لکھتے ہیں کہ ہند کا سب سے بڑا راجہ بلہرا ہے، جس کے معنی شہنشاہ کے ہیں، اس کی انگوٹھی کا نقش یہ ہے ''جس کی دوستی تمھارے ساتھ کسی غرض کے لیے ہے وہ شخص غرض پوری ہوتے ہی تمھارا ساتھ چھوڑ دے گا''۔

بیرونی کتاب الهند میں لکھتے ہیں کہ جنوب میں ''دھار'' سے وادی نمیہ تک

سات ''مہرت دیش'' تک اٹھارہ اور ریاست ''گنگن'' جس کا مرکزی اور ساحلی مقام تھانہ ہے، تک پچیس یوم کا فاصلہ ہے۔ براری گنگن (دانک) میں ایک جانور پایا جاتا ہے، جسے ''شرو'' کہتے ہیں۔ صاحب کتاب الہند فرماتے ہیں کہ تھانہ سے ''رتناگری'' تک کا علاقہ کوکن کہلاتا ہے جس میں تھانہ، چیمور، سوبارہ، دابول، جیول اور جزیرہ جیستان وغیرہ مقامات شامل ہیں۔

کنبایت (کھمبایت)

قلقشندی کہتے ہیں کہ ''مسالك الأبصار'' کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کنبایت اصل میں ''انبایت'' ہے کیوں کہ اس کی نسبت انباتی آتی ہے، بحر ہند کے ساحل پر یہ ایک شہر ہے جس کا طول ۹۹ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض ۲۲ درجہ ۲۰ دقیقہ ہے۔ تقویم البدان میں ہے کہ یہ شامی شہر ''معرہ'' سے بھی کافی بڑا اور خوب صورت ہے۔ مسعودی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں واقع ہے، کتابوں میں مذکور کنباتی جوتے کی نسبت اسی طرف ہے، اس سے قریب ہی سندان اور سوبارہ کے شہر آباد ہیں، وہاں میرا جانا ۳۰۳ھ میں ہوا۔ یہاں کا راجہ صاحب البانیان تھا اور راجہ بلہرا سے شکست کھا چکا تھا، اسے اپنے ملک آنے والے مسلمانوں اور دیگر فرقے والوں سے مناظرہ کرنے میں بڑی دل چسپی تھی۔ شہر کھمبایت دریائے نیل، دجلہ اور فرات کی خلیجوں سے وسیع وعریض ایک خلیج کے قریب آباد ہے، جہاں بہت سے شہر اور بستیاں ہیں، کھجور اور ناریل یہاں کی اہم پیداوار اور مور وطوطے یہاں کے خاص پرندے ہیں۔

کولم (ٹراونکور)

صاحبِ تقویم البلدان اور ابن سعید کے بہ قول ''کولم'' مشرقی ہند میں مرچ پیدا کرنے والا آخری شہر ہے، جہاں سے مرچیں عدن بھیجی جاتی ہیں۔ وہاں جا چکے

بعض لوگوں نے ہمیں بتایا کہ کولم مرچ پیدا کرنے والا ایک خلیجی شہر ہے، وہاں ایک مسلم محلّہ ہے جس میں ایک جامع مسجد بھی ہے، یہاں کی زمین ریگستان ہے، باغات بہت ہیں اور انار کی شکل کا ''بقم'' نامی ایک درخت پایا جاتا ہے جس کی پتیاں عناب کی پتیوں کی مانند ہوتی ہیں۔کولم آج ٹراونکور کا ایک حصہ ہے۔

لاہور

علامہ حموی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان کا ایک عظیم الشان شہر ہے، کتاب الفتوح میں ہے کہ مہلب ابن ابی صفرہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں ۴۴ھ میں سرحد ہند پر چڑھائی کی، پھر بنہ اور لاہور جو کہ ملتان اور کابل کے درمیان دو شہر ہیں پہنچے، وہاں دشمن سے مقابلہ ہوا اور دشمن شکست کھا کر مع اپنے ہمراہیوں کے جہنم رسید ہوا ازدی کہتا ہے:ے

ألم ترأن الأزدليلة بيتوا ۞ بنبة كانوا خير جيش المهلب

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قبیلہ ازد نے جو رات ''بنہ'' میں گزاری، وہ مہلب کے سب سے بہترین لشکری تھے''۔

قلشندی کہتے ہیں کہ اس کا طول ۱۰۰ر درجہ اور ۳۱ر دقیقہ ہے، یہ ایک بڑا زرخیز اور مردم خیز شہر ہے، بہت سے علماء کا مسکن رہا ہے۔سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۴۷ھ میں فتح کرکے اور بھی بہت سے علاقے زیرنگیں کیے، ''عبر'' اور ''کابل'' میں اس کا سن فتح ۵۷۹ھ درج ہے۔لاہور کو لوہور، لہاور اور لہاوور بھی کہا جاتا ہے۔ معجم البلدان میں ہے کہ لاہور دریائے راوی کے پاس کشمیر کے جنوب میں ایک ہندوستانی ریاست ہے جہاں سے ہندوستان افغانستان، اور ایران کے قافلے ہوکر گزرتے ہیں، یہاں کچھ خوبصورت عمارتیں بھی ہیں نیز یہ راجگانِ ہند کا پایہ تخت بھی رہا ہے۔

محفوظہ

علامہ بلاذری کہتے ہیں کہ حکم بن عوانہ کلبی ایسے وقت میں یہاں کے حاکم بنے

کہ بجز ایک قصبے کے پورا ہندوستان کفرستان بنا ہوا تھا مسلمانوں کے لیے الگ سے کوئی پناہ گاہ نہیں تھی تو انھوں نے ایک جھیل کے پاس ''محفوظہ'' کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور اس کو مسلمانوں کی پناہ گاہ قرار دیا۔ عمر بن محمد بن قاسم اس سفر میں ان کے ساتھ تھے اور محفوظہ سے انھیں ان کے کاموں اور ذمے داریوں کی اطلاع دیتے رہتے تھے۔ پھر جب وہ یہاں آئے اور حالات سازگار ہو گئے تو انھوں نے جھیل کے سامنے ''منصورہ'' کے نام سے ایک دوسرا شہر آباد کیا جہاں آج کل سربراہان حکومت کا قیام رہتا ہے۔

محل دیپ (مالدیپ)

شیخ محمد سعید مالدیپی ازہری ''تحفة الادیب فی أسماء سلاطین محلدیپ'' میں رقم طراز ہیں کہ مالدیپ چند ایسے چھوٹے چھوٹے اور ملے ہوئے جزائر کے مجموعے کا نام ہے جن میں سب سے بڑے جزیرے کا رقبہ طول میں ۵ر میل انگریزی ہے۔ یہ لنکا کے جنوب مغرب میں بحر ہند میں واقع ہے، خط استواء ان جزائر کے جنوبی حصے سے ہو کر گزرتا ہے۔ چاروں طرف سے سمندر ہونے کی وجہ سے یہاں کی فضا اس کے منطقہ حارہ میں ہونے کے باوجود لطیف اور پاکیزہ ہے، کل جزائر کی تعداد ۱۱۵۲ر ہے جن میں ۲۱۳ر آباد اور ۹۳۹ر غیر آباد ہیں، البتہ کاشت سب میں ہوتی ہے، یہاں کی خاص پیداوار مچھلی، ناریل اور گھونگھے ہیں، اکثریت کا پیشہ مچھلی کا شکار کرنا اور انھیں سکھا کر سیلون ایکسپورٹ کرنا ہے، یہ جزائر داخلی طور پر خود مختار ہیں، ۱۳۵۰ھ-۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی ۷۹۵۵۷ر ہے، جن میں مردوں کی تعداد ۴۳۲۱۳ر اور عورتوں کی تعداد ۳۶۳۴۴ر ہے، بقیہ تعداد غیر ملکی تاجروں کی ہے، جن کی تعداد ۴۰۲ر بتائی جاتی ہے۔ اس طرح مجموعی آبادی ملکی وغیر ملکی افراد کو ملا کر کل ۷۹۹۵۹ر ہو جاتی ہے۔ بحمد اللہ یہ سب کے سب مسلمان ہیں، یہ جزائر سیلون (سری لنکا) سے ۴۰۰ر میل کے فاصلے پر واقع ہیں،

قدیم کتابوں میں ان کا تذکرہ ''ذیبۃ المھل'' اور ''دیبحیات'' کے نام سے ہے۔

معبر (کارومنڈل)

مؤرخ ابوالفداء تقویم البلدان میں لکھتے ہیں کہ معبر ہند کا آخری علاقہ ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ''معبر'' زبان زد خاص و عام ہے اس کے شمالی پہاڑوں کی سرحدیں شہنشاہ ہند بلہرا کے ملک سے ملتی ہیں، پچھم میں دریائے ''صولیا'' بہتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے۔ معبر ''کولم'' کے جنوب مشرق میں چار پانچ یوم کی مسافت پر واقع ہے اور بالکل مشرق میں مالابار سے ملا ہوا ہے۔ آج کل سے ''کارومنڈل'' کہتے ہیں۔

مکران

علامہ حموی کہتے ہیں کہ یہ عجمی لفظ ہے، عرب شعراء عموماً اسے کاف مشدد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ عربی کے اعتبار سے یہ ''ماکر'' کی جمع ہوسکتی ہے جیسے کہ فارس کی جمع فرسان۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مکر کی جمع ہو جیسے وغد کی جمع وغدان اور بطن کی جمع بطنان آتی ہے۔ حمزہ کہتے ہیں کہ ادھر بہت سے علاقے چاند کی طرف منسوب ہیں، چوں کہ چاند کا ہریالی و شادابی میں بڑا دخل ہے اس لیے ہر شہر کو اس کی طرف منسوب کردیا گیا، انھوں نے اس کی چند مثالیں بھی بیان کی ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ مکران دراصل ماہ کرمان تھا، اختصار کے پیش نظر مکران ہوگیا، مکران سمندر کے کنارے کو کہتے ہیں۔ حکم بن عمرو تغلبی جنھوں نے دور فاروقی میں اسے فتح کیا نے اسے بتشدیدالکاف پڑھا ہے چناں چہ وہ کہتے ہیں:

لقد شبع الأرامل غير فخر ۞ بفيء جاء هم من مكران

''بیوہ عورتیں آسودہ ہوگئیں اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں، اس مال غنیمت سے جو مکران سے آیا تھا''۔

اتاهم بعد صعبة وجهد ۞ وقد صفر الشتاء من الدخان

''یہ مال غنیمت بڑی دشواری اور مشکل کے بعد آیا، جب کہ دھواں کے سبب موسم سرما زرد ہو گیا تھا''۔

فانی لایذم الجیش فعلی ۞ ولاسیفی یذم ولاسنانی

''نہ تو لشکر میرے اس عمل کی مذمت کر سکتا ہے اور نہ ہی میری شمشیر وتلوار کی مذمت کی جا سکتی ہے''۔

غداة أرفع الاوباش رفعا ۞ إلى السند العریضة والمدان

''جس صبح کو میں اوباش قسم کے لوگوں کو وسیع وعریض سندھ اور مدان کے علاقے میں پہنچا رہا تھا''۔

ومهران لنا فیما اردنا ۞ مطیع غیر مسترخی الهوان

''اور مہران جیسا کہ ہم نے چاہا، ہمارا مطیع ہو گیا، ذلت کا پردہ لٹکائے بغیر''۔

احمد بن یحییٰ بن جابر کے بہ قول عہد معاویہؓ میں زیاد بن ابوسفیان کی طرف سے ایک فاضل اور لائق شخص سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی ادھر کے والی بنے۔ سنان پہلے سپہ سالار ہیں جنھوں نے اپنی فوج سے فرار کی صورت میں اپنی بیویوں کے مطلقہ ہو جانے کی قسم لی۔ انھوں نے سرحد پر پہنچ کر بزور باز ومکران کو زیر کیا اور اس کا مناسب بندوبست کرنے کے بعد وہیں کے ہو رہے۔

ابن کلبی کی تحقیق یہ ہے کہ مکران کے فاتح حکیم ابن جبلہ عبدی ہیں ان کے بعد زیاد نے راشد بن عمرو جدیدی ازدی کو یہاں کا عامل بنایا۔ انھوں نے آ کر قیقان پر چڑھائی کی اور فتح یاب رہے۔ بعد ازاں سندھ پر حملہ کیا اور شہادت پائی۔ اس وقت نظم ونسق سنان بن سلمہ نے سنبھالا، جنھیں بعد میں مکران کا والی بنا دیا گیا، جہاں وہ دو سال مقیم رہے۔ اعشیٰ ہمدانی مکران کی بابت کہتا ہے:۔

ولم تك من حاجتی مكران ۞ ولا الغزو فیها ولا المتجر

''نہ تو مکران کی مجھے کوئی ضرورت تھی اور نہ ہی اس پر حملہ کرنے کی اور نہ ہی تجارت کی''۔

وحدثت عنها ولم آتها ۞ فمازلت من ذكرها اخبر

''مجھے مکران کی بابت بتایا تو گیا مگر میں وہاں آیا نہ تھا، مجھے تو اس کے تذکرے سے ہی بہرہ ور کیا جاتا رہا''۔

بان الكثير بها جامع ۞ وان القليل بها معوز

''کہ وہاں مالدار کے پاس تو بہت ہے اور تنگ دست پریشان ہے''۔

ان اشعار کی حقیقت یہ ہے کہ یہ فی الواقع حکیم بن جبلہ عبدی کے کچھ نثری جملے ہیں جنھیں اشعار کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اس علاقہ کا نام مکران برادر کرمان و مکران بن نارک بن سام بن نوحؑ کے نام پر رکھا گیا ہے، کیوں کہ ''بابل'' میں زبانیں خلط ملط ہو جانے کے بعد انھوں نے اسے ہی اپنا وطن بنالیا تھا۔

مکران مختلف شہروں اور دیہاتوں پر مشتمل ایک وسیع ریاست ہے جس کے مغرب میں کرمان، مشرق میں ہندوستان، جنوب میں سمندر اور شمال میں سجستان واقع ہیں۔

ملتان

علامہ یاقوت حموی کہتے ہیں کہ یہ ہند کی طرف غزنہ کے قریب ایک مسلم اکثریتی شہر ہے۔ اصطخری کہتے ہیں کہ ملتان جس کا نام ''فرج بیت الذهب'' بھی ہے رقبے میں منصورہ کا تقریباً آدھا ہے۔ یہاں ایک بت کی ہندو بہت تعظیم وتکریم کرتے اور دور دراز مقامات سے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک بار یہاں کی ایک بدترین کافر قوم ''کرک'' نے کچھ مسلم عورتوں کو گالی دے دی، ان میں ایک عورت نے بے اختیار ''یا حجاجاہ'' کہہ کر فریاد کی، جب یہ بات حجاج کو معلوم ہوئی تو اس نے ''دیبل'' کے راجہ داہر کے پاس اپنا ایلچی بھیج

کر حکم دیا کہ مجرموں کو سزا دی جائے۔ داہر نے یہ کہہ کر سنی ان سنی کر دی کہ اس کا ان مجرموں پر بس نہیں چلتا، اس پر حجاج نے خلیفہ عبد الملک سے دیبل پر لشکر کشی کی اجازت چاہی لیکن اس کا کوئی مثبت جواب نہیں ملا، پھر جب ولید کا زمانہ آیا تو اس نے اس کی اجازت دے دی، اجازت ملنے کے بعد حجاج نے محمد بن قاسم کو ایک لشکر کے ساتھ سندھ روانہ کیا، سخت مقابلے کے بعد داہر قتل ہوا اور سندھی شہر ملتان فتح ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ ولید کا انتقال ہو گیا، ولید کے بعد جب اس کا بھائی سلیمان بن عبد الملک خلیفہ بنا تو اس نے باہمی عداوت کی وجہ سے محمد بن قاسم کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور ٹاٹ کا لباس پہنایا۔ انتہا یہ کہ فتح سندھ کی مہم میں پانچ کروڑ کی بقدر جو اخراجات آئے تھے، اس کا دو گنا بہ طور تاوان اس سے وصول کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فتح ہند کا سہرا اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے سر ہے اور اس وقت سے تاہنوز یہ ملک مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔

مسعودی کہتے ہیں کہ والی ملتان سامہ بن غالب کی اولاد میں سے ایک طاقت ور اور لشکر دار شخص ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق ملتان کے اردگرد ۱۲۰ ہزار بستیاں ہیں۔ ملتان ہی میں ملتان نام کا وہ مشہور بت ہے جس کی زیارت کے لیے سندھ و ہند کے دور دراز علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آ کر مال و دولت اور مختلف قسم کی عمدہ عطریات کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ گورنر ملتان کی آمدنی کا بیش تر حصہ اس بت کو نذر کی جانے والی خالص عود کا مرہون منت ہے جس کے ایک اوقیہ کی قیمت ۱۰۰ دینار ہے۔ عود کی نزاکت کا عالم یہ ہے کہ مہر لگانے پر اس پر ایسے ہی نشانات پڑ جاتے ہیں جیسے کسی موم پر مہر مارنے سے، علاوہ ازیں اور بہت سی عجیب و غریب اشیاء اس بت کی نذر کی جاتی ہیں۔ ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ جب کوئی کافر راجہ ملتان پر حملہ آور ہوتا ہے اور مسلمان اپنے اندر مقابلے کی طاقت نہیں پاتے، تو وہ اس بت کو توڑنے کی دھمکی دیتے ہیں، لشکر کفار یہ سنتے ہی واپس ہو جاتا ہے۔ مسعودی کہتے ہیں کہ میرا وہاں

کا سفر ۳۰۰ھ کے بعد ہوا، اس وقت والی ملتان ابوالالہاث منبہّ بن اسد قریشی تھے۔

مالا بار

علامہ حموی کہتے ہیں کہ یہ "فا کنور" "منجرور" اور "ھسل" وغیرہ بہت سے شہروں پر مشتمل وسط ہند کی ایک بڑی ریاست ہے جس کی سرحدیں ملتانی علاقوں سے ملتی ہیں۔ مرچ یہاں سے پوری دنیا میں سپلائی کی جاتی ہے۔ صاحب تقویم البلدان لکھتے ہیں کہ یہ مالدیپ کے مشرق میں ہرے بھرے شہروں والی ایک ہندوستانی ریاست ہے، جہاں پانی کی بہتات اور لچک دار درختوں کی بھرمار ہے۔ یہ بات علم میں رہے کہ مالا بار، ملبار، ملیسار اور منیبار یہ سب ایک ہی نام کی مختلف شکلیں ہیں، "ملی" بمعنی پہاڑ اور "بار" ہار کا معرب ہے اس لیے ملیبار کے معنی ہوئے "پہاڑ کا ہار"۔

منڈل

علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ یہ ہند کا ایک شہر ہے جو منڈل نامی بہترین عود برآمد کرتا ہے۔ اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

إذا ما مشت نادى بما في ثيابها ✿ ذكي الشذا والمندلي المطير

"جب وہ چلتی ہے تو اس کے کپڑوں کی تیز خوش بو اور مندلی عود کی پھوار آواز دیتی ہے"۔

آج کل اکثر باشندگانِ منڈل کے نام کے اخیر میں منڈل لگا ہوتا ہے، مثلاً محمد منڈل، عبداللہ منڈل اور عبدالرحمٰن منڈل وغیرہ۔

منصورہ

علامہ حموی کہتے ہیں کہ منصورہ ہند کے ایک علاقے کی راجدھانی ہے۔ یہ ایک بڑا اور انتہائی زرخیز شہر ہے یہاں ایک مسجد ہے جس کے ستون ساگون کے ہیں، قریب ہی دریائے سندھ کی خلیج ہے۔ حمزہ کی تحقیق کے مطابق برہمن آباد نامی سندھ کے قدیم شہر ہی کا نام آج کل منصورہ ہے۔ مسعودی کہتے ہیں کہ یہ اموی گورنر منصور بن جمہور کے نام

سے موسوم ہے، مغرب میں اس کا طول ۹۳ر درجہ اور جنوب میں اس کا عرض ۲۲ر درجہ ہے۔
ہشام کہتے ہیں کہ منصورہ نام اس لیے پڑا کہ بانی منصور بن جمہور کلبی ہیں، یہ ہارون رشید کے مخالف اور سندھ میں مقیم تھے۔ حسن بن احمد مہلمی کے بہ قول اس شہر کا نام منصورہ اس لیے رکھا گیا کہ عمرو بن حفص مہلمی نے خلیفہ منصور عباسی کے دور میں اسے بسایا تھا۔

خلیج سندھ کی وجہ سے منصورہ جزیرہ نما ہو گیا ہے یہاں کے باشندے مسلمان با مروت، دین دار اور تجارت پیشہ ہیں، پانی کی ضرورت دریائے سندھ سے پوری ہوتی ہے، یہاں گرمی اور پسو بہت ہے۔ دیبل یہاں سے چھ، ملتان، بارہ، طوران پندرہ اور بدہہ چار یوم کی مسافت پر واقع ہیں۔ مسعودی کہتے ہیں کہ جب میرا وہاں کا سفر ہوا تو اس وقت وہاں کے حاکم ابوالمنذر بن عبداللہ تھے، میں نے اس کے وزیر زیاد اور اس کے دو صاحب زادوں: محمد اور علی سے ملاقات کی، ایک عرب سردار اور حمزہ نامی ایک عرب بادشاہ بھی وہاں نظر آیا، یہاں سیدنا حضرت علیؓ کی نسل کے بھی کچھ لوگ آباد ہیں، والیان منصورہ اور قاضی ابوالشوارب کے درمیان قرابت و رشتے داری ہے کیوں کہ یہاں کے والیان ہبار بن کردی کی اولاد ہیں۔ منصورہ نامی یہ ریاست ۶۴۳ر تک آباد رہی۔

نہروالہ (نہلواڑہ)

قلقشندی کہتے ہیں کہ اس کا طول ۹۸ر درجہ ۲۰ر دقیقہ اور عرض ۳۳ر درجہ ۳۰ر دقیقہ ہے۔ مالابار کے مغرب میں واقع یہ کھمبابت سے بھی بڑی ریاست ہے، اس کی آبادی باغات اور پانی میں بٹی ہوئی ہے۔ سمندر سے اس کی مسافت ۳ر دن کی ہے۔
صاحب حماۃ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ یہ ہندوستان کا سب سے بڑا علاقہ ہے۔

❁❁❁

باب: الف

احمد ابن سندھی بغدادی ابوبکر الزاہد

خطیب بغدادی، تاریخ بغداد میں ان کی بات رقم طراز ہیں: احمد بن سندھی بن حسن بن بحر، ابوبکر حداد نے محمد بن عباس مؤدب، حسن بن علویہ قطان اور حافظ حدیث موسیٰ بن ہارون سے حدیث کا سماع کیا۔ ان سے ابن رزقویہ نے ابوحذیفہ بخاری کی ''کتاب المبتدا'' وغیرہ کی اور ابوعلی بن شاذان اور ابونعیم اصفہانی نے حدیث کی روایت کی۔ یہ ثقہ، راست گو، نیک، صاحب فضل وکمال تھے۔ بغداد کے محلہ بنی حداد میں رہائش پذیر تھے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ہم سے حسن بن ابوبکر، ان سے احمد بن سندھی حداد نے، ان سے محمد بن عباس مؤدب نے، ان سے یحییٰ بن نعمان نے، ان سے محمد بن طلحہ نے، حضرت عائشہ سے بروایت زبیر عن مجاہد یہ روایت بیان کی کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه سیورثه'' حضرت جبریل مجھے پڑوسی کی بابت اس طرح تاکید کرتے رہے کہ میں نے سمجھا پڑوسی میراث کا وارث ہوجائے گا۔

مزید فرماتے ہیں کہ ہم سے حافظ ابونعیم نے، ان سے احمد بن سندھی بن بحر نے جن کا شمار ابدال میں ہوتا تھا، بیان کیا فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابونعیم سے احمد بن سندھی کی بابت دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ثقہ تھے۔ ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ مستجاب الدعاء ہیں۔ خطیب لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابوبکر برقانی سے ابن سندھی کا تذکرہ سنا، انھوں نے ان کی توثیق فرمائی اور ثقہ قرار دیا۔ محمد بن ابوفوارس

فرماتے ہیں کہ ابوبکر سندھی حداد جو ایک ثقہ عالم تھے، کی وفات ۳۵۹ھ میں ہوئی۔

امام ابو سعد عبدالکریم بن ابوبکر سمعانی ''کتاب الانساب'' میں شیخ احمد حداد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ احمد بن سندھی بن حسن حداد نے، امام علویہ سے کتاب المبتداء کی روایت کی، نیز امام فریابی اور محمد بن عباس مؤدب وغیرہ سے بھی روایت حدیث کی ہے۔ امام ابن اثیر جزری نے ''کتاب اللباب فی تھذیب الانساب'' میں لفظ ''جداری'' کے بارے میں لکھا ہے کہ بغداد کے ایک محلے ''قطیعہ بنی جدار'' کی طرف منسوب ہے اور احمد بن سندھی بن حسن بحر جداری بغدادی کا تعلق بھی اسی محلے سے تھا۔ یہ ''صدوق'' تھے۔ خطیب بغدادی نے بھی اپنی تاریخ میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوبکر حداد نے محمد بن عباس مؤدب سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے ابن رزقویہ نے روایت کی ہے۔ امام ابن العماد حنبلیؒ نے اپنی کتاب ''شذرات الذھب فی اخبار من ذھب'' میں ۳۵۹ء کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے کہ اسی سال شیخ احمد بن سندھی ابوبکر بغدادی حداد کا بھی انتقال ہوا۔ انھوں نے حسن علویہ وغیرہ سے روایت کی ہے۔ حافظ ابونعیم فرماتے ہیں کہ ان کا شمار ''ابدال'' میں تھا۔

حافظ ابونعیم اصفہانیؒ ''حلیة الأولیا'' میں حضرت علیؓ کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے حسن بن علویہ قطان نے، ان سے اسماعیل بن عیسیٰ عطار نے، ان سے اسحاق بن بشر نے اور ان سے امام مقاتل نے حضرت قتادہ سے بروایت خلاس بن عمرو بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے ان کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا امیر المومنین! کیا آپ نے رسول اکرم ﷺ کو اسلام کی خصوصیت اور حقیقت بیان فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا ہاں میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"بنی الاسلام علی أربعة أرکان:علی الصبر،والیقین، والجهاد، والعدل.وللصبرأربع شعب: الشوق، والشفقة، والزهادة، والترقب. فمن اشتاق إلی الجنة سلا عن الشهوات. ومن أشفق من النار رجع عن الحرمات. ومن زهد فی الدنیا تهاون بالمصیبات. ومن ارتقب الموت سارع فی الخیرات. ولليقين أربع شعب: تبصرة الفطنة، وتاويل الحكمة ، ومعرفة العبرة، واتباع السنة. فمن أبصر الفطنة تأوّل الحكمة ومن تأول الحكمة عرف العبرة ومن عرف العبرة اتبع السنة ومن اتبع السنة فكأنما كان فی الأولین. وللجهاد أربع شعب: الأمر بالعمروف، والنهی عن المنكر، والصدق فی المواطن، وشنآن الفاسقین. فمن أمر بالمعروف،ونهی عن المنکر أرغم أنف المنافق، ومن صدق فی المواطن قضی الذی علیه وأحرزدینه، ومن شنأ الفاسقین فقد غضب لله ومن غضب الله یغضب الله له. وللعدل أربع شعب: غوص الفهم ، و زهرةالعلم، وشرائع الحكم، وروضة الحلم .فمن غاص الفهم فسّرجمل العلم ، ومن رعی زهرة العلم عرف شرائع الحکم ، ومن عرف شرائع الحکم ورد روضة الحلم . ومن ورد روضة الحلم ، لم یفرط فی أمره وعاش فی الناس و هم فی راحةٍ" .

ترجمه: اسلام کی بنیاد چار ارکان پر ہے: صبر، یقین، جہاد اور عدل۔ صبر کے چار شعبے ہیں:

"ا۔شوق،۲۔خوف،۳۔زہد فی الدنیا،۴۔موت کا انتظار۔ جو شخص جنت کا مشتاق ہوگا، وہ نفسانی خواہشات سے باز رہے گا، جسے جہنم کا خوف ہوگا وہ بدکاری سے دور رہے گا، جو شخص دنیا سے بے رغبتی رکھے، مصیبتیں اس کے لیے آسان معلوم ہوں گی اور جس کو موت کا انتظار ہوگا، وہ نیکی میں جلدی کرے گا۔ یقین کے بھی چار

شعبے ہیں:۱۔دوراندیشی۔۲۔حکمت ودانائی۔۳۔عبرت آموزی۔۴۔اتباع سنت۔ جو شخص سنت کی اتباع کرے، یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ اولین میں سے ہے۔ جہاد کے بھی چار شعبے ہیں:۱۔امر بالمعروف۔۲۔نہی عن المنکر۔۳۔ہر وقت سچ بولنا۔ ۴۔فساق وفجار سے نفرت وعداوت۔ جو شخص نیک باتوں کا حکم دے اس نے مومن کی پشت مضبوط کی۔ جو نہی عن المنکر کرتا ہے اس نے منافق کو رسوا کیا۔ جو ہر موقع پر راست گوئی سے کام لے، اس نے اپنا واجبی فرض ادا کیا اور دین کی حفاظت بھی کی اور جو بدکاروں سے نفرت کرے اس نے محض خدا کے لیے غصہ کیا اور جو شخص للہ فی اللہ غضب رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے غضب رکھتے ہیں۔ یقین کے بھی چار شعبے ہیں:۱-ذہانت کی بصیرت،۲-تشریح حکمت،۳-عبرت وموعظت کی شناخت ۴- اور اتباعِ سنت۔ جس کی ذہانت وبصیرت آمیز ہو، وہ حکمت سے واقف ہوا۔ جو شخص حکمت سے واقف ہوا، اسے عبرت حاصل ہوگی اور جس کو عبرت کا علم وادراک ہوا وہ اتباعِ سنت کرے گا۔ عدل وانصاف کے بھی چار شعبے ہیں:۱۔گہری سوجھ بوجھ۔۲۔علم کی چمک۔۳۔قضا کے مسائل۔۴۔سنجیدگی وبردباری کا چمن۔ جس شخص کی فہم گہری ہوگی، وہ علم کے اجمال کی وضاحت کر سکے گا۔ جو شخص علم کی آن بان اور چمک دمک کی پاس داری کرے، اسے شرائع وحکم کی معرفت ہو جائے گی اور جسے قضا کے مسائل کا علم ہو جائے وہ بردباری کے چمن تک پہنچ گیا اور جو بردباری کے چمن تک پہنچ گیا، وہ کبھی اپنے فیصلے میں افراط وتفریط کا شکار نہ ہوگا اور وہ لوگوں میں اس طرح رہے گا کہ انھیں اس کے سبب آرام وراحت حاصل ہوگی''۔

حافظ ابونعیم اصفہانی، حضرت مقداد بن اسودؓ کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ہم سے ابوبکر احمد بن سندھی نے، ان سے حافظ موسیٰ بن ہارون نے، ان سے عباس بن ولید نے، ان سے بشر بن مفضل نے، ان سے ابن عون نے بہ روایت عمیر لہ بن اسحاق، حضرت مقداد بن اسودؓ سے بیان کیا، انھوں نے فرمایا:

"استعملنی رسول اللّه ﷺ علی عمل فلما رجعت قال : کیف وجدت الإمارة؟قلت :یارسول اللّه !ما ظننت إلا أن الناس کلهم خول لی واللّه لا آتی علی عمل مادمت حیاً".

ترجمہ: مجھے رسول اکرم ﷺ نے ایک جگہ کا عامل بنا کر بھیجا، جب میں واپس آیا تو آپ ﷺ نے معلوم کیا کہ گورنری کیسی لگی؟ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! میں نے سمجھا کہ سارے کے سارے انسان میرے غلام باندی ہیں۔ خدا کی قسم جب تک میں بقید حیات رہوں گا، کسی طرح کی امارت ہرگز قبول نہ کروں گا"۔

حافظ موصوفؒ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تذکرے کے تحت رقم طراز ہیں کہ ہم (حافظ ابونعیم) سے احمد بن سندھی نے، ان سے حسن بن علی نے، ان سے اسماعیل بن عیسی عطار نے، ان سے اسحاق بن بشر بن جویبر نے بہ روایت حضرت ضحاکؒ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا:

"یا صاحب الذنب! لاتأفننّ من سوء عاقبته، ولما یتبع الذنب أعظم من الذنب إذا عملته، فان قلّة حیاتك ممن علی الیمین وعلی الشمال وأنت علی أعظم من الذنب الذی علمته، وضحکك وأنت لا تدری مااللّه صانع به أعظم من الذنب، وفرحك من الذنب إذا ظفرت به أعظم من الذنب، وحزنك علی الذنب إذا فاتك أعظم من الذنب إذاظفرت به، وخوفك من الریح إذا حرکت ستر بابك وأنت علی الذنب، ولایضطرب فؤادك من نظر اللّة إلیك أعظم من الذنب إذاعملته، ویحك هل تدری ماکان ذنب أیوب علیه السلام فابتلاه اللّه بالبلاء فی جسده وذهاب ماله؟ إنما کان ذنب أیوب علیه السلام أنه استعان به مسکین علی ظلم یدرأه عنه فلم یعنه ولم یأمر بمعروف ولم ینه الظالم عن ظلم هذا المسکین فابتلاه اللّه عزوجلّ.

ترجمہ: ''مرتکب گناہ! تجھے گناہ کے انجام بد سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ گناہ کے بعد جو بے حیائی آتی ہے، وہ گناہ سے بھی بڑھ کر ہے اگر تم نے گناہ کرلیا۔ کیوں کہ تیری یہ بے حیائی ان فرشتوں کے سامنے ہے جو تیرے دائیں اور بائیں کندھے پر تعینات ہیں اور تم ارتکاب کردہ گناہ سے بھی سنگین بے حیائی میں مبتلا ہو۔ تیری یہ ہنسی حالاں کہ اس کی کچھ خبر نہیں کہ خدا تیرے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے، گناہ سے کہیں بڑھ کر ہے۔ گناہ کے ارتکاب میں کامیابی پر اظہار مسرت، اس گناہ سے سنگین تر ہے۔ گناہ کا ارتکاب نہ کرسکنے پر رنج وغم، اس گناہ سے بھی سنگین تر ہے۔ گناہ میں ملوث رہتے ہوئے ہوا چلنے پر، جس سے دروازے پر پڑا ہوا پردہ ہلنے لگتا ہے، تمھارا ڈرنا جب کہ اس سے تمہارا دل بالکل پریشان نہ ہو کہ خدا تمھیں دیکھ رہا ہے، اس گناہ سے سنگین تر ہے اگر تو اس کا ارتکاب کرلے۔ تیرا ناس ہو کیا تجھے کچھ معلوم نہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا کیا قصور تھا، جس کی وجہ سے اللہ نے انھیں ان کے جسم اور مال واسباب کی آزمائش میں مبتلا کیا؟ ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ ان سے ایک کمزور ولاچار آدمی نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف مدد چاہی تھی، مگر انھوں نے اس کی مدد نہ کی، نہ نیکی کا حکم دیا اور نہ ہی ظالم کو اس لاچار پر ظلم کرنے سے روکا، جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے انھیں اس آزمائش میں مبتلا کیا''۔

حافظ موصوفؒ ہی خود امام ابن سیرین کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سندھی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عباس مؤدب نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے خالد بن خداش نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حماد بن زید نے بہ روایت حضرت ہشام، محمد سے یہ روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"مثل الذی یجلس ولا یخلع نعلیه مثل دابة یوضع علیها الحمل ولا یوضع الاکاف".

ترجمہ: اس شخص کی مثال جو بیٹھے مگر جوتے نہ اتاری ایسی ہے جیسے جانور پر بوجھ

تولا دیا جائے مگر گدا نہ رکھا جائے۔

ابو رجاء عطاردی کے تذکرے کے تحت لکھتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سندھی بن بحر نے، ان سے حافظ حسین بن محمد بن حاتم عبید عجلی نے، ان سے بشر بن ولید نے اور ان سے زکریا بن حکیم حبطی نے ابو رجاء عطاردی سے بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ حدیث بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لاتقولوا قوس قزح فان قزح شیطان. ولکن قولو قوس اللّٰہ عزوجلّ فهو امان لاهل الارض".

ترجمہ: "قوس قزح مت کہو کہ یہ شیطان کی قوس ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوس کہو کہ یہ اہل زمین کے حق میں سراپا امن وامان ہے"۔

حافظ ابونعیم فرماتے ہیں یہ حدیث براویت ابو رجاء غریب ہے۔ میرے علم کے مطابق زکریا بن حکیم کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے اسے مرفوعاً روایت نہیں کیا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے جعفر بن احمد بن محمد بن صباح نے، ان سے یحیٰ بن خدام بن منصور نے، ان سے ابوسلمہ انصاری محمد بن عبداللہ بن زیاد نے اور ان سے مالک بن دینار نے بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کیا، انھوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"أخبرني جبريل عن اللّٰه تعالى أن اللّٰه عزّ وجلّ يقول: وعزتي وجلالي ووحدانيتي وفاقة خلقي إليّ واستوائي على عرشي وارتفاع مكاني إني لأستحيي من عبدي وأمتي يشيبان في الإسلام ثم أعذبهما. ورأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يبكي عند ذلك. فقلت مايبكيك يارسول اللّٰه! فقال: بكيت لمن يستحي اللّٰه منه ولا يستحيي من اللّٰه تعالى".

ترجمہ: ''مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری عزت وجلال کی قسم، میری وحدانیت کی قسم، میری مخلوق کی میری جانب احتیاج کی قسم، میرے عرش پر استواء کی قسم! میری بلندیٔ مرتبہ کی قسم میں اپنے ایسے بندی اور بندے سے جو اسلام میں بوڑھے ہو گئے ہوں، شرماتا ہوں کہ پھر انھیں عذاب دوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا میں اس شخص کے لیے رو رہا ہوں جس سے خدا تو شرماتا ہے مگر وہ خدا سے ذرا بھی نہیں شرماتا''۔

حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ مالک بن دینار سے یہ حدیث سوائے ابوسلمہ انصاری کے کسی اور نے روایت نہیں کی۔ اسی طرح ابوسلمہ سے روایت کرنے میں یحییٰ بن خذام بھی تنہا ہیں۔

حافظ ابونعیم، ابوعمران جونی کے تذکرے میں رقم طراز ہیں کہ ہم سے احمد بن سندی نے، ان سے محمد بن عباس مؤدب نے، ان سے عبیداللہ بن عمر نے اور ان سے جعفر بن سلیمان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ ابوعمران نے آیت ''ان لدینا أنکالا وجحیماً'' تلاوت کی اور اس کی تفسیر ''قیوداً واللہ لاتحل أبدا'' سے کی کہ نکال سے مراد ایسی بیڑیاں ہیں جو بخدا کبھی بھی نہ کھلیں گی۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کے تذکرے میں فرماتے ہیں ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے جعفر فریابی نے، ان سے محمد بن حسن بلخی نے اور ان سے حضرت عبداللہ بن مبارک نے، ابولہیعہ عن عطاء بن دینار بہ روایت حضرت عبداللہ بن جبیرؒ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا:

''خشیت یہ ہے کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ خوف خدا تمہارے اور معصیت کے درمیان حائل ہو جائے، تب ہے یہ خشیت اور ذکر خداوندی اللہ تعالیٰ کی

اطاعت شعاری ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی، اس نے اس کا ذکر کیا اور جو اس کی اطاعت نہ کرے تو وہ ذاکر نہیں ہے، خواہ وہ بہ کثرت تسبیح پڑھے اور زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرے''۔

حافظ موصوف حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سندھی نے ان سے حسن بن علویہ قطان نے، ان سے اسماعیل بن عیسیٰ عطار نے اور ان سے ادریس نے اپنے دادا حضرت وہب بن منبہؒ کی روایت سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا:

''حضرت لقمان حکیم نے اپنے صاحب زادے سے فرمایا بیٹے اللہ سے عقل وفہم طلب کرو کیوں کہ اللہ سے عقل کے طلب کردہ لوگ سب سے زیادہ اچھی عقل کے ہوتے ہیں شیطان عاقل آدمی سے بچتا ہے اسے فریب اور دھوکہ نہیں دے سکتا''۔

حضرت وہب بن منبہ کے تذکرے میں مزید فرماتے ہیں ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے حسن بن علویہ قطان نے، ان سے اسماعیل بن عیسی نے، ان سے اسحاق بن بشر نے اور ان سے ادریس نے اپنے دادا حضرت وہب بن منبہ کی روایت سے بیان کی کہ حضرت وہب نے فرمایا:

''اللہ تعالی کی عبادت عقل سے زیادہ بہتر کسی اور چیز سے نہ کی گئی۔ کسی انسان کی عقل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی، جب تک اس کے اندر دس خصلتیں یک جانہ ہو جائیں: ۱- وہ تکبر سے محفوظ ہو جائے۔ ۲۔ اس میں نیکی پیوست ہو جائے۔ ۳- وہ بقدر کفاف دنیا سے خوش رہے اور جو زیادہ ہو اسے خرچ کردے۔ ۴- دنیا کے اندر تواضع وانکساری، اس کے نزدیک اعزاز وشرف سے زیادہ محبوب ہو۔ ۵- دنیا کی ذلت ورسوائی عزت وسربلندی سے زیادہ عزیز ہو۔ ۶- زندگی بھر وہ طلب علم سے نہ اکتائے۔ ۷- طالب خیر برا نہ منائے۔ ۸- دوسرے کے معمولی احسان کو بھی بہت سمجھے۔ ۹- اپنے بے پناہ احسان کو معمولی گردانے۔ ۱۰- اور دسویں خصلت اصل

الاصول ہے اسی سے اس کو عظمت و بزرگی حاصل ہوگی، اس سے اس کا چرچہ عام ہوگا اور اسی سے دونوں جہان میں اس کو رتبہ بلند ملے گا۔ عرض کیا گیا وہ دسویں خصلت کیا ہے؟ تو فرمایا وہ یہ ہے کہ سارے انسانوں کو اپنے سے بہتر اور برتر شمار کرے اور کسی کو اپنے سے بدتر اور رذیل نہ سمجھے۔ جب اپنے سے بہتر و برتر کو دیکھے تو اسے اچھا لگے اور اس کی آرزو ہو کہ وہ بھی ایسا ہی ہو جائے۔ جب اپنے سے بدتر اور رذیل شخص کو دیکھے تو دل میں کہے کہ شاید اسے نجات مل جائے اور میں ہلاک کر دیا جاؤں اور یہ کہ اس کا باطن کچھ اور ہے جو مجھ پر ظاہر نہ ہو سکا جو بہت بہتر ہے اور اس کے ظاہر کی بابت یہ سمجھے کہ شاید یہ میرے لیے بہت برا ہے۔ تب جا کر اس کی عقل مکمل ہوگی اور اہل کی لگام کی سیاست زمانہ اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ نیز ان شاء اللہ وہ جنت میں بھی پہلے ہی داخل ہونے والا ہوگا''۔

حافظ موصوف مزید لکھتے ہیں ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے حسن بن علویہ نے، ان سے اسماعیل بن عیسیٰ نے، ان سے اسحاق بن بشر نے، انھوں نے غیاث بن ابراہیم سے، ان سے حضرت وہب سے روایت کرنے والے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت وہب نے فرمایا:

''جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہت کی پیش کش کی گئی تو انھوں نے دروازے پر کھڑے یہ دعا پڑھی: حسبی دینی من دنیای، وحسبی ربی من خلقه عزجاره وجل ثنائه لا اله غيره۔ پھر اندر گئے جب بادشاہ مصر کی نظر ان پر پڑی تو وہ اپنے تخت سے اتر گیا اور ازراہ تعظیم سجدے میں گر گیا۔ پھر اپنے ہم راہ انھیں تخت پر بٹھایا اور کہا ''إنك لدينا مكين أمين'' اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ''اجعلنی علی خزائن الأرض إنی حفیظ علیم'' کہ میں ان سالوں اور ان میں ذخیرہ کردہ غلہ جات کی حفاظت و نگہبانی کروں گا اور مجھے آنے والے لوگوں کی زبانوں کا بھی علم ہے''۔

حضرت میمون بن مہران کے ترجمے میں فرماتے ہیں ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے جعفر بن محمد فریابی نے، ان سے ابونعیم حلبی نے اور ان سے ابوالملیح رقی نے حضرت میمون بن مہران کی روایت سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا:

''ذکر کی دو قسمیں ہیں: ذکر باللسان اور اس سے افضل یہ ہے کہ تم اللہ کو یاد کرو معصیت کے وقت جب تم اسے کرنے ہی والے ہو''۔

عامر شعبیؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے حسن بن علویہ نے، ان سے اسماعیل بن عیسیٰ عطار نے، ان سے اسحاق بن بشر نے وہ کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن زیاد نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ مجھ سے ابوالحسن ملانی نے بہ روایت امام عامر شعبی بیان کیا کہ ان سے آسمان کی بابت دریافت کیا گیا تو فرمایا: ''موج مکفوف، وسقف مسقوف، وبحر محفوف'' آسمان، روکی گئی موج ہے، بچھی ہوئی چھت ہے اور گھرا ہوا سمندر ہے۔

حضرت عکرمہ مولی ابن عباسؓ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ہم سے احمد بن سندھی نے، ان سے حسن بن علویہ نے، ان سے اسماعیل بن عیسی عطار نے، ان سے اسحاق بن بشر نے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابن جریج نے بروایت حضرت عکرمہ بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا:

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گیا، وہ قرآن شریف کھولے اس میں غور وفکر کر رہے تھے اور رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا ابوالعباس! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا قرآن شریف میں چند آیتیں ہیں جن کے سبب میں رو رہا ہوں۔ میں نے دریافت کیا وہ آیتیں کون سی ہیں؟ فرمایا ایک قوم نے اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دیا اور بری باتوں سے روکا تو انھیں نجات مل گئی اور دوسری قوم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا تو دیگر اہل معاصی کے ساتھ اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے ''واسألهم عن القرية التى كانت حاضرة البحر'' الآیۃ اس

سے مراد ''ایلہ'' کی بستی ہے جو ساحل سمندر پر واقع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ جمعہ کے روز ہر طرح کے دنیوی مشاغل سے فارغ رہیں۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ ہم سنیچر کو فارغ رہیں گے، کیوں کہ اسی روز اللہ تعالیٰ کائنات کی تخلیق سے فارغ ہوئے تھے اور تمام چیزیں درست اور ٹھیک ٹھاک ہو گئی تھیں۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے سنیچر کے روز ان پر سختی کر دی اور اس دن شکار کرنے سے منع کر دیا۔ جب سنیچر کا دن ہوتا تو مچھلیوں کے جھنڈ ان کے گھاٹ تک آجاتے اور دن بھر وہیں بے خوف وخطر کھیلتی رہتیں۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: إذ تأتيهم حيتانهم يوم سبتهم شرعاً لیکن سنیچر کی شام ہو کر اتوار کی رات جیسے ہی آتی یہ مچھلیاں پہلے کی طرح گہرے پانی میں چلی جاتیں۔ اس کے باعث بنی اسرائیل کو بڑی دشواری پیش آتی کیوں کہ مچھلیاں ہی ان کا ذریعہ آمدنی تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بنی اسرائیل کی ایک باندی نے سنیچر کو مچھلی کا شکار کر کے اسے گھڑے میں ڈال لیا اور اتوار کو کھایا تو اسے کسی طرح کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ ایسا اس سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام بھی کر چکے تھے اور انھوں نے یوم سبت میں ظلم کرنے والوں پر لعنت بھیجی۔ اس باندی نے اپنے آقاؤں سے کہا کہ میں نے سنیچر کو مچھلی پکڑی اور اتوار میں کھا گئی مگر اس سے مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ چناں چہ انھوں نے بھی سنیچر کو مچھلی کا شکار کیا اور اسے اتوار کو بیچا اور استعمال کیا اس طرح انھیں بے پناہ مال ودولت ہاتھ لگ گئی۔ جب دوسروں کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی سنیچر کو مچھلیوں کا شکار کرنا شروع کر دیا۔ اس پر کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں سنیچر کے روز شکار کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ مگر دوسرے لوگوں نے مداہنت کا مظاہرہ کیا۔ اور کہنے لگے (لم تعظون قوماً الله مهلكم أو معذبهم عذاباً شديداً) جنھیں اللہ ہلاک کرنا اور سنگین عذاب دینا چاہتا ہے، تم انھیں نصیحت کیوں کر رہے ہو۔ اس پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں نے جو کہا (معذرةً الى ربكم

ولعلهم یتقون) شاید کہ وہ شکار کرنے سے باز آجائیں۔ لیکن انھیں شکار کرنے سے منع کیا تو انھوں نے جواب میں کہا کہ اللہ تعالی نے تو سنیچر کے روز مچھلی کھانے سے منع کیا ہے، نہ کہ شکار کرنے اور پکڑنے سے اور سنیچر کو بھرپور انداز میں شکار کرنے لگ گئے۔ شکار کرنے سے منع کرنے والے شہر سے باہر چلے گئے۔ شام کو اللہ تعالی نے حضرت جبریل کو بھیجا، انھوں نے زور کی ایک چیخ ماری جس سے وہ سب کے سب ذلیل وخوار بندر بن گئے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صبح کو جب کوئی بھی گھر سے نہ نکلا تو شہر سے نکل جانے والے لوگوں نے ایک شخص کو بھیجا جب وہ شہر میں آیا تو اسے کوئی بھی انسان نظر نہ آیا۔ حویلیوں میں جا کر دیکھا تب بھی کوئی نہ ملا۔ جب وہ گھروں کے اندر گیا تو اسے گھروں کے کونوں میں کھڑے بندر بنے ہوئے نظر آئے۔ اس نے آکر دروازہ کھولا اور آواز لگائی۔ حیرت ہے کہ یہ لوگ بندر بن چکے ہیں جن کے دم ہیں اور وہ بندروں کی طرح بولتے بھی ہیں۔ جب وہ لوگ شہر میں آئے تو یہ بندر اپنا نسب پہچان رہے تھے، مگر یہ لوگ ان بندروں کا نسب بالکل نہ پہچان سکے۔ اسی کی بابت ارشاد ہے (فلما نسوا ماذکّروا به) یعنی جب نصیحت اور عذاب الٰہی سے ڈرنے کی بات کو نظر انداز کر دیا تو (أخذنا هم بعذاب بئيس) ہم نے انھیں سنگین عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اور (لما عتوا عما نهوا عنه) جب منع کردہ امور کی بابت سرکشی کا مظاہر کیا تو (قلنا لهم كونوا قردة خاسئين) ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل وخوار بندر بن جاؤ۔ (فجعلنا ها نكالاً لمابين يديها وما خلفها) اور ہم نے اسے ان کے اہل زمانہ کے لیے سبق آموز نصیحت بنا دیا۔ پھر اللہ تعالی نے انھیں ہلاک کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا روز قیامت اللہ تعالی انھیں انسانوں کی شکل میں اٹھائیں گے۔ جن لوگوں نے سنیچر کے روز زیادتی کا ارتکاب کیا ہوگا، انھیں جہنم میں داخل کر دیا جائے گا اور جن لوگوں نے مداہنت سے

کام لیا تھا، ان سے باز پرس ہوگی۔ یہ مسخ صورت دنیا میں سزا دی گئی، کیوں کہ انھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیا تھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مجھ سے عثمان بن اسود نے بہ روایت حضرت عکرمہ بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: لیت شعری ما فعل المداھنون؟ مداہنین نے کیا جرم کیا تھا؟

''عکرمہ کہتے ہیں اس پر میں نے یہ آیت پڑھی: (فلمانسوا ما ذکروا به انجینا الذین ینهون عن السوء وأخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون) اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا خدا کی قسم، یہ ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ پھر مجھے اپنی طرف سے، انھوں نے دو کپڑے اپنے ہاتھوں سے پہنچائے''۔

احمد ابن سندھی بغدادی

تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی ان کی بابت لکھتے ہیں کہ احمد بن سندھی بن فروخ مطرز بغدادی نے یعقوب بن ابراہیم دورقی سے حدیث کی روایت کی اور ان سے عبداللہ بن عدی جرجانی نے روایت حدیث کی ہے۔ خطیب نے مزید لکھا ہے کہ احمد بن سندھی نے، یعقوب سے سماع حدیث ''بصرہ'' میں کیا۔

علامہ سمعانی نے بھی ''کتاب الانساب'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ مجھے ان کا سن وفات معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ ان کے شیخ دورقی کی وفات ۲۵۲ھ میں ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن سندھی مطرز تیسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

سلطان مالدیپ: احمد شنورازہ

جزیرہ مالدیپ کے بادشاہ ''محمد بن عبداللہ'' کا نام قبول اسلام سے پہلے ''شنورازہ'' تھا۔ جب مسلمان ہوگئے تو ان کا نام ''احمد شنورازہ'' رکھ دیا گیا۔ اس کا

تذکرہ مشہور سیاح ''ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔احمد شنورازہ نے حافظ ابوالبرکات بربری مراکشی مالکی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ان کے قبول اسلام کا واقعہ بھی بہت عجیب غریب ہے۔بعض تاریخی روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے شیخ یوسف شمس الدین تبریزیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ان کی زبان میں ان کو ''محد رمونت'' کہا جاتا تھا۔ان کا تفصیلی تذکرہ ''محمد اول بن عبداللہ'' کے تذکرے کے ذیل میں آئندہ کیا جائے گا۔

احمد بن سندھی باغی، رازی

امام ابن ابو حاتم رازی اپنی کتاب ''کتاب الجرح و التعدیل ''میں ابراہیم بن محمد بن ابویحییٰ اسلمی کے تذکرے کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن نے، ان سے احمد بن سندھی رازی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن موسیٰ سے سنا، ان سے عبدالرحمٰن بن حکم بن بشیر نے یہ روایت حضرت سفیان بن عیینہؒ بیان کیا کہ انھوں نے ایک روز فرمایا کہ محمد بن منکدر سے روایت حدیث کرنے والا، مجھ سے زیادہ اب کوئی روئے زمین پر زندہ نہیں رہ گیا۔ان سے عرض کیا گیا کہ ابراہیم بن ابویحییٰ کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ کہنے لگے میری مراد اہل صدق راویوں سے ہے۔

ابوعبداللہ بن محمد حمید رازی کے تذکرے کے تحت لکھتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ابوعمران صوفی کے داماد :عبدک کی دکان پر میں اور احمد بن سندھی گئے۔ اس کے پاس دو جلدیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ جلدیں تمہاری ہیں؟ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا کس سے یہ حدیثیں سنیں؟ بتایا کہ ابوزہیر عبدالرحمٰن بن مغراء سے۔جب دیکھا تو پہلی جلد کے شروع میں ''أحاديث لمحمد بن اسحاق ثم علىٰ أثر

ذالك شيوخ علي بن مجاهد" لکھا ہوا تھا۔ اور دوسری جلد کے شروع میں "أحاديث سلمةبن الفضل" میں نے کہا کہ ایک جلد میں علی بن مجاہد کی اور دوسری میں سلمہ بن فضل کی روایت سے احادیث ہیں تو اس نے کہا نہیں۔ ہم سے یہ حدیثیں ابوزہیر نے بیان کیں۔ اس سے مجھے کچھ حسن غریب احادیث کا علم ہوا۔

جب میں نے اس سے بحث وتکرار کرتا ہوا دیکھا تو دونوں جلدیں اس کے پاس چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد میں اور ابن سندھی ابن حمید کے پاس گئے۔ وہ کہنے لگے کہ چند احادیث ایسی ہیں جن پر اب تک ہماری نظر نہیں گئی ہے اور دو جلدیں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں۔ تو ان جلدوں میں وہی احادیث لکھی ہوئی تھیں جو سابقہ دونوں جلدوں میں نظر سے گزر چکی تھیں اور غریب احادیث بھی موجود تھیں وہ اس جلد کی حدیثوں کی بابت بتانے لگے کہ میں نے "عبدک" سے ذکر کیا تھا کہ یہ علی بن مجاہد عن علی بن مجاہد کی حدیث ہے۔ اور جس کے بادے میں یہ کہا تھا کہ یہ سلمہ بن فضل سے مروی ہیں، انھیں وہ سلمہ ہی سے بیان کرنے لگے۔ اس پر میں نے ابن سندھی سے کہا۔ دیکھئے! یہ وہی احادیث ہیں جنہیں آپ نے عبدک کے پاس دو جلدوں میں دیکھا تھا جب میں ابن حمید کے یہاں واپس ہوا۔ جب کہ میں نے وہ غریب احادیث لکھ لیں جن کا مجھے عبدک سے سماع کی شدید خواہش تھی اور میں نے ابن حمید سے سنا اور عبدک نے میری دوکان پر ان دونوں جلدوں کو دیکھا تو انھیں لے کر چلا گیا۔

ابن حمید رازی نے جتنا کچھ لکھا ہے، اس سے زیادہ کوئی بھی بات مجھے اس عظیم محدث کی بابت معلوم نہ ہوسکی۔ مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث وروایات کے ساتھ انھیں کس قدر شغف تھا اور یہ کہ خراسان کے بڑے علماء وصلحاء میں ان کا شمار تھا۔ لگتا ہے کہ احمد بن سندھی رازی تیسری صدی ہجری کے علماء میں تھے "باغ" ایک بستی کا نام ہے، جو مرو سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھی۔ اسے "باغ

بروزان'' کہا جاتا تھا۔ فضل بن موسیٰ سے روایت کرنے والے مشہور محدث اسماعیل باغی اسی بستی کے رہنے والے تھے۔ (قاضی)

احمد بن سعید مالکی ہمدانی، ابن الہندی

شیخ برہان الدین ابراہیم بن علی یعمری مدنی ''الدیباج المذھب فی اعیان علماء المذھب'' میں احمد بن سعید کی بابت یہ الفاظ لکھتے ہیں: احمد بن سعید بن ابراہیم ہمدانی معروف بہ ابن الہندی۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں علم شروط کے اندر یکتائے روزگار تھے، جس کا اعتراف تمام علمائے اندلس نے بھی کیا۔ علم شروط پر ان کی ایک نہایت اہم کتاب بھی ہے جس میں بہت سے علوم کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اندلس اور مراکش کے حکام اور وثیقہ نویسوں کا اس پر اعتماد تھا۔ اس کتاب میں انھوں نے نہایت سادہ اور سیدھا اندازِ تحریر اختیار کیا ہے۔ ان کی وفات ۳۹۹ء میں ہوئی۔

ابن الہندی کی ایک دوسری تصنیف بھی ہے، جس کا نام ''کتاب الدقائق'' ہے علامہ ابو المطرف عبدالرحمٰن بن مروان قنازعی قرطبی متوفی ۴۱۳ھ نے اس کا اختصار کیا جیسا کہ علامہ یعمری نے اپنی کتاب ''الدیباج المذھب'' میں قنازعی کے تذکرے کے ذیل میں اس کی صراحت کی ہے۔ (قاضی)

احمد ابن عبداللہ زاہد دیبلی نیساپوری

علامہ سمعانی نے ''کتاب الانساب'' میں ان کی بابت لکھا ہے: احمد بن عبداللہ بن سعید ابو العباس دیبلی نے طلب علم کے لیے بہت اسفار کیے، یہ درویش، زاہد و عابد تھے اور ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے دور میں خانقاہ حسن بن یعقوب میں رہائش پذیر رہے۔ ان کی شادی مدینہ داخلہ میں ہوئی اور بچے بھی ہوئے۔ اس

خانقاہ کے اندر ان کے گھر پر نمبر پڑا ہوا تھا۔ پانچوں نمازیں مسجد میں پڑھ کر تب شہر میں اپنے گھر آتے۔ لباس کے لیے اون استعمال کرتے تھے۔ بسا اوقات ننگے پاؤں ہی چل پڑتے۔ انھوں نے بصرہ میں ابوحنیفہ قاضی سے، بغداد میں جعفر بن محمد فریابی سے، مکہ مکرمہ میں مفضل بن محمد جندی اور محمد بن ابراہیم دیبلی سے، مصر میں علی بن عبدالرحمٰن اور محمد بن زیان سے، دمشق میں ابوالحسن احمد بن عمیر ابن جوصا سے، بیروت میں ابوعبدالرحمٰن مکحول سے، حران میں ابوعروبہ حسین بن ابومعشری سے، تستر میں احمد بن زہیر تستری سے، عسکر میں حافظ مکرم بن عبدان بن احمد سے اور نیساپور میں ابوبکر محمد بن خزیمہ اور ان کے ہم عصر علماء سے احادیث کا سماع کیا۔

ان سے حافظ ابوعبداللہ حاکم نے حدیث کا سماع کیا۔ ان کی وفات نیساپور میں رجب ۳۴۳ھ میں ہوئی اور تدفین ''مقبرہ حیرہ'' میں کی گئی۔

احمد بن قاسم معدّل، بیّع ابن سندھی بغدادی

خطیب تاریخ بغداد میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: احمد بن القاسم بن سیماء ابوبکر البیع، ویعرف بابن السندی۔ خطیب مزید لکھتے ہیں کہ انھوں نے احمد بن محمد بن اسماعیل آدمی اور اسماعیل محمد صفار سے حدیث بیان کی اور ان کی روایت سے، مجھ سے عبدالعزیز بن علی ازجی نے بتایا کہ ابن سندھی معدّلین میں سے ایک تھے۔

احمد بن قاسم ابن السندی چوتھی صدی ہجری کے ہیں ''معدّل'' اس شخص کو کہا جاتا تھا جو مقدمہ کے وقت قاضی کے روبرو لوگوں کی عدالت کی شہادت دیتا اور قاضی کو ان کے حالات سے باخبر کرتا تھا۔ معدلین لوگوں کے نام اور صفات اپنے رجسٹر میں قلم بند کرلیا کرتے اور یہ ذمہ داری انھیں حکومت کی طرف سے دی جاتی تھی ''بیّع'' اس شخص کو کہا جاتا تھا جو بائع اور مشتری کے درمیان، منڈیوں میں ثالثی کا فریضہ انجام دیتا اور دلالی کیا کرتا تھا۔ (قاضی)

احمد بن محمد ابوبکر، منصوری بکرآبادی

حافظ ابوالقاسم سہمی اپنی کتاب ''تاریخ جرجان'' میں ان کی بابت لکھتے ہیں: ابوبکر احمد بن محمد المنصوری، الفقیہ، البکر ابادی۔ انھوں نے ابوبکر اسماعیل اور حافظ ابن عدی سے روایت کی۔ ۲۹؍جمادی الاول ۴۲۲ھ میں بروز پیر وفات ہوئی اور تدفین اگلے روز منگل کو ہوئی۔

احمد بن محمد کرابیسی ہندی

ملا کاتب چلپی نے ''کشف الظنون'' میں ان کی بابت صرف اتنا لکھا ہے کہ احمد بن محمد کرابیسی ہندی کی ''کتاب الوصایا'' ہے ''المتوفی'' لکھ سن وفات ذکر نہیں کیا ہے۔

مؤلف عرض گزار ہے کہ نہ تو کاتب چلپی نے ان کا سن وفات ذکر کیا اور نہ ہی مجھے اس سے زیادہ معلومات ان کی بابت مل سکیں۔ ان کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ احمد بن محمد صاحب تصنیف اور عظیم المرتبت فقیہ تھے اور متقدمین میں سے تھے ''کرابیسی'' سوتی کپڑوں کی تجارت کرنے والے کو کہا جاتا تھا۔ بہت سے علماء اس پیشے سے وابستہ رہے ہیں اور وہ سب ''کرابیسی'' کی نسبت سے مشہور ہو گئے۔ (قاضی)

حافظ احمد بن محمد زاہد، دیبلی مصری

امام سبکی ''طبقات الشافعیة الکبری'' میں لکھتے ہیں حافظ احمد بن محمد، ابو عباس دیبلی زاہد، مصر میں سکونت پذیر تھے۔ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ ابوالعباس نسوی نے اپنی کتاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ فقیہ تھے، معلومات اچھی تھیں، شافعی المسلک تھے۔ کپڑوں کی سلائی کر کے روزی روٹی کماتے تھے۔

ایک کرتا ایک درہم اور دو دانق میں سیتے اور ان کا گزر بسر اسی پر تھا، چاہے گرانی ہو یا ارزانی۔ انھوں نے مصر میں کسی سے ایک گھونٹ پانی تک نہیں مانگا۔ یہ صاحب کشف وکرامت اور حال وقال کے مالک بزرگ تھے۔ ان کی وفات کے وقت ابوالعباس نسوی اور ابوسعید مالینی موجود تھے۔ ان دونوں نے روح کے قفس عنصری سے پرواز کرنے تک ان کی تلاوت قرآن پاک کی بابت عجیب وغریب باتیں بتائیں۔ ۳۷۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ ''دیبلی'' سے مراد ''ادب القضاء'' کے مصنف ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ ادب القضاء کے مصنف کا نام علی بن احمد ہے اور ان کا احمد بن محمد نیز ''کتاب الانساب'' للسمعانی میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں ہے۔

صاحب تذکرہ احمد بن محمد اور ''ادب القضاء'' کے مصنف علی بن احمد دونوں ''دیبل'' کے رہنے والے تھے۔ ان شاء اللہ علی بن احمد دیبلی کے تذکرے میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔ (قاضی)

احمد بن محمد بن حسین ابوالفوارس ابن السندی مصری

علامہ سیوطی نے ''حسن المحاضرۃ فی أخبار مصر والقاھرۃ'' میں مصر کے ان محدثین کے ذیل میں جو علو اسناد میں حفاظ حدیث اور منفردین کے درجے تک نہ پہنچ سکے، احمد بن محمد کا تذکرہ اس طرح سے لکھا ہے: ابوالفوارس الصابونی احمد ابن محمد حسین بن السندھی، الثقۃ، المعمر، مسند دیار مصر۔ مزید لکھا ہے کہ انھوں نے یونس بن عبداللہ اور علی امام مزنی اور دوسرے کبار محدثین سے روایت کی اور ان سے ابن نظیف نے روایت حدیث کی۔ ۶۵ رسال کی عمر میں شوال ۳۴۹ھ میں ہوئی۔

ابن العماد حنبلی نے بھی ''شذرات الذھب'' کے اندر ان کا تذکرہ کرتے

ہوئے سیوطی کی یہ عبارت نقل کی ہے۔علامہ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حافظ عسال متوفی ماہ رمضان ۳۴۹ھ کے حالات کے ذیل میں ان کی بابت لکھا ہے کہ اسی سال ان کے ساتھ، مسند مصر ابوالفوارس احمد بن محمد بن حسین بن سندھی صابونی کی بھی ۶۵؍سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ پھر حافظ ابوزرعہ رازی صغیر کے تذکرے کے ضمن میں لکھا ہے کہ ابوزرعہ نے ابوالفوارس سندھی سے سماع حدیث کیا ہے۔ بعد ازاں حافظ ابوولید نیساپوری متوفی ۳۴۴ھ کی حیات وخدمات پر لکھتے ہوئے فرمایا کہ اسی سال احمد بن حسین بن سندھی کا بھی انتقال ہوا اور دیار مصر کے محدث حافظ ابومحمد ربیع بن سلیمان مرادی، تلمیذ امام شافعیؒ کے حالات کے ضمن میں لکھا کہ انھوں نے ابوالفوارس سندھی سے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔

حافظ ذہبی ''میزان الاعتدال'' کے اندر سلامہ بن روح آئلی کے تذکرے کے تحت لکھتے ہیں کہ ہم سے محمد بن حسین نے، ان سے محمد بن عمار نے، ان سے ابن رفاعہ نے، ان سے خلعی نے، ان سے احمد بن محمد بن الحاج نے، ان سے احمد بن محمد بن سندھی نے املاءً، ان سے محمد بن عزیز نے، ان سے سلامہ بن روح نے، ان سے عقیل نے بواسطہ امام زہری حضرت انسؓ سے یہ حدیث بیان کی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''أکثر أهل الجنة بله'' اس حدیث کو ابن عدی نے چودہ رواۃ سے روایت کیا ہے۔

تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی، موئل بن اہاب متوفی ۷؍رجب ۲۲۴ھ کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے صوری نے لفظاً، ان سے ابوالعباس احمد بن محمد الحاج اشبیلی نے مصر میں، ان سے احمد بن حسین سندھی نے، ان سے محمد بن عمر بن حسین نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے علی بن محمد ابوسلیمان نے بیان کیا کہ:

''موئل بن اہاب، رملہ آئے تو اصحاب حدیث ان کے پاس جمع ہوگئے، موئل گھبرائے ہوئے تھے اور منع کررہے تھے۔ جب ان لوگوں نے اصرار کیا تب بھی حدیث بیان کرنے سے انکار کردیا۔ تب یہ سارے کے سارے لوگ دو جماعتیں

بنا کر سلطان کے پاس گئے۔ اس سے جا کر کہا کہ ہمارا ایک غلام ہے، جس کے اوپر ہماری تعلیم وتربیت کا احسان ہے۔ اس نے پہلے تعلیم وتربیت حاصل کی اور بہت بہتر طور پر حاصل کی اب نوبت اس کی آ گئی کہ ہم قلم دوات لے کر طلب حدیث کے لیے جمع ہوئے۔ ہم نے اسے فروخت کرنا چاہا، مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ مجھے آپ حضرات کی بات کی صداقت کا علم کیسے ہو؟ انھوں نے عرض کیا محل کے دروازے پر حاملین حدیث، طالبان علم اور ثقہ حضرات کی ایک جماعت موجود ہے، ان سب لوگوں کو اس بات کا علم ہے، آپ کے لیے انھیں دیکھ لینا ہی تصدیق کی بابت کافی ہوگا، معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی''۔

''آپ انہیں اندر آنے کی اجازت دیں، تاکہ ان سے تصدیق فرما سکیں۔ چنانچہ اندر بلا کر ان کی بات سنی اور موئل کے پیچھے پولیس اہل کاروں کو بھیجا کہ انھیں بادشاہ کے پاس لے کر آئیں۔ موئل نے معذرت کی تو کھینچتے اور گھسیٹتے ہوئے لے کر آئے اور ان سے کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم بھاگنا چاہتے ہو۔ موئل ان پولیس والوں کے ہمراہ سلطان کی خدمت میں پہنچے۔ جب اندر پہنچے تو بادشاہ نے ان سے کہا، بھاگنا تمھیں کچھ کام نہ آئے گا اور انھیں قید کر دینے کا حکم دیا، چنانچہ قید کر دیے گئے''۔

موئل شکل وصورت کے اعتبار سے زرد رنگ، لمبے، ہلکی ڈاڑھی کے اہل حجاز کے غلاموں کی طرح لگتے تھے۔ یہ عرصہ تک قید میں رہے، تا آں کہ ان کے بھائیوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے سلطان کے پاس آ کر کہا موئل بن اہاب آپ کی قید میں بے قصور بند ہیں۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا موئل پر ظلم کس نے کیا؟ بھائیوں نے عرض کیا آپ نے۔ اس پر سلطان نے کہا نہ اس کی بابت مجھے کچھ معلوم ہے نہ میں موئل کو جانتا ہوں کہ وہ کون ہیں کیا ہیں؟ بھائیوں نے بتایا کہ بہت سے لوگوں نے ان کے گرد جمع ہو کر یہ کہا تھا کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے۔ جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ غلام نہیں بلکہ حدیث کے امام ہیں۔ تب بادشاہ نے ان کی رہائی کا حکم دیا اور ان سے ان کی بابت معلومات کیں تو

انھوں نے وہی بات بتائی جوان کے بھائیوں نے بادشاہ سے کہی تھی۔اس پر سلطان نے انھیں واپس جانے کے لیے کہا اور درخواست کی کہ ان سے دیر تک نفع اٹھانے دیں۔اس واقعہ کے بعد موئل نے بھی تاحیات اس طرح انکار نہ کیا۔

احمد قاضی بن صالح تیمی داؤدی منصوری

ابن ندیم ''الفھرست'' میں ان کی بابت لکھتے ہیں کہ منصوری سے مراد احمد بن صالح ہیں۔ یہ داؤد ظاہری کے مسلک پر عامل تھے اور اس حلقے کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے۔ان کی کئی ایک اہم اچھی اور بڑی کتابیں بھی ہیں، جن میں کتاب المصباح الکبیر، کتاب الہادی اور کتاب النیر شامل ہیں۔

ابواسحاق شیرازی ''طبقات الفقھاء'' میں رقم طراز ہیں کہ قاضی ابوالعباس احمد بن منصور کتاب النیر کے مصنف ہیں۔انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام سے علم حاصل کیا، حصول علم کی خاطر بغداد گئے، پھر ''منصور'' واپس آئے۔

شیرازی کی عبارت میں حذف و اضافہ ہے۔اصل میں احمد بن محمد بن صالح منصوری ہونا چاہیے تھا۔اسی طرح ''منصورہ'' کے آخر کی تائے مدورہ بھی اس میں ساقط ہوگئی ہے۔علامہ مقدسی بشاری اپنی کتاب ''احسن التقاسیم'' کے اندر سندھ کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں: اہل سندھ کا مسلک عام طور پر اصحاب حدیث کا مسلک ہے۔ البتہ مجھے قاضی ابومحمد منصوری، داؤدی مسلک کے پیروکار بلکہ امام نظر آئے۔ان کا حلقۂ درس بھی ہے اور کئی ایک کتابیں بھی، انھوں نے متعدد اچھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔(قاضی)

حموی ''معجم البلدان'' میں سندھ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اہل سندھ میں ایک فقیہ ہیں، جن کی کنیت ابوالعباس ہے، جو داؤد ظاہری کے مسلک کے ہیں۔اس مذہب پر ان کی کئی کتابیں ہیں یہ ''منصورہ'' کے قاضی تھے اور وہیں کے رہنے والے بھی۔

امام ذہبی ''میزان الاعتدال'' میں فرماتے ہیں: قاضی احمد بن محمد بن صالح بن عبدویہ منصوری ''منصورہ'' کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ابوروق حضرانی سے ایک موضوع حدیث روایت کی جوان کے لیے آفت بن گئی۔ ہم نے اس بات کا تذکرہ ابوروق کے ترجمے کے ذیل میں کردیا ہے، ابوروق کے تذکرے میں لکھتے ہیں: میری رائے میں ابوروق ''صدوق'' ہیں۔ مگر ان سے ابوالعباس منصوری نے روایت کی، ان سے امادی نے بیان کیا، ان سے عبدالرزاق نے، ان سے عمر نے، ان سے زہری نے، ان سے علی بن حسین نے اور انھوں نے اپنے دادا حضرت علیؓ سے مرفوعاً بیان کیا ''اوّل من قاس ابلیس فلاتقیسوا'' سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا، اس لیے تم لوگ قیاس مت کرو۔ اس روایت کی ساری ذمہ داری ''منصوری'' پر جاتی ہے جو کہ ظاہری المسلک تھے۔

امام سمعانی ''انساب'' میں لکھتے ہیں: قاضی ابوالعباس احمد بن صالح تیمی منصوری ''منصورہ'' کے رہنے والے تھے۔ کچھ دنوں عراق میں بھی سکونت پذیر رہے۔ جن علماء کو میں نے دیکھا ان میں سب سے زیادہ ظریف اور بذلہ سنج تھے۔ انھوں نے فارس میں ابو العباس ابن الاثرم سے اور بصرہ میں ابوروق ہراتی سے سماع حدیث کیا ہے۔

احمد بن محمد بن صالح تیمی منصوری چوتھی صدی ہجری کے تھے۔ کیوں کہ مقدس کی سندھ آمد ۳۷۵ھ کے آس پاس ہوئی ہے۔ ان کی احمد بن محمد سے ''منصورہ'' میں ملاقات ہوئی، مگر اس نے ان کی کنیت ''ابومحمد'' ذکر کی، جب کہ دوسرے لوگ ''ابوعباس'' لکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی دو کنیتیں رہی ہوں یا یہ کہ مقدس سے سہو ہوگیا ہو۔ منصوری کی نسبت سندھ کے ایک مشہور شہر ''منصورہ'' کی طرف ہے، جہاں بہت سے علماء پیدا ہوئے ہیں۔ تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نسبت شہر کی طرف نہ ہو بلکہ ''منصورہ'' نامی کسی امیر کبیر یا بادشاہ کی جانب ہو۔ (قاضی)

لیکن جہاں تک تمیمی کی نسبت کا تعلق ہے تو یہ قبیلہ بنی تمیم کی طرف نسبت ہے

جو صاحب تذکرہ سندھ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہاں یہ کافی پھیل گئے تھے ''تمیم'' کے املاء میں کچھ تصحیف ہو گئی، چناں چہ سندھی زبان میں اسے ''التھیم'' کہا جاتا ہے، جیسے کہ بنی مغیرہ کو ''مدیرہ'' مکران اور سندھ کے علاقے میں، قبیلہ بنی تمیم کے مجاعہ بن مسعر تیمی، سب سے پہلے آئے۔ انھیں حجاج بن یوسف نے مکران اور حدود سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ انھوں نے آ کر حملہ کیا تو ''قندابیل'' کے بہت سے حصے کو فتح کر کے بہت سارا مال غنیمت بھی حاصل کیا۔ ان کی وفات، مکران پہنچ کے ایک سال بعد ہی وہیں ہوئی۔ ایک شاعر ان کی بابت کہتا ہے:

مامن مشاهِدِكَ الّذِى شَاهَدتَهَا ❁ الايُزيّنكَ ذِكرُهاَ مجاعا

''تیرے جو مناظر میں نے دیکھے ہیں۔ ان کے مجاعہ کے سامنے تذکرے سے تمھیں زینت حاصل ہو گی''۔

یزید بن عبدالملک نے سندھ میں بنی مہلب کی سرکوبی کے لیے ہلال بن احوز تمیمی کو بھیجا جس نے آ کر انھیں قتل کر دیا اور اموی دور میں سندھ کا گورنر تمیم بن زید عتبی کو بنایا گیا۔ مگر یہ کمزور ثابت ہوئے۔ ان ہی کے دور امارت میں مسلمان ہندوستان میں اپنے مرکزی علاقوں سے نکل کر دوسری جگہ چلے گئے اور تیسری صدی ہجری تک واپس نہ آئے۔ تمیم بن زید کی وفات ''دیبل'' کے نزدیک ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ سندھ میں جو تمیمی ہیں، وہ انہی حکمرانوں اور گورنروں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ (قاضی)

قاری احمد بن ہارون دیبلی رازی بغدادی

خطیب بغدادی، ان کی بابت لکھتے ہیں کہ ابوبکر احمد بن ہارون بن سلیمان بن علی حربی نے جو کہ رازی اور دیبلی سے مشہور ہیں، جعفر بن محمد فریابی اور ابراہیم بن شریک کوفی سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حسنون بن ہیثم دویری سے قرآن کریم حفص کی روایت کے ساتھ، بطریق ہبیرہ بن محمد عاصم کی

قراءت سے پڑھا۔ ان سے احمد بن علی باوا نے روایت کی اور ان کی روایت سے، ہم سے ابو یعلی دو مانقالی اور قاضی ابو علاء واسطی نے حدیث بیان کی۔ قاضی ابو علاء ان کی روایت سے امام عاصم کی قراءت روایۃً اور تلاوۃً سند بیان کرتے تھے۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن نعالی نے، ان سے احمد بن محمد بن ہارون رازی حزلی نے، ان سے جعفر بن محمد فریابی نے، ان سے محمد بن عابد نے، ان سے ہیثم بن حمید نے، ان سے علاء بن حارث اور ابو وہب نے، ان دونوں نے مکحول سے بہ روایت ابواسماء رحبی، حضرت ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ:

"قال ثوبان :بين أنا أمشي مع رسول الله ﷺ إذ مرّ برجل يحتجم بعد ما مضى من شهر رمضان ثماني عشر، فقال رسول الله ﷺ: أفطر الحاجم والمحجوم".

"حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہم راہ چل رہا تھا کہ آپ ﷺ کا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو اٹھارہ رمضان کو پچھنا لگوا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پچھنا لگانے والے اور پچھنا لگوانے والے دونوں نے افطار کرلیا"۔ (روزہ ٹوٹ گیا)

مزید لکھتے ہیں ہم سے ابوبکر محمد بن علی المقری خیاط نے، ان سے ابوحسین احمد بن عبداللہ بن خضر سنجروی نے بیان کیا کہ میں نے ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون مؤدب، معروف بہ رازی سے معلوم کیا کہ آپ نے قرآن کس سے پڑھا؟ تو فرمایا کہ ابوربیع عامر بن عبداللہ بن عبدالبر سے، انھوں نے ابوعلی حسنون سے پڑھا، مگر ابوعلی کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ ان حاضرین مجلس میں سے کسی نے مجھ سے کہا کہ انھوں (حسنون) نے، ہمارے علاقے کے ایک عالم سے، جو رازی کے لقب سے مشہور ہیں، قرآن پڑھا اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ اس نے بھی حسنون سے پڑھا ہے، مگر وہ شخص کون تھا اس وقت معلوم نہ ہوسکا۔ جب گھر واپس آکر اس کی بابت معلوم کیا تو بتایا گیا

کہ وہ ابن ہارون تھے۔ ایک روز وہ میرے پاس آگئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا ابوبکر! آپ نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے ابوربیع سے پڑھا ہے اور ابوربیع نے حسنون سے؟ اس پر انھوں نے کچھ دیر کے لیے سر جھکائے رکھا اس کے بعد فرمایا (وإن يك كاذبا فعليه كذبه) ابوحسین فرماتے ہیں کہ پھر میری ملاقات، مقری ابوحفص عمر بن احمد آجر سے ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ ابن ہارون کا کہنا ہے کہ میں نے (ابن ہارون) نے حسنون سے پڑھا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے "انا لله وانا اليه راجعون" پڑھا۔ چنانچہ میں باقرحی کی مجلس کے حاضرین میں سے، جن لوگوں نے حسنون سے پڑھا تھا، ان کے پاس آکر انھیں یہ بات بتائی تو وہ رک گئے۔

خطیب لکھتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابوعلاء محمد بن یعقوب نے بیان کیا کہ میں نے ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن سلیمان بن علی دیبلی رازی سے ان کی تاریخ پیدائش دریافت کی تو انھوں نے ۲۷۵ھ بتائی جب کہ ان کا انتقال ۳۷۰ھ میں ہوا۔ چناں چہ کچھ دنوں کے بعد قاضی ابوعلاء کی کتاب میں انہی کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا کہ احمد بن محمد بن ہارون حربی کی وفات بروز پیر ۲۱رجب ۳۷۰ھ میں ہوئی۔

علامہ ابن الجزری "غاية النهاية في طبقات القراء" میں لکھتے ہیں کہ احمد بن محمد بن ہارون بن علی، ابوبکر دیبلی بغدادی، معروف بہ "ہبیری" مشہور ومعروف قاری ومجود تھے۔ ابن جزری کا بیان ہے کہ انھوں نے فضل بن شاذان سے قرآن پڑھا اور علامہ ہبیرہ کے شاگرد، حسنون بن ہیثم سے ۲۸۹ھ میں تین ختم قرآن کی قراءت عرضاً روایت کی۔ اس کا انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے عامر بن عبداللہ سے انہی کی روایت سے پڑھا ہے اور ان سے قاضی ابوعلاء محمد بن یعقوب واسطی نے بھی پڑھا ان کا انتقال رجب ۳۷۰ھ میں ہوا۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالباقی بن حسن ہی کا نام محمد بن احمد بن ہارون ہے اور علامہ دانی نے ان کے حسنون سے عرضاً پڑھنے کو ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

میرا (ابن الجزری کا) خیال ہے کہ علامہ دانی نے جس حسنون سے انکا پڑھنا ثابت کیا ہے ان کا نام محمد بن احمد بن ہارون رازی ہے دوسرے شخص ہیں وہ حسنون تو ثقہ، مامون ہیں، لیکن ان کی بابت خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ قراءت میں یہ مقبول نہیں تھے۔ قاضی ابوعلاء فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے ان کی تاریخ پیدائش معلوم کی تو ۵۷ ربتائی اور یہ کہ میں نے حسنون سے ۸۹۔۸۸ھ میں پڑھا ہے۔ اس ابن ہارون کی وفات بروز پیر ۲۳ ر رجب ۳۷۰ھ کو ہوئی۔

قاضی احمد بن نصر بن حسین، دیبلی موصلی انباری

مشہور مورخ اور جغرافیہ نگار علامہ حموی ''معجم البلدان'' کے اندر ''انبار'' کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ بہت سے علماء و مصنّفین انبار کی طرف منسوب رہے ہیں۔ ان میں متاخرین علماء میں قاضی احمد بن نصر بن حسین ابوعباس موصلی معروف بہ دیبلی بھی ہیں جو اصلاً انبار کے باشندے ہیں۔ یہ مشہور شافعی فقیہ تھے۔ جب یہ بغداد آئے تو بغداد کے قاضی القضاۃ ابوالفضائل قاسم بن یحییٰ شہزوری نے انھیں قصر دارالخلافہ میں قضاء کے سلسلے میں اپنا نائب مقرر کیا۔ یہ بہت نیک پرہیز گار، دین دار اور نیکوکار تھے۔ پرہیز گاری، دین داری اور ناجائز معاملات میں فیصلہ دینے سے انکار کرنے کے حوالے سے، ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ انھوں نے ایسے بہت سے احکام رد کردیے جن کا رد کرنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ حق کے تئیں یہ کسی کی مذمت اور ملامت کی مطلق کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ میرے اوپر تو ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اور وہ یہ کہ انھوں نے ازراہ ہمدردی وشفقت مجھے میرا ایک حق دلایا، حالاں کہ نہ تو ان سے میرا کوئی تعارف تھا اور نہ ہی کسی نے سفارش کی تھی، بلکہ محض حق کی خاطر انھوں نے فریق مخالف کو سمجھایا بجھایا اور نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو اور فہمائش کی۔ بالآخر اس نے جو بات حق تھی، اس کا اقرار کرلیا۔

یہ نیابت قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے اور جب ابوالفضائل قاضی القضاۃ کے عہدے سے برطرف کردیے گئے تو یہ بھی از خود الگ ہوگئے اور ''موصل'' واپس آگئے جہاں ۹۸ ھ میں انتقال فرمایا۔

''انبار'' دریائے فرات کے ساحل پر بغداد سے مغرب میں واقع ہے۔ بغداد اور انبار کی مسافت دس فرسخ ہے۔ نیز ''انبار'' نام کی دوسری آبادی بھی ہے جو ''بلخ'' کے نزدیک واقع اور جوزجان کے اطراف میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ مگر تاریخی کتابوں میں دریائے ''فرات'' کے ساحل پر واقع شہر ہی ''انبار'' کے نام سے مشہور ہے اور صاحب سوانح کا تعلق بھی اسی انبار سے تھا۔ (قاضی)

آنکو ہندی

ابن الندیم ''الفہرست'' میں فرماتے ہیں کہ علمائے ہند میں جن کی طب ونجوم میں تصنیفات مجھ تک پہنچی ہیں، ان میں سے ایک آنکو ہندی بھی ہیں۔

''آنکو'' قدیم ہندوستان کے اہل علم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ان کا اور ان جیسے دوسرے لوگوں کا تذکرہ ازروئے احاطہ کردیا گیا ہے۔ عرب حکم رانوں میں سے جن حضرات نے ہندوستان کے معاملات وحالات سے دلچسپی لی، ان میں یحیٰی برمکی اور بعض دوسرے برامکہ ہیں۔ انھوں نے خلیفہ ہارون رشید کے قائم کردہ ''بیت الحکمۃ'' میں جسے مامون رشید نے مزید فروغ اور ترقی دی، ہندوستانی اطباء اور دانش وروں کو بلایا اور ان کے علوم وتصانیف سے بھرپور دلچسپی لی۔ تاتاریوں نے ۶۵۶ ھ میں دوسرے علمی اداروں اور کتب خانوں کی طرح ''بیت الحکمۃ'' کو بھی تاخت وتاراج اور تباہ وبرباد کردیا۔ (قاضی)

ابان بن محمد اخباری، سندھی کوفی بغدادی

ان کی بابت ''معجم المصنّفین'' کے الفاظ یہ ہیں: ابان بن محمد سندھی، بجلی،

بزاز، معروف بہ سندھی، بغدادی، قدیم علمائے عراق میں شمار ہوتے ہیں۔ اس بات کا تذکرہ حافظ نے "لسان المیزان" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابان بن محمد بجلی کوفی، معروف بہ سندھی کا ذکر "نجاشی" نے شیعہ علماء میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ "کتاب النوادر" نامی ایک کتاب کے وہ مصنف بھی ہیں۔ حافظ نے بس اتنا ہی لکھا ہے۔ معجم المصنفین کے مؤلف کہتے ہیں کہ ان کے حالات کی بابت بہت اختلافات پائے جاتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت چنداں شہرت یافتہ نہیں تھی۔ چناں چہ محمد بن اسماعیل "منتهیٰ المقال" میں (حرف سین) کے تحت سندی بن ربیع بغدادی نام لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انھوں نے ابوالحسن موسیٰ سے روایت حدیث کی ہے۔ ان کی ایک کتاب بھی ہے جس کی روایت ان سے صفوان بن یحییٰ وغیرہ نے کی۔ مگر حاشیہ میں "ربیع" کی جگہ "محمد" کا لفظ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ سندی بن محمد کا نام ابان تھا اور کنیت ابو بشر، ان کا تعلق قبیلۂ جہینہ سے تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبیلۂ بجیلہ سے تعلق تھا اور یہی بات زیادہ مشہور بھی ہے۔ یہ صفوان بن یحییٰ کے بھانجے تھے۔ ہمارے کوفی علماء میں ثقہ اور باحیثیت تھے "کتاب رجال الهادی" میں مذکور ہے کہ سندھی بن محمد علی بن محمد کے بھائی تھے۔ نیز یہ کہ جن رواۃ نے ائمہ سے روایت نہیں کی ہے، ان میں ایک سندھی بن محمد بھی ہیں ان سے صفار نے روایت کی۔ میں کہتا ہوں کہ سندھی بن ربیع کی بابت گزر چکا جیسا کہ ایک نسخے میں ہے کہ یہ ان میں شامل ہیں، جنھوں نے ائمہ سے روایت نہیں کی۔ (انتہی)

کتاب مذکور ہی کے اندر "حرف عین" کے تحت ان کے بھائی علی بن اسماعیل کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے کہ انھیں علی بن سندھی کہا جاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ اسماعیل سندھی ہیں "کشی" کے حوالے سے کہا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح لفظ "سدی" ہے پھر علی بن سدی کوفی لکھ کر کہا ہے کہ انھوں نے ابوعبداللہ سے روایت کی ہے۔ اس میں بھی کشی کا ہی حوالہ دیا ہے۔ آگے

لکھا ہے کہ نصر بن صباح بن علی بن اسماعیل ثقہ ہیں اور یہی علی بن سدی ہیں۔ اسماعیل کا لقب سدی بیان کر کے لکھا ہے کہ علی بن سندی کی بابت ابھی گزرا ہے کہ وہ علی بن اسماعیل بن عیسیٰ ہیں۔ اس سے کچھ ہی پہلے یوں لکھا ہے کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علی بن محمد خزار سندی ہی علی بن سندی ہیں۔ جب کہ ''حرف حاء'' کے ضمن میں انھیں کے بارے میں لکھا ہے: حسن بن سدی کاتب عبدی انباری معروف بہ ''الکاتب''۔ میرا خیال ہے کہ آیندہ جملے سے یہ جملہ بظاہر ملتا جلتا ہے، چناں چہ بعد میں لکھتے ہیں حسن بن سدی کوفی، کاتب اور ثقہ ہیں۔ انھوں نے اور ان کے بھائی علی دونوں نے ابوعبداللہ سے روایت کی۔ ان کی ایک کتاب بھی ہے۔

''حرف الف'' کے ذیل میں لکھا ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابوکریمہ سدی، ابومحمد قرشی سری کوفہ کے رہنے والے تھے (جب کہ یہ مشہور مفسر علامہ سدی کبیر کا نام ہے) اس کے باوجود علی بن سدی کوفی کے حالات میں لکھا ہے کہ بہتر بات یہ ہے کہ یہ سری ہے نہ کہ سدی اور یہی ہونا چاہیے اور وہی اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابوکریمہ سندی ہیں۔ جب کہ علی بن سندی کے ترجمے میں رقم طراز ہیں کہ یہ علی بن اسماعیل بن عیسیٰ بن فرخ سندی، مولی علی بن یقطین ہیں، یہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ اس وجہ سے ان کی اولاد بھی ''سندھی'' کے لقب سے مشہور ہوگئی، انھیں میں سے ایک اسمٰعیل بھی ہیں جنہیں صرف ''سندی'' کے لقب سے ہی یاد کیا جاتا ہے (انتهى المقال منتخباً من التراجم)۔

مؤلف کتاب کی رائے ہے کہ ان مذکورہ تراجم میں کئی اعتبار سے تضاد اور اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۱۔ سری ہیں یا سدی۔ ۲۔ ان کا لقب اسماعیل بن عبدالرحمٰن تھا یا اسماعیل بن عیسی یقطین کہ ان کی اولاد: ابان، علی اور حسن بھی اسی لقب سے مشہور ہوئے؟ ۔۳۔ زیر تذکرہ ابان، ابان بن محمد ہیں یا ابان بن اسماعیل؟ پھر یہ ابان بن اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابوکریمہ سدی ہیں یا ابان بن اسماعیل بن عیسی

یقطین؟ غرض کہ یہ ایسے تضادات ہیں جن میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

علاوہ ازیں اگر صاحب تذکرہ نے ابوالحسن موسی کاظمی سے روایت حدیث کی ہے تو وہ تیسری صدی ہجری کے ہیں۔ واللہ اعلم۔ جب کہ میں نے ''نجاشی'' کے تلامذہ کی بابت دیکھا کہ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد بن ابان بجلی ہی ''سندی یا بزازی'' سے مشہور ہیں جیسا کہ مجھ سے قاضی ابوعبداللہ جعفی نے، ان سے احمد بن سعید نے اور ان سے محمد بن احمد تلانسی اور محمد بن تلانسی نے ابان بن محمد سے ان کی کتاب ''کتاب النوادر'' کی روایت کی۔ یہی ابان، صفوان بن یحیی کے بھانجے ہیں جیسا کہ ابن نوح نے فرمایا ہے انتہی۔

شیخ ابوجعفر طوسی ''باب کنی الفہرست'' میں لکھتے ہیں کہ ابوالفرح سندی کی ایک کتاب بھی ہے۔ یہ بات ہم سے ایک جماعت نے بہ روایت تلعکبری بتائی۔ انھوں نے ابوہمام سے، انھوں نے حمید سے، انھوں نے قاسم بن اسماعیل سے، انھوں نے احمد بن رباح سے اور انھوں نے خود ابان سے۔ علامہ طوسی ''حرف سین'' کے تحت لکھتے ہیں کہ سندی بن محمد کا نام ابان اور کنیت ابوالبشر ہے، قبیلہ جہینہ اور بقول بعض قبیلہ بجیلہ کے رہنے والے تھے اور یہی بات زیادہ مشہور ہے۔ یہ صفوان بن یحیٰ کے بھانجے تھے۔ ہمارے علمائے کوفہ میں ثقہ اور باحیثیت سمجھے جاتے تھے، ان کی ایک کتاب بھی ہے ہم سے یہ بات کئی ایک لوگوں نے ابوالمفضل کے حوالے سے، انھوں نے ابوبطہ کے حوالے سے، انھوں نے صفار کے حوالے سے، انھوں نے احمد بن عبداللہ کی روایت سے اور انھوں نے خود سندی بن محمد کے حوالے سے بیان کی۔ (انتہی)

الفہرست ''میں حرف سین'' سے نقل کرتے ہوئے ''منتھی المقال'' کے خلاصے میں ''حرف الف'' کے تحت یہ بات ذکر کی گئی ہے۔ اس میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ ان کی ایک تصنیف ہے ''کتاب النوادر'' ان سے محمد بن علی بن محبوب نے روایت کی ہے اور حرف سین اور ''الکنی'' کے ضمن میں اس کا ذکر آرہا ہے۔ جب کہ

"کتاب المشترك" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن محمد بجلی معروف بہ سندی ثقہ ہیں۔ان سے احمد بن محمد قلانسی، محمد بن علی بن محبوب صفار اور احمد بن ابوعبداللہ نے روایت کی۔ جب اطمینان کرنا مشکل ہو جائے جیسے کہ ابان بن علی بن حکم کے ابان سے روایت کی بابت تو روایت اس کے مسلک پر موقوف ہو جائے گی جو بعد میں ہو۔ کیوں کہ "ابان" انیس آدمیوں کے ناموں میں مشترک ہے۔ان میں کے ایک یہ ابان ثقہ بھی ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے بھی یہ مان کر کہ خثعمی کو "کوفی" کے علاوہ دوسرا شخص سمجھا جائے۔انتہی۔ پھر اسی خلاصے میں "حرف سین" کے تحت ان کا تذکرہ ہے۔اس میں کنیت "الخلاصہ" کے حوالے سے ابوبشر مذکور ہے اور لکھا ہے کہ صحیح کنیت ابوبشر ہے بغیر یاء کے، بعدازاں "الکنی" کے ذیل میں بھی ابوبشر ہی لکھا ہے(۱)۔

ابراہیم بن علی بن سندھی

انھوں نے محمد بن عبداللہ یزید مقری سے روایت کی ہے اور ان سے عبداللہ بن محمد نے امام ابونعیم اصفہانی "حلیة الاولیاء" کے اندر حضرت شفی بن مانع اصبحی کے حالات کے تحت لکھتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن محمد نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم بن علی بن السندی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عبداللہ بن یزید مقری نے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مروان بن معاویہ نے بیان کیا، انھوں نے اسماعیل بن عیاش سے، اسماعیل بن عیاش نے ثعلبہ بن مسلم خثعمی سے، انھوں نے ایوب بن بشر عجلی سے، انھوں نے شفی بن مانع اصبحی سے اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أربعة يؤذون أهل النار على مابهم من الأذى يسعون مابين

---

(۱) حضرت قاضی صاحبؒ نے ان تضادات اور اختلافات کی بابت کوئی تبصرہ نہ کرتے ہوئے آخر میں اتنا لکھا ہے کہ اگر "ابان" کا سندھی ہونا ثابت ہو جائے تو علی اور حسن بھی سندھی مانے جائیں گے۔(ع.ر.بستوی)

الحميم والجحيم، يدعون بالويل والثبور. ويقول أهل النار بعضهم لبعض:مابال هؤلاء قد آذونا على ما بنا من الأذى.قال: فرجل مغلق عليه تابوت من جمر،ورجل يجر أمعاءه، ورجل يسيل فوه قيحا ودما، ورجل ياكل لحمه.فيقال لصاحب التابوت:مابال الأبعد قدآذانا على ما بنا من الأذى؟ فيقول: إن الأبعد في عنقه أموال الناس.ثم يقال للذى يجر أمعائه مابال الأبعد قد آذانا على ما بنا من الأذى؟ فيقول :إن الأبعد الذى كان لايبالي أين أصاب البول منه لايغسله. ثم يقال للذى يسيل فوه قيحاًودماً: مابال الأبعد قد آذانا على مابنا من الأذى فيقول: ان الأبعد كان ينظر الى كلمة يستلذها كما يستلذ الرفث.ثم يقال للذى كان ياكل لحمه:مابال الأبعد قد آذانا على مابنا من الأذى؟ فيقول الأبعد: كان يأكل لحوم الناس".

"چار قسم کے لوگ اہل جہنم کو،ان کی تکلیف وپریشانی کے باوجود مزید تکلیف دیں گے۔یہ لوگ گرم کھولتے ہوئے پانی اور جہنم کی آگ کے درمیان دوڑیں گے،ہلاکت اور بربادی کو آواز دیں گے۔جہنمی ایک دوسرے سے کہیں گے ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ انھوں نے ہمیں تکلیف بالائے تکلیف میں مبتلا کردیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک شخص ایسا ہوگا جو انگاروں کے تابوت میں بند ہوگا ایک اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہوگا،تیسرے کے منھ سے پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا اور چوتھا شخص اپنا گوشت کھا رہا ہوگا۔تابوت والے سے پوچھا جائے گا،اس مردود کا کیا حال ہے جس نے ہمیں تکلیف در تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے تو وہ کہے گا کہ اس کی گردن پر لوگوں کے روپے پیسے ہیں۔پھر اس سے پوچھا جائے گا جو اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہو گا کہ اس مردود کا کیا حال ہے،جس نے ہمیں مشقت بالائے مشقت میں ڈال دیا ہے تو وہ کہے گا کہ اسے اس بات کی مطلق پروا نہ رہتی تھی کہ پیشاب کہاں لگا اور نہ ہی

اسے دھوتا تھا۔ پھر جس کے منہ سے پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا، اس سے کہا جائے گا
کہ اس مردود کا کیا حال ہے تو وہ کہے گا کہ وہ گندی حرکت دیکھ کر اسی طرح اس سے
لذت لیتا تھا، جیسے کہ وہ بدکاری سے لذت لے رہا ہو۔ پھر جو اپنا گوشت کھا رہا ہوگا
اس سے اسی طرح سوال کیا جائے گا تو وہ جواب دے گا کہ وہ لوگوں کے گوشت کھایا
کرتا تھا"۔ (غیبت کیا کرتا تھا)

اس سند سے یہ حدیث، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف حضرت شفی نے روایت کی ہے۔ نیز اسماعیل بن عیاش بھی اس کی روایت میں منفرد ہیں۔ حضرت شفی کی بابت اختلاف ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ یہی روایت اسماعیل بن عیاش سے مروان بن معاویہ نے کی ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: في عنقه أموال الناس لم يدع لها وفاءً ولا قضاءً، وقال :يعمد الى كل كلمة قذعة خبيثة، وقال :يأكل لحوم الناس ويمشي بالنميمة. اس کی گردن پر لوگوں کے پیسے تھے، اس نے ان کی ادائیگی کے لیے نہ تو مال و جائداد چھوڑی اور نہ ہی ادا کرنے والا وارث۔ وہ عمداً ہر گندی حرکت دیکھتا تھا اور لوگوں کے گوشت کھاتا تھا اور چغل خوری کرتا تھا۔

ابراہیم بن علی السندی کے اسی قدر حالات ہمیں معلوم ہو سکے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کے علماء میں ہیں اور غالباً ان کا تعلق علمائے بغداد سے تھا۔ (قاضی)

ابراہیم بن سندی بن شاہک

ابراہیم بن سندھی بن شاہک کا تعلق سندھ کے ایک ایسے گھرانے سے تھا جس نے شروع ہی سے عباسی سلطنت کی بڑی خدمت کی۔ ان کے والد سندھی بن شاہک قضاء کے منصب پر فائز تھے نیز شام کے گورنر بھی رہے ہیں۔ یہ ان لوگوں

میں شامل تھے، جنھوں نے محمد بن عیسیٰ بن نھیک اور سلیمان بن ابو جعفر منصور کے ساتھ مل کر امویوں پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ سندھی بن شاہک کے بھتیجے :ابراہیم بن عبدالسلام اسی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤرخ طبری نے منصور کے حالات میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

جاحظ نے اپنی مشہور تصنیف ''البیان والتبیین''میں باب أسماء الخطباء و البلغاء و ذکر قبائلھم و أنسابھم کے اندر ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ ان (عباسیوں) کے موالی میں سندھی کے دونوں صاحب زادے: ابراہیم اور نصر بھی ہیں۔ نصر بن سندھی مؤرخ اور محدث تھے۔ وہ ابن الکلبی اور ہیثم کی حدیث سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ مگر ابراہیم بن سندھی تو بے مثال آدمی تھے۔ مقرر تھے ماہر انساب تھے، فقیہ تھے، علم نحو اور عروض میں امام تھے، حافظ حدیث تھے، اشعار بہت یاد تھے، خود بھی شاعر تھے۔ ان کے الفاظ نہایت پرشوکت اور معانی بہت پاکیزہ ہوا کرتے تھے، کاتب علم بھی تھے، کاتب عمل بھی، بڑی سنجیدہ گفتگو کرتے تھے، خراج کے دیوان لکھتے تھے، نجومی اور طبیب بھی تھے، کبار متکلمین میں شمار ہوتا تھا، سلطنت عباسیہ اور اصحاب دعوت و تبلیغ کی بابت انھیں بڑی معلومات تھیں، سنی ہوئی بات سب سے زیادہ انھیں یاد رہتی تھی، سوتے کم اور جاگتے زیادہ تھے۔ انھوں نے عبداللہ بن صالح، عباس بن محمد، اسحاق بن عیسیٰ، اسحاق بن سلیمان اور ایوب بن جعفر سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور ان سب کو، قریش، سلطنت اور مشہور اصحاب دعوت تبلیغ کی بابت بہت زیادہ معلومات تھیں۔ حافظ لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن سندھی نے ان لوگوں سے ایک ایسی حدیث روایت کی ہے جو ہیثم بن عدی اور ابن الکلبی کی کتابوں میں موجود حدیث کے خلاف ہے جب اسے آپ سنیں گے تو یقین کرلیں گے کہ یہ بات کسی جھوٹے مصنف کی نہیں ہوسکتی۔

جاحظ نے -ویعمل فی الخراج بعمل زاذان - سے اس امر کی جانب

اشارہ کیا ہے کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان کے عہد تک، عراق کے رجسٹروں کے اندراج کے کام پر اہل فارس کی ایک جماعت مامور تھی۔ اس لیے خراج اور دیگر حساب کتاب فارسی زبان میں لکھے جاتے تھے لیکن حجاج بن یوسف عراق کا گورنر بنا تو ایک حساب کنندہ پر اسے شبہ ہو گیا، تب اس نے کہا کہ کیا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو یہ رجسٹر عربی زبان میں منتقل کر دے؟ اس پر اس سے ''خروج اعور'' نے جو خود بھی حساب و کتاب کے اندراج کرنے والوں میں شامل تھے، کہا کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں، چناں چہ اس نے نمونے کے طور پر تھوڑا سا ترجمہ کر کے دکھایا تو حجاج بہت خوش ہوا اور اسے ترجمہ کا کام جاری رکھنے کا حکم دیا۔ جب اس کا علم اہل فارس کے بڑے حساب کنندگان کو ہوا تو وہ مارے غصہ کے آگ بگولہ ہو گئے۔ اعور کے پاس جا کر اس سے بہت کچھ وعدہ کیا، مال متاع کا لالچ دیا کہ وہ ترجمہ کرنے سے اپنی معذوری ظاہر کر دے تا کہ حجاج اس کام سے باز آ جائے اور بعد میں اسے ایسا کرنے پر سنگین نتائج کی دھمکی بھی دی، مگر وہ نہ مانا دور ان رجسٹروں کے عربی ترجمہ کا کام مکمل کر دیا اور اس طرح خروج اعور نے عربی زبان پر نا قابل فراموش احسان کیا۔ (قاضی)

جاحظ ترکوں کے مناقب پر اپنے تصنیف کردہ رسالے میں ابراہیم بن سندھی کی بابت لکھتے ہیں کہ وہ سلطنت کے عالم تھے، دعات و مبلغین سے بے حد محبت تھی، ان کی تاریخ انھیں بخوبی یاد تھی، لوگوں کو ان کی اطاعت شعاری کی دعوت دیتے اور ان کے فضائل کا تذکرہ کرتے تھے۔ ان کی عبارت نہایت پر شوکت اور معانی بہت بلند ہوتے تھے۔ اگر میں یہ کہہ دوں کہ ان کی زبان اس ملک کے خلاف دس ہزار تلوار بازوں اور تیر اندازوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ تباہ کن تھی تو یہ بالکل درست ہوگا۔ ان کی بابت جاحظ نے لکھا ہے کہ طبیب ہونے کے باعث ان کا شمار فلاسفہ اور متکلمین میں تھا، اس لیے اطباء فلاسفہ اور متکلمین میں جانے جاتے ہیں ''البیان والتبیین'' میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن سندھی تقریر کرتے وقت شفقت و محبت کے

مارے اڑے جاتے اور غصہ کے سبب شعلہ بار ہوئے جاتے تھے۔ ابن قتیبہ اور نقابی نے لکھا ہے کہ یہ کسی وقت کوفہ کے گورنر بھی رہے ہیں۔

علامہ شہرستانی ''کتاب الملل والنحل'' میں لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن صبیح ابوموسیٰ مزدار نے ایک بار، ابراہیم بن سندھی سے تمام انسانوں کی بابت معلوم کیا تو انھوں نے سب کی تکفیر کر دی۔ اس پر عیسیٰ بن صبیح نے کہا کہ جنت جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے بقدر ہے اس میں صرف آپ اور تین وہ لوگ ہی جائیں گے، جو آپ کے ہم نوا ہیں، یہ سن کر ابراہیم بن سندھی جھینپ گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔

عیسیٰ بن صبیح کو بشر اور معتمر سے تلمذ حاصل ہے، مگر علم معتمر سے حاصل کیا۔ بعد میں زہد اختیار کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے ''راهب المعتزله'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ دیگر علمائے معتزلہ کے برعکس چند مسائل میں ان کا تفرد ہے۔ ۱- قدر کی بابت ان کی رائے ہے کہ اللہ تعالی دروغ گوئی اور ستم رسانی پر قادر ہے اور اگر وہ دروغ گوئی اور ظلم کرے تو وہ ظالم اور جھوٹا خدا ہو جائے گا (معاذ اللہ)۔ ۲- تولد کی بابت اپنے استاذ ہی کی طرح خیال رکھتے ہیں، البتہ اتنا اشارہ کیا ہے کہ تولد کے طور پر ایک ہی کام دو فاعل سے ہو سکتا ہے۔ ۳- قرآن کے سلسلے میں کہتے تھے کہ انسان فصاحت، نظم الفاظ اور بلاغت کے اعتبار سے قرآن جیسی عبارت لکھ سکتے ہیں۔ (قاضی)

عیسیٰ بن صبیح نے ہی ''خلق قران'' کے مسئلے میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کو کافر قرار دیا ہے، جو اس کے قدیم اور غیر مخلوق ہونے کے قائل ہوں کہ انھوں نے دو قدیم چیزوں کو قدیم ثابت کیا، اسی طرح ان لوگوں کے بھی کفر کے قائل ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بندوں کے اعمال اللہ تعالی کے پیدا کردہ ہیں اور یہ کہ اللہ رب العزت آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ تکفیر کی بابت بے حد غلو سے کام لیا، یہاں تک کہہ دیا کہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے کے سلسلے میں بھی کافر ہیں۔ یہ باتیں علامہ شہرستانی نے لکھی ہیں۔ انہی باتوں کی بنیاد پر ابراہیم بن سندھی نے صبیح سے تمام اہل

زمین کے بارے میں معلوم کیا تھا، جس پر انھوں نے سب کو کافر بتایا تھا۔

ابن قتیبہ نے ''عیون الاخبار'' میں لکھا ہے کہ عمرو بن بحر (جاحظ) نے ابراہیم بن سندھی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابراہیم بن سندھی کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ کی گورنری کے زمانے میں کوفہ کے ایک معزز شخص سے جس کا نہ جگر خشک ہوتا نہ، دل کو چین آتا اور نہ ہی لوگوں کی ضروریات کی طلب اور کمزوروں تک ضروریات زندگی پہنچانے میں اس کی سرگرمی رہتی تھی یہ بہت بولتا تھا۔ میں نے کہا کہ ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ کس چیز کی وجہ سے یہ پریشانی تمھیں آسان معلوم ہوتی ہے کہ تم اس کے برداشت پر قادر ہو؟ اس نے بتایا بخدا! میں نے صبح کے وقت، درخت کی شاخوں پر پرندوں کا چہچہانا، سارنگی کے تاروں کا بجنا اور خوش شکل گلوکاراؤں کی آوازیں سنیں، مگر مجھے ان سب سے کبھی ایسی خوشی نہ ہوئی، جیسی کسی اچھی زبان سے اچھی تعریف سے اور کسی شکر گزار کے محتسب سے سفارش کی درخواست کنندہ کی طرف سے شریف کرم فرما کی شکر گزاری سے ہوتی ہے۔ ابراہیم بن سندھی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا اللہ أبوك۔ تم سراپا شرافت تھے تو اللہ نے شرافت دوچند کردی۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ باربار کی آمدورفت اور یہ تلاش وجستجو کیوں کر آسان ہوئی؟ تو اس نے کہا کہ اس لیے کہ میں نہ تو تھک ہار کر بیٹھتا ہوں اور نہ ہی ناجائز کا سوال کرتا ہوں۔ اس نے مزید کہا میرے نزدیک سچی معذرت وعدہ وفا کرنے کی بہ نسبت زیادہ ناگوار نہیں ہے۔ نہ ہی سائل کو بٹھائے رکھنا سوال کردہ شخص کی حق تلفی سے زیادہ قابل نفریں ہے، نہ ہی میں خواہش مند کا اپنے اوپر کوئی حق واجب سمجھتا ہوں، اس شخص کے تئیں جو اپنے حسن ظن کے سبب مرغوب الیہ کے پاس آئے، جس نے اس کا بار اٹھایا ہو۔ ابراہیم سندھی فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ برمحل اور برموقع گفتگو میں نے کبھی نہیں سنی۔

حافظ ''البیان والتبیین'' میں رقم طراز ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن سندھی نے بتایا کہ مشہور شاعر عمانی زاجرہ، خلیفہ ہارون رشید کے پاس شعر سنانے کی غرض سے آیا،

اس کے سر پر ایک لمبی ٹوپی اور پیر میں معمولی انداز کا موزہ تھا۔ یہ دیکھ کر ہارون رشید نے کہا۔ خبر دار میرے سامنے تب ہی شعر سنانا جب تمہارے سر پر بڑی پیچوں والی دستار اور پیر میں عمدہ قسم کے دو موزے ہوں۔ ابراہیم بن سندھی کا بیان ہے کہ ابونصر نے بتایا کہ اگلے روز سویرے ہی وہ شاعر پھر آیا۔ اس بار بدوؤں کا سا لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ شعر سنایا پھر قریب جا کر ہارون رشید کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہنے لگا امیر المؤمنین! خدا کی قسم میں نے مروان بن الحکم کو شعر سنایا، اس کا چہرہ دیکھا ہاتھ چوما اور انعام سے سرخرو ہوا۔ یزید بن ولید اور ابراہیم بن ولید کو شعر سنایا ان کے چہرے دیکھے، ان کی دست بوسی کی اور انعام واکرام سے سرفراز ہوا۔ مہدی کے سامنے شعر سنایا، چہرہ دیکھا، ہاتھ چومے اور داد و دہش سے نوازا گیا۔ منصور کو شعر سنایا چہرہ دیکھا، دست بوسی اور نوازشات سے بہرہ ور ہوا ان کے علاوہ بہت سے خلفاء، گورنروں، سربراہان حکومت اور معزز لوگوں کی طرف سے بھی اسی طرح نوازا گیا۔ لیکن امیر المومنین! خدا کی قسم ان میں سے کوئی بھی آپ سے زیادہ خوش شکل، خوب رو، خوش حال اور خوش عیش نظر نہ آیا۔ بخدا اگر میرے دل میں یہ بات القاء کی جائے کہ میں آپ کی بابت کچھ کہوں تو میں آپ کی بابت وہی کہوں گا جو ابھی کہی ہے۔ یہ سن کر ہارون رشید نے اسے اس کے شعر پر بڑا انعام عطا کیا اور اس کی جانب متوجہ ہو کر اسے خوش کر دیا۔ یہاں تک کہ شاعر نے یہ آرزو کی کہ کاش وہ سارے لوگ، جن کے پاس وہ جا چکا تھا، اسی حیثیت اور مقام و مرتبے کے مالک ہوتے۔

جاحظ مزید لکھتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن سندھی نے بتایا کہ عبدالملک بن صالح کے پاس جب رومیوں کا وفد آیا وہ اس وقت ملک ہی میں تھا، تو اس نے قطار اندر قطار چند ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا جن کے سر، مونڈے ہوئے، مونچھیں اور بال تھے۔ ابھی وہ کھڑے اس سے بات کر رہے تھے، ان میں سے ایک شخص ایسا تھا جس کا چہرہ بطریق (پارسی) کی گدی سے ملتا جلتا تھا کہ اتنے میں اس نے آہستہ سے

چھینکا۔ اس پر عبدالملک نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ مگر اس شخص کو معلوم نہ ہو سکا کہ کیا بات عبدالملک کو ناگوار معلوم ہوئی ہے۔ جب یہ وفد چلا گیا تو عبدالملک نے اس شخص سے کہا تیرا ناس ہو تیرا انتھنا اور حلق کی جڑ تنگ کیوں نہ ہوئی تا کہ اتنی زور سے چیخ مارتا جس سے بڑے بڑے بہادروں کے دل بھی دہل جاتے۔

اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن سندھی کا خیال ہے، انھوں نے کہا کہ مجھ سے ایسے شخص نے بتایا، جس نے عیسی بن علی سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ فضول نگاہی خواہ مخواہ کے خیالات سے ہوتی ہے، فضول نگاہی فضول گوئی کا باعث ہوتی ہے اور فضول گوئی، فضول عملی کا، جو شخص فضول بات کا عادی ہو جائے، پھر اپنی زبان کی خرابی کا تدارک کرے تو وہ بات کو بری سمجھنے سے نکل جاتا ہے اور اگر دیر کرے تو تاخیر کے سبب، فضول سے بری بات کی طرف چلا جاتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن سندھی نے اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے بتایا کہ بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والا ایک جواں سال شخص خلیفہ منصور کے پاس آیا۔ منصور اس کے والد کی وفات کو معلوم کرنے لگا تو اس نے بتایا کہ میرے والد فلاں تاریخ کو مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور انھوں نے اتنی اولاد چھوڑی۔ اس پر ربیع نے اس نوجوان کو ڈانٹا اور کہا کہ امیر المومنین کے روبرو اپنے باپ کے لیے دعا کیے جا رہا ہے؟ نوجوان نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو برا بھلا نہیں کہتا، کیوں کہ والد کی حلاوت ولذت سے آپ ناآشنا ہیں۔ سندھی کا بیان ہے کہ سوائے اس روز کے، منصور کبھی اس طرح سے نہیں ہنسا کہ اس کی ڈاڑھ کے دانت بھی نظر آ گئے ہوں۔

مزید لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن سندھی نے اپنے والد سے روایت کر کے مجھ سے بتایا کہ ایک روز بنو ہاشم کا ایک نوجوان منصور کے پاس آیا۔ منصور نے اسے بٹھایا اور کھانا منگوایا۔ نوجوان سے کہا کھانے کے قریب آ جاؤ۔ نوجوان نے عرض کیا امیر المومنین! میں کھانا کھا چکا ہوں۔ اس پر ربیع نے نوجوان کو روکا۔ ہمیں شبہ ہوا کہ

شاید ربیع نے اس کی بات سمجھی نہیں۔ جب وہ باہر آنے کے لیے کھڑا ہوا تو اسے روک لیا۔ جب وہ پردے کی آڑ میں ہوگیا تو اس کی گدی پر دھکا مارا۔ جب حاجب نے یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے بھی گدی پر دھکا مار کر اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد نوجوان کے چچا کے خاندان کے کچھ لوگوں نے منصور کے پاس آکر اس سے ربیع کی شکایت کی۔ منصور نے کہا کہ ربیع ایسا قدم اسی وقت اٹھا سکتے ہیں جب ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی ٹھوس ثبوت ہو۔ اب آپ چاہیں تو جو کچھ ہوا اس پر خاموشی اختیار کرلیں اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ربیع سے معلوم کرتا ہوں اور آپ حضرات سنیں۔ ان لوگوں نے کہا ربیع سے معلوم کریں۔ ربیع کو بلوایا گیا۔ ان لوگوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ ربیع نے بتایا کہ یہ نوجوان دور سے ہی خلیفہ کو سلام کرکے واپس جارہا تھا۔ امیر المومنین نے اسے بلوایا کہ نزدیک آکر سلام کرے، پھر اس سے بیٹھنے کو کہا اور اس کے سامنے ہی کچھ ہنسی مذاق کی باتیں کی اور کھانا تناول کرنے لگے۔ اسے بھی بلایا کہ دسترخوان پر ساتھ ہی کھانا کھالے، مگر اس نوجوان کی جہالت تو دیکھو کہ وہ امیر المومنین کے مقام و مرتبے سے کتنا بے خبر تھا کہ جب اسے ساتھ کھانے کے لیے کہا تو یہ کہنے لگا کہ میں کھانا کھاچکا ہوں۔ حالاں کہ امیر المومنین کے ساتھ جس نے بھی کھانا کھایا اس نے بھوک کی عادت بندکی اور اس طرح کا آدمی بات سے نہیں، لات سے ہی درست ہوسکتا ہے۔

اس کتاب میں آگے لکھتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن سندھی نے بہ روایت اپنے والد بیان کیا ان کے والد نے کہا خدا کی قسم! میں ہارون رشید کے سرہانے اور فضل بن ربیع اس کی بائیں طرف کھڑے تھے اور حسن لؤلؤی اس سے معلومات کررہے اور مختلف امور کی بابت گفتگو کررہے تھے۔ حسن لؤلؤی نے سب سے آخری میں ام ولد کی بیع وشراء کے بارے میں سوال کیا۔ تو اس وقت اگر مجھے یاد نہ رہتا کہ پردے کے پیچھے کی حکومت حاجب کی گھر کی باڈی گارڈ، محافظ کی ہوتی ہے اور میری

بادشاہت صرف اس لیے ہے جو گھر کی حدود سے باہر نکل گیا ہو، تو میں حسن لؤلؤی کا بازو اور گردن پکڑ لیتا۔ جب ہم پردے سے باہر ہوئے تو میں نے حسن لؤلؤی سے کہا جب کہ فضل بن ربیع بھی سن رہے تھے سنو خدا کی قسم! اگر یہ بات تمہاری طرف سے سفر میں ہوتی تو مجھے یقین آتا کہ دوستی کے قابل کچھ ایسے لوگ ہیں جو تمہاری مجلس کی اس سے حفاظت کرتے ہیں۔

اس واقعہ کی نسبت قاضی صاحبؒ کا خیال ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ہارون رشید سے گفتگو کرنا جب کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہارون رشید کی ماں خود بھی ام الولد تھی جس کا نام خیزران تھا، بے ادبی اور گستاخی تصور ہوتی ہے۔ مگر یہاں یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیے کہ سلطان دین، سلطانِ دنیا کے مقابلے میں بڑا اور مضبوط تر ہوتا ہے اور یہ حسن لؤلؤی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد حسن بن زیاد تھے۔

مزید لکھتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن سندھی نے بیان کیا کہ مقام ''رقہ'' میں ایک رات کو حسن لؤلؤی مامون رشید سے بات چیت کر رہے تھے، اس وقت مامون خلیفہ بن چکا تھا۔ اتنے میں مامون اونگھنے لگا تو اس سے حسن لؤلؤی نے کہا امیرالمومنین! آپ سو گئے تھے اس پر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا ربِ کعبہ کی قسم! غلام ان کا ہاتھ پکڑ لو۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ ایک روز ہم لوگ زیاد بن محمد منصور بن زیاد کے یہاں تھے۔ فضل بن محمد نے ہمارا کھانا تیار کرا رکھا تھا۔ اس مجلس میں ہمارے ساتھ ایک غلام بھی تھا۔ فضل بن محمد کا قاصد زیاد کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ سے آپ کے بھائی یوں کہہ رہے ہیں کہ ہمارا کھانا تیار ہو چکا ہے، لہٰذا آپ حضرات چلیں۔ اس مجلس میں ہمارے ساتھ دیگر ادباء اور علماء کے علاوہ ابراہیم بن قطان، احمد بن یوسف اور قطرب نحوی بھی تھے۔ مگر ہم میں سے کسی کا ذہن اس قاصد کی غلطی کی طرف نہیں گیا تب

مبشر خادم نے اس سے کہا کمین زادے! تو اپنے آقا کے پاس کھڑا ہو کر اس طرح بات کر رہا ہے، جیسے کوئی شخص دنیاوی سامان کھولنے کو کہہ رہا ہو۔ کیا تو یہ نہیں کہہ سکتا تھا میرے آقا! آپ سے آپ کے بھائی نے یوں کہلوایا ہے کہ آپ اپنے جملہ ساتھیوں سمیت آجائیں کہ سب کام ہو چکا ہے، کھانا لگ چکا ہے۔

حسن لؤلؤی کا کا مامون کے ساتھ یہ واقعہ جو بیان کیا جاتا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ یہ از قبیل خرافات ادبیہ ہے جس کی طرف مطلق توجہ نہ دینی چاہیے۔ اس لیے کہ اس واقعہ سے اگر لؤلؤی کی بابت یہ باور کرانا مقصود ہو کہ انھیں عربی زبان نہیں آتی تھی تو اس سے کیا ہوتا ہے جب کہ ان کے استاذ حضرت امام اعظمؒ کے بارے میں یہ کہا گیا کہ انھیں نحو نہیں آتی تھی۔ اس طرح کی باتیں امراء وحکام کے کاسہ لیسوں اور ان کے دستر خوان کے خوردہ چینوں سے کچھ بعید نہیں ہے۔ تاریخ وتراجم کی کتابوں میں حسن لؤلؤی کے تفصیلی حالات درج ہیں، جہاں ان کی زندگی اور ان کی علمی حیثیت وغیرہ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ (قاضی)

ابراہیم بن عبدالسلام سندھی بغدادی

ابوطوطہ، ابراہیم بن عبدالسلام، سندھی بن شاہک بغدادی کے بھتیجے تھے۔ مؤرخ طبری ''تاریخ طبری'' میں لکھتے ہیں کہ سندھی بن شاہک کے بھتیجے، ابوطوطہ ابراہیم بن عبدالسلام نے بتایا کہ مجھ سے سندھی بن شاہک نے بیان کیا کہ میں ''جرجان'' میں موسیٰ کے ساتھ تھا کہ وہیں اسے خلیفہ مہدی کی وفات اور اس کی خلافت کی خبر پہنچی تو وہ سعید بن اسلم کو ساتھ لے کر بغداد کے لیے روانہ ہو گیا اور مجھے خراسان بھیج دیا۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن عبدالسلام کے اس سے زیادہ حالات مجھے نہیں مل سکے۔ یہ عہد عباسی میں سلطنت کے اور سیاست ملکی کے چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے اور ان کا تعلق سندھ کے اس گھرانے سے تھا جس نے شروع

سے ہی عباسی خلافت کے تئیں وفاداری اور خلافت گزاری کا بھرپور حق ادا کیا۔

ابراہیم بن عبداللہ سندھی بغدادی

علامہ ابوالفرج اصفہانی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الأغانی''میں ابراہیم بن عبداللہ کی روایت سے لکھتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ مامون رشید خراسان سے چل کر بغداد آیا اور حکم دیا کہ شعراء وادباء کی ٹیم میرے لیے نام زد کی جائے کہ وہ میرے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اور میرے ساتھ قصہ گوئی کریں۔ ایسے چند حضرات کے نام اس کے سامنے ذکر کیے گئے، انہی میں حسین بن ضحاک بھی تھے، جو اس سے پہلے محمد مخلوع کے ہم نشین رہ چکے تھے۔ مامون نے ان ادباء کے نام پڑھے۔ جب ''حسین بن ضحاک'' کا نام آیا تو کہا کیا یہ وہی شخص تو نہیں ہے، جس نے محمد کی بابت درج ذیل شعر کہے ہیں:

هــلّا بقيت لسّـدِ فـاقـتـنــا ۞ وأبـــداً وكان غيـــرك التلف

فلقـــد خلفتَ خلائف سلفـوا ۞ ولسوف يعـوذ بعـدكِ الخلف

''تو ہمارا فاقہ دور کرنے کے لیے ہمیشہ کیوں نہ رہا کہ تیرے علاوہ سب بیکار تھے ۔تو جانشین بنا گزرے ہوئے لوگوں کا۔ مگر تیرے بعد جانشین ہونا مشکل ہے''۔

پھر مامون نے کہا مجھے اس شخص کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے مجھے ہمیشہ راستے ہی میں دیکھا ہے۔ تاہم مامون نے حسین بن ضحاک کے طنز وتعریف پر کسی طرح کی سرزنش نہ کی اور حسین بصرہ چلے گئے اور جب تک مامون برسر حکومت رہا بصرہ ہی میں مقیم رہے۔

قاضی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مجھے ابراہیم بن عبداللہ سندھی کی بابت سوائے اس کے اور کوئی معلومات نہ ہوسکیں کہ یہ بھی مذکورۃ الصدر، ابراہیم بن عبدالسلام سندھی بغدادی کی طرح ہی تھے۔

ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی بغدادی

علامہ سمعانی ''الأنساب'' میں لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن عبداللہ، دیبلی نے موسی بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ الکبیر وغیرہ سے روایت کی ہے۔ امام ابومحمد عبدالغنی مصری اپنی کتاب ''مشتبہ النسب'' میں محمد بن ابراہیم دیبلی کے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ یہ ابراہیم بن محمد والد ہیں، جنہوں نے موسی بن ہارون اور محمد بن صائغ کبیر سے روایت کی ہے۔

مؤرخ حموی ''معجم البلدان'' میں رقم طراز ہیں کہ ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی کے صاحب زادے: ابراہیم بن محمد دیبلی کو موسی بن ہارون سے شرف روایت حاصل ہے۔

خطیب ''تاریخ بغداد'' میں ابویعلی حمزہ بن محمد بن حمزہ قزوینی کی بابت لکھتے ہیں کہ حج سے فراغت کے بعد وہ بغداد آئے، جہاں ابراہیم بن محمد بن عبداللہ دیبلی سے حدیث کی روایت کی۔

ابراہیم بن محمد چوتھی صدی ہجری کے ہیں، کیوں کہ ان کے والد کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ (قاضی)

احید بن حسین بن علی بامیانی سندھی

شہر ''بامیان'' کے متعلق ''معجم البلدان'' میں علامہ حموی لکھتے ہیں کہ اس شہر سے اصحاب فضل وکمال کی ایک جماعت تیار ہوئی ہے۔ انہی میں سے ایک ابومحمد احید بن حسین بن علی بن سلیمان سلمی بامیانی بھی ہیں جنہیں مکی بن ابراہیم سے شرف روایت حاصل ہے۔

احید بن حسین کی بابت بس اسی قدر معلومات دستیاب ہوسکیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ قدماء محدثین میں سے تھے۔ (قاضی)

شاہ سندھ: ارمیل سومرہ

ارمیل، سومرہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا، جو سندھ کا بادشاہ بھی رہا چوں کہ یہ نہایت ظالم و جابر شخص تھا اس لیے سومرہ برادری ہی کے کچھ لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر کے ۷۶۵ھ میں اسے قتل کر دیا۔ (تحفۃ الکرام)

"منتخب التواریخ" میں مذکور ہے کہ خاندان سومرہ کے آخری بادشاہ کا نام "حمیر" تھا۔ یہ نہایت ظالم شخص تھا اس لیے اس کی قوم کے لوگوں نے ہی اسے قتل کر ڈالا ممکن ہے کہ ارمیل سندھ کے کچھ نواحی علاقوں پر قابض رہا اور ظلم و زیادتی کے باعث اس کی قوم نے اسے قتل کر دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خاندان سومرہ میں سے کوئی مستقل بادشاہ رہا ہو جب کہ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک شخص کے نام تھے۔ اصل نام "حمیر" ہی تھا جسے بگاڑ کر "ارمیل" کہا جانے لگا۔ اس کو "رونہ" نامی شخص نے قتل کیا تھا جس نے بعد میں اپنی خود مختاری اعلان کیا۔ (قاضی)

اریکل ہندی

ابن الندیم نے "الفہرست" میں اریکل ہندی کا تذکرہ ان علمائے ہند کے ذیل میں کیا ہے جن کی طب و نجوم سے متعلق تصنیفات ابن الندیم تک پہنچیں۔

اسحاق بدر الدین بن منہاج الدین دہلوی اجودھنی

یہ مشہور شیخ طریقت اور صاحب کشف و کرامات بزرگ شیخ مسعود فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفہ اور داماد تھے۔ شروع میں دہلی کے "مدرسہ معزیہ" میں مدرس تھے، صوفیاء، فقراء اور عباد و زہاد سے مطلق کسی قسم کی عقیدت نہ رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ چند مسائل ان کے سامنے ایسے آئے، جنھیں علماء حل نہ کر سکے۔ لہٰذا انھوں نے ''بخارا'' جانے کا ارادہ کیا۔ جب ''اجودھن'' پہنچے تو ان کے رفقائے سفر شیخ فرید الدین سے ملاقات کے لیے گئے اور ان سے بھی شیخ کے پا س چلنے کو کہا مگر انھوں نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ میں نے اس طرح کے فقیر بہت سے دیکھ رکھے ہیں، ان کے پاس کچھ نہیں ہے، بلکہ ان کے پاس بیٹھنا تضیع وقت ہے۔ لیکن احباب نے جب بہت اصرار کیا تو چلے گئے۔ یہ لوگ جا کر شیخ کے پاس بیٹھ گئے۔ شیخ نے اسحاق بدر الدین کی طرف متوجہ ہو کر ان کے مشکل مسائل کی بابت ان کے ساتھ گفتگو شروع کر دی۔ حالاں کہ انھوں نے شیخ سے ان مسائل کا کوئی ذکر نہ کیا تھا۔ شیخ کی گفتگو سے ان کو تشفی ہوئی اور دل مطمئن ہو گیا لہٰذا سفر بخارا ترک کر کے شیخ کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا۔ اس صحبت کی برکت سے صلاح وتقوی میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔ بعد میں شیخ کی صاحب زادی سے شادی ہو گئی اور ان کے خلیفہ بھی بن گئے۔ انھوں نے شیخ کے ملفوظات ایک کتاب میں جمع کیے جس کا نام ''اسرار الاولیاء'' ہے۔ پھر تو ان کا یہ حال ہو گیا کہ خوف خدا کے باعث آنکھیں ہمہ وقت اشک بار رہا کرتیں۔ اجودھن ہی میں وفات پائی اور وہیں کی قدیم مسجد میں مدفون ہوئے ''کرامات الاولیاء'' مرتبہ: مولانا نظام الدین احمد صاحب زادہ محمد صالح صدیقی اور دوسری کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ان کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حاکم بامیان: اسد

یہ ایک دیہاتی شخص تھے، جو بامیان کے حکمراں تھے۔ ''اسد'' کے معنی فارسی زبان میں ''شیر'' کے ہوتے ہیں۔ انھوں نے خلیفہ منصور عباسی کے دور میں مزاحم بن بسطام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان کا قدرے تفصیلی تذکرہ ''حرف شین'' کے تحت آ رہا ہے۔

اسلم بن سندھی

اسلم بن سندھی سے ابوالحسن علی بن حسن سیازی نے روایت کی ہے۔ سمعانی نے ''کتاب الانساب'' میں بخارا کے مضافات میں واقع ''سیازہ'' نامی بستی کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابوالحسن علی بن حسن سیازی نے میتب بن اسحاق اور اسلم بن سندھی سے حدیث بیان کی ہے۔
اسلم بن سندھی متقدمین محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی بابت مجھے مزید کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ (قاضی)

اسلامی دیبلی

سندھ کی قدیم ترین فارسی تاریخ ''چچ نامہ'' میں مذکور ہے کہ مولانا اسلامی اصلاً ''دیبل'' کے باشندے تھے۔ انھوں نے محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور سچے پکے دین دار مسلمان تھے۔ محمد بن قاسم نے انہی کو سندھ کے راجہ ''داہر'' کے پاس اپنا قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ انھوں نے سفارت کا فریضہ بہ خوبی انجام دیا۔ اسلام اور مسلمانوں کی نہایت عمدہ ترجمانی کی اور داہر سے اسلام کی محاسن کی بابت بڑی مدلل گفتگو کی۔
یہ سندھ کے پہلے ایسے شخص ہیں جنہوں نے سندھ میں اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی کے شروع کا ہے۔ (قاضی)

اسماعیل لاہوری

''تذکرہ علمائے ہند'' میں بہت وقیع اور بلند الفاظ میں ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ امام جلیل، محدث، مفسر مولانا اسماعیل لاہوری، سرزمین ہند میں دعات

ومبلغین اسلام میں سے ایک تھے۔ان کی وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں بہت سے کافروں مشرکوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ یہ اعاظم محدثین اور اکابر مفسرین میں شمار ہوتے تھے۔یہ پہلے وہ شخص ہیں جو لاہور میں حدیث وتفسیر لے کر آئے۔ان کی وفات لاہور ہی میں ۴۴۸ھ میں ہوئی۔

اسماعیل بن سندھی بغدادی

تاریخ بغداد کے اندر خطیب لکھتے ہیں کہ ابوابراہیم اسماعیل بن سندھی خلال نے سلم بن ابراہیم ورّاق سے حدیث بیان کی اور بشر بن حارث سے بھی روایت کی ہے۔ان سے محمد بن مخلد نے روایت کی۔ مزید لکھتے ہیں کہ مجھے زہیر نے بتایا، ان سے عبیداللہ بن عثمان بن یحییٰ نے بیان کیا ان سے محمد بن مخلد نے ان کا کہنا ہے کہ مجھ سے اسماعیل بن سندھی ابوابراہیم خلال نے بیان کیا کہ میں نے بشر بن حارث سے ایک حدیث کی بابت معلوم کیا تو انھوں نے فرمایا خدا سے ڈرو! اگر تم یہ حدیث دنیا کی خاطر تلاش کرر ہے ہو تو رہنے دو، اس کو مت پوچھو اور اگر آخرت کی خاطر چاہ رہے ہو تو تم پہلے ہی اسے سن چکے ہو۔

اسماعیل بن سندھی بغدادی کے شیوخ اور تلامذہ کے سنین وفات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تیسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

اسماعیل ملتانی، زاہد

شیخ اسماعیل ملتانی کا شمار، زاہد وعابد فقراء میں تھا۔مشہور وعاشق: سسی اور پنون کی قبر پر ان کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔اونٹ کو راستے ہی میں چھوڑ دیا اور پیدل چل کر قبر تک آئے۔ انھوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ جب تک ان دونوں کو دیکھ نہ لیں گے تب تک نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے۔اسی طرح جب تین دن

گذر گئے تو قبر سے ایک بڑھیا نکلی اس کے ہاتھ میں چند چپاتیاں اور تھوڑا سا پانی بھی تھا۔ اس نے ان سے کھانے اور پانی پینے کے لیے کہا تو انھوں نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک کہ سسی اور پنون کو دیکھ نہ لوں۔ اس پر بڑھیا نے کہا میں ہی تو ''سسی'' ہوں۔

''سسی'' بہ معنی چاند ایک عورت تھی اور پنون ایک مرد کا نام تھا۔ یہ دونوں ''برہمن آباد'' کے راجا: دلورائے کے زمانے کے تھے **تحفۃ الکرام** کے مصنف نے ان کے معاشقے کی داستان لکھی ہے اور یہ بھی تحریر کیا ہے کہ ان کی وفات کے بعد بھی درویش اور فقیر انھیں دیکھا کرتے تھے۔ معصوم بھکری اور قاضی مرتضی سورٹھی ساکن ''کتیانہ'' نے نہایت عمدہ اسلوب سے یہ داستان منظوم شکل میں لکھی ہے۔ مگر عشق ومحبت کے دوسرے واقعات کی طرح ہی اس واقعہ کی بابت بھی مبالغہ آمیزی کی گئی ہے۔ تاہم اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ اسماعیل ملتانی بڑے عابد وزاہد انسان تھے۔ یہ ساتویں صدی ہجری سے پہلے کے ہیں۔ (قاضی)

اسماعیل بن علی، الوری سندھی

حضرت مولانا عبدالحی حسنی لکھنویؒ ''**نزهة الخواطر**'' میں ساتویں صدی ہجری کے علماء کے تذکرے کے ضمن میں ان کی بابت لکھتے ہیں کہ قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسی بن یعقوب ثقفی سندھی، فقیہ خطیب اور شہر الور، سندھ کے قاضی تھے۔ قضا اور خطابت کا یہ منصب انھیں آباء واجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ یہ عالم اور علوم ادب وحکمت کے ماہر تھے، ان کی پیشانی سے بزرگی کے انوار ٹپکتے تھے۔ علی بن حامد کوفی سندھی نے ''تاریخ سندھ'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شہر ''الور'' میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پاس سندھ کی تاریخ، مسلمانوں کے سندھ پر حملے اور ان کی فتوحات سے متعلق کئی حصے عربی زبان میں رکھے ہوئے تھے،

جنھیں ان کے آباواجداد نے لکھا تھا۔ یہ اجزاء ان سے لے کر میں نے فارسی میں ان کا ترجمہ کیا۔ "تحفة الکرام" میں ان کی بابت لکھا ہے کہ قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی، موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی کی اولاد میں سے ہیں، جنہیں محمد بن قاسم نے "الور" (۱) میں رہنے کے لیے تھا مامور کیا اور وہاں کی قضاء اور خطابت کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد کی۔ پھر نسلاً بعد نسل ان کی اولاد میں یہ دونوں منصب چلے آرہے ہیں۔ قاضی اسماعیل بن علی بہت نیک اور صالح تھے۔ یہ چھٹی صدی ہجری میں بقید حیات اور اپنی صلاح وتقوی میں مشہور تھے۔ علی بن حامد اوشی کو ان کے پاس سندھ کی فتوحات سے متعلق ایک کتاب عربی زبان میں ملی جسے ان کے آباواجداد میں سے کسی نے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب کا اوشی نے ترجمہ کر کے سندھ کی تاریخ پر ایک ضخیم کتاب فارسی زبان میں لکھی۔

اسماعیل بن عیسیٰ بن فرج سندھی

اسماعیل بن عیسیٰ بن فرج سندھی مولی علی بن یقطین، چوں کہ سندھ کے رہنے والے تھے، اس لیے ان کی اولاد واحفاد بھی سندھی کے لقب سے مشہور ہوئی۔ ان میں سے اسماعیل کو اتنی شہرت ملی جو نا قابل بیان ہے جیسا کہ ابان بن محمد سندھی کوفی کے تذکرے میں گزر چکا ہے۔

اسماعیل بن محمد بن رجاء سندھی

حضرت مولانا محمد طاہر صاحب پٹنی نے اپنی کتاب "المغنی" میں "باب السندی" کے تحت لکھا ہے کہ محمد بن رجاء سندھی مشہور محدث ہیں۔ پھر ان کے لڑکے اسماعیل کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی بات مجھے ان کی بابت نہ مل سکی۔

---

(۱) الور: موجودہ زمانے میں اسے "اروڑہ" کہا جاتا ہے، جو پاکستان میں واقع ہے، ع.ر.بستوی۔

افلح بن یسار سندھی

یہ ابوعطاء سندھی مشہور شاعر ہیں۔ان کا تذکرہ "کنیتوں" کے ضمن میں کیا جائے گا۔

اندی ہندی

ابن الندیم نے "الفہرست" میں ان کا تذکرہ ان علمائے ہند کے ذیل میں کیا ہے، جن کی طب ونجوم سے متعلق کتابیں ابن الندیم تک پہنچ سکیں۔

حاکم مالدیپ: اُیم کلمنجا

"تحفة الادیب" میں ان کی بابت لکھا ہے کہ "سلطان اُیم کلمنجا" ہرہ کبادکلع نامی خاتون کے لڑکے ہیں، باپ کی طرف سے بھی ان کا نسب ہے مگر باپ کی طرف سے ان بادشاہوں کا نسب ذکر نہ کیے جانے سے لگتا ہے کہ ان کے والد حکمراں خاندان کے نہ تھے۔اُیم کلمنجا تخت سلطنت پر ۶۶۲ھ سے ۶۶۴ھ تک دوسال فائز رہا۔اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب "سری لوسور مہاردھن" ہے۔

❀❀❀

باب: ب

باجہر ہندی

ابن الندیم نے ''الفہرست''میں ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جو گھوڑسواری، شمشیر زنی، آلات جنگ اور اس سے متعلق دنیا کی اقوام کی تدابیر کی بابت لکھی گئی ہیں لکھا ہے کہ باجہر ہندی کی کتاب تلواروں کی خصوصیات، صفات ومحاسن اور رموز وعلامات کے موضوع پر ہے۔

باجہر ہندی کی بابت مجھے اور کسی طرح کی معلومات نہ ہوسکیں۔ ہندوستانی تلواریں قدیم زمانے ہی میں اپنی اور جنگی مضبوطی، عمدگی، خوب صورتی، ضرب کاری اور دیگر خصوصیات میں مشہور تھیں۔ اہل عرب ہندوستانی ساخت کی تلوار کو ''المہند'' اور ''الہندی' کے ناموں سے جانا کرتے تھے۔ صاحب تذکرہ باجہر ہندی کی کتاب ہندوستانی ساخت کی تلواروں کی انواع واقسام اور صفات وخصوصیات سے متعلق تھی۔ (قاضی)

باذروغوغیا، ہندی رومی

وزیر جمال الدین قفطی ''أخبار العلماء بأخبار الحکماء''میں لکھتے ہیں کہ ''باذروغوغیا'' رومی جیلی ہیں ان کی ایک کتاب بھی ہے، جس کا نام ''کتاب استخراج المیاہ'' ہے۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں دو مقالے ہیں۔

بازیگر، ہندی بغدادی

یحییٰ بن خالد برمکی نے ہندوستان سے جن اطباء اور دانش وروں کو بغداد بلوایا

تھا، انہی میں بازیگر ہندی بھی تھے۔ یہ دوسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

باکھر ہندی

ابن الندیم نے ''الفہرست'' کے اندران کا تذکرہ ان علمائے ہند کے ذیل میں کیا ہے، جن کی علم نجوم وطب پر کتابیں ابن ندیم تک پہنچ سکیں۔

بختیار بن عبداللہ، فصاد ہندی مروزی

علامہ سمعانی ''کتاب الأنساب'' میں لکھتے ہیں کہ ابومحمد بختیار بن عبداللہ ہندی فصاد میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے ساتھ عراق وحجاز کا سفر کیا اور ان سے بہت سی احادیث کا سماع بھی کیا ہے۔ یہ نہایت نیک اور صالح غلام تھے۔ انھوں نے بغداد میں ابومحمد جعفر بن احمد الحسن سرّاج، ابوالفضل محمد بن عبدالسلام بن احمد انصاری اور ابوالحسین مبارک بن عبدالجبار طیوری سے، ہمدان میں ابومحمد عبدالرحمٰن بن احمد بن حسن دونی سے اور اصفہان میں ابوالفتح محمد بن حداد اور ان کے طبقے کے دوسرے محدثین سے حدیث کا سماع کیا۔ ابوالفتح سے چند ایک ہی احادیث کا سماع انھیں حاصل ہے۔ ان کی وفات ''مرو'' میں ۵۴۱ھ میں ہوئی۔

بختیار بن عبداللہ الزاہد ہندی بوشنجی

علامہ سمعانی ''الأنساب'' میں مزید فرماتے ہیں کہ ابوالحسن بختیار بن عبداللہ صوفی زادہ، قاضی محمد بن اسماعیل یعقوبی کے آزاد کردہ غلام ''بوشنج'' کے رہنے والے نیک سیرت صالح عالم تھے۔ اپنے آقا قاضی یعقوب کے ہمراہ عراق حجاز اور اہواز کے بعض علاقوں کا سفر کیا۔ بغداد میں ابونصر محمد ابوالفوارس طراد بن علی زینبی اور ابومحمد رزاق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی سے، بصرہ میں ابوعلی بن احمد بن علی

تستری، حافظ ابوالقاسم عبدالملک بن علی بن خلف بن شعبہ اور ابویعلی احمد بن محمد بن حسن عبدی سے اور اصفہان جبل اور خوزستان میں اہل طبقہ کی ایک بہت بڑی جماعت سے احادیث کا سماع کیا۔ میں نے ان سے بوشنج اور ہرات میں احادیث سنیں۔ ان کی وفات ۵۴۲ھ یا ۵۴۳ھ میں ہوئی۔

''بوشنگ'' خراسان کا ایک نہایت زرخیز اور قدیم شہر تھا۔ یہ ہرات سے سات فرسخ کی مسافت پر واقع تھا۔ اس شہر کی جانب نسبت کرتے ہوئے فوشنجی اور بوشنجی دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے۔ (قاضی)

بشر بن داؤد بن یزید بن حاتم گورنر سندھ

ان کے والد داؤد بن یزید بن حاتم گورنر سندھ بن کر سندھ آئے۔ والد کی وفات کے بعد بشر کو سندھ کا گورنر بنا دیا گیا۔ جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے کہ علاقہ سندھ کی صورت حال ٹھیک رہی تا آں کہ مامون رشید کے دور خلافت میں بشر بن داؤد کو اس کا گورنر نامزد کیا گیا۔ بشر نے سرکشی اور مخالفت کی راہ اختیار کی تو مامون نے غسان بن عباد کو جو سواد کوفہ کے رہنے والے تھے، بشر کی سرکوبی کے لیے سندھ روانہ کیا۔ جب غسان سندھ پہنچا تو بشر امان لے کر اس کے پاس آ گیا اور وہ بشر کو لے کر مدینۃ السلام بغداد چلا گیا۔

مامون رشید کی خلافت ۲۱۸ھ تک رہی۔ اسی عرصے میں بشر کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بشر کی پیدائش سندھ میں ہوئی اور اپنے والد داؤد کی گورنری میں پلا بڑھا اور جوان ہوا۔ بعد میں سندھ کا گورنر بھی بنا دیا گیا۔ اس نے سندھ میں اپنی خودمختاری قائم کرنی چاہی، مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ (قاضی)

طبیب ہندی بہلہ

جاحظ نے ''البیان و التبیین'' میں لکھا ہے کہ ابوالاشعث معمر نے مجھ سے

بتایا کہ میں نے اسی زمانے میں جب یحییٰ برمکی نے منکہ، بازیگر، قلبر قل وغیرہ
اطبائے ہند کو بغداد بلوایا تھا، بہلہ ہندی سے پوچھا کہ اہل ہند کے نزدیک بلاغت
کسے کہتے ہیں؟ تو بہلہ نے جواب دیا کہ اس کی بابت ہمارے یہاں ایک تحریری
صحیفہ ہے۔ لیکن میں اس کا ترجمہ اچھی طرح نہیں کرسکتا اور نہ ہی بلاغت وفصاحت
سے میرا تعلق ہے، لہٰذا اس صحیفے کی خصوصیات سمجھنے اور اس کے لطیف معانی کے
اختصار کرنے میں آپ میرا ساتھ دیں۔ ابواشعث کا بیان ہے کہ میں نے اس ترجمہ
شدہ صحیفے کو دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ بلاغت کی ابتداء آلۂ بلاغت کا یکجا ہونا
ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خطیب نڈر بے باک ہو، اس کے اعضاء وجوارح پر
سکون ہوں، ادھر ادھر کم دیکھتا ہو، الفاظ بہتر استعمال کرتا ہو، سربراہ قوم سے عام
آدمی کے انداز کی بات نہ کرے، نہ ہی بادشاہوں سے بازاری قسم کی، ہر طبقے کے
سلسلے میں تصرف اور ردوبدل کی اس کے اندر صلاحیت ہو، مفہوم نہ تو انتہائی پیچیدہ
بنادے نہ الفاظ کی بہت تنقیح کرے، نہ بالکل صاف اور سیدھے الفاظ کرے اور نہ
ہی بہت زیادہ تراش خراش سے کام لے۔ وہ ایسا نہ کرے تاکہ اس کا سامنا کسی
صاحب علم حکیم یا فلسفی سے نہ ہو اور ایسے شخص سے فضول بات اور مشترک الفاظ
حذف کردینے کا عادی ہو۔ نیز اس نے فن گفتگو بہ حیثیت فن اور مبالغہ غور کیا ہو محض
اعتراض تجسس اور مزہ لینے کے لیے نہیں۔

اس عظیم طبیب کے حالات زندگی کی بابت مزید کوئی بات معلوم نہ ہوسکی۔ یہ
دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ آیندہ صفحات میں اس کے صاحب
زادے: صالح اور پوتے: حسن کا ذکر آرہا ہے (قاضی)

بیرطن ہندی یمنی

حافظ ابن حجر نے ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' کے اندر ان لوگوں

کے تذکرے کے ذیل میں، جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو ملا، مگر ملاقات کے شرف سے بہرہ ور نہ ہو سکے، خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی ایمان لے آئے ہوں یا بعد میں، بیرطن ہندی کی بابت لکھا ہے کہ یہ عالم تھے، بادشاہان فارس کے زمانے میں تھے۔ بھنگ کی گھاس کا ان کا ایک مشہور واقعہ بھی ہے۔ یہ پہلے ایسے شخص ہیں جنھوں نے اس ملک میں اس گھاس کو رواج دیا، مگر اس کی بابت ان کی شہرت ''یمن'' میں ہوئی۔ بعد میں انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ جیسا کہ شیخ حسن بن محمد شیرازی نے ''کتاب السوانح'' کے اندر اپنے استاذ شیخ جعفر بن محمد شیرازی کے حوالے سے لکھا ہے۔

میرے علم کے مطابق اہل ہند میں سے جتنے لوگ بھی ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے، ان سب میں بیرطن ہندی عہد رسالت سے زیادہ قریب ہیں۔ نیز یہ ایسے پہلے ہندوستانی ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ بیرطن ہندی کے علاوہ کسی کو یہ شرف اولیت حاصل نہیں ہے۔(۱) (قاضی)

(۱) بیرطن ہندی کے متعلق حافظ ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں شدید تنقید کی ہے اور اسے ''دجال من الدجاجلة'' قرار دیا ہے۔ (ع:ر:بستوی)

باب: ت

تاج الدین دہلوی

حضرت مولانا عبدالحی حسنی لکھنویؒ ''نزھۃ الخواطر'' کے اندر ساتویں صدی ہجری کی شخصیات کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ شیخ فاضل تاج دہلوی دبیر معروف بہ ریزہ کو سلطان شمس الدین کے عہد میں خطوط و رسائل کا دیوان مقرر کیا گیا۔ یہ عالم فاضل بہترین شاعر اور ہلکے پھلکے جسم کے تھے، اس وجہ سے ان کا لقب ''ریزہ'' رکھا گیا۔

ملکۂ سندھ: تاری بنت دودا ابن بھونگر بن سومرہ

تحفۃ الکرام اور دوسری کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ ''سنگھار بن بھونگر'' اپنی والدہ کی وفات کے وقت چھوٹا اور کم سن تھا؛ اس لیے اس کی بہن: تاری بنت دودا نے حکومت سندھ کی زمام کار ۵۷٦ھ کے آس پاس اپنے ہاتھوں میں لی اور جب سنگھار بالغ اور ہوشیار ہو گیا تب بھائی کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو گئی۔

تقی الدین بن محمود اودھی

''نزھۃ الخواطر'' کے اندر لکھا ہے کہ شیخ فاضل تقی الدین بن محمود انہونوی اودھی عالم اور صوفی تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی ہمیشہ ان کا ذکر خیر ہی کرتے تھے۔ ان کی قبر ضلع ''رائے بریلی'' کے ایک گاؤں ''انہونہ'' میں ہے۔ یہ دواؤد بن محمود کے حقیقی بھائی تھے۔

ہندی طبیب توقشتل

ابن الندیم نے ''الفہرست'' کے اندر علم طب پر عربی زبان میں لکھی گئی ہندوستانی کتابوں کے ضمن میں ''توقشتل'' کی ایک کتاب کا بھی تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کتاب میں سو امراض اور سو دوائیں ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ توقشتل ہندی کی ایک دوسری کتاب بھی ہے جس کا نام ''کتاب التوھم فی الامراض والعلل'' ہے جب کہ ''کشف الظنون'' میں ان کا نام توقشتل کے بجائے نوفشتل بالنون والفاء ہے۔ اس میں بھی تصریح ہے کہ نوفشتل ہندی کی کتاب میں سو بیماریوں اور سو دواؤں کا ذکر ہے۔

باب: ج

ہندی طبیب: جارا کا

"فتی الھند وقصۃ باکستان" نامی کتاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ منقول ہے کہ جارا کا اور سسروتا کا علم طب میں مقام اور مرتبہ تھا۔ علم طب سے متعلق ان کی کتابیں ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں عربی زبان میں منتقل کی گئیں، جیسا کہ ان دونوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ علم طب کے سلسلے میں یہ دونوں اتھارٹی اور سند مانے جاتے تھے ابن ندیم نے ایسے پندرہ ہندوستانی مصنّفین کے نام ذکر کیے ہیں، جن کی کتابوں کا "الفھرست" کی تصنیف کے وقت تک عربی زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ مگر اب ان ترجموں کا کہیں کوئی وجود نہیں ہے، سوائے ایک چھوٹے رسالے کے جس میں زہر سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس رسالے کا ایک نسخہ برلین کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے اصل نسخے کا ترجمہ، مؤلف کے پیش لفظ کے مطابق ابتداء ابوحاتم بلخی نے ۲۰۰ھ میں خالد برمکی کی درخواست پر فارسی زبان میں کیا۔ اس کے بعد ۲۱۰ھ میں عباس بن سعید جوہر نے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں ان دونوں ترجموں کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اس رسالے کا چھوٹے سائز کا نسخہ صرف چوراسی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کئی مقالے درج ہیں۔ پہلے مقالے میں مقدمہ مؤلف ہے، جس میں مصنف نے لکھا ہے کہ مہلک زہروں سے مختلف قسم کی مرکب دوائیں اور معجون کی دریافت اطباء وحکماء نے بادشاہوں، راجاؤں اور نوجوانوں کی قوت مردانگی کمزور پڑنے سے بچانے کے لیے کیا اور مصنف کے نزدیک ان مہلک

زہروں سے بادشاہوں کے علاوہ کسی اور شخص کا علاج کرنا درست نہیں ہے۔ دوسرے مقالے میں زہروں کے عوارض اور اثرات سے بحث کی گئی ہے۔ جب کہ تیسرے مقالے کے اندر مہلک زہر بنانے کے مختلف طریقوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ ان میں سے ایک طریقے کی بابت مصنف نے لکھا ہے کہ ایک اژدہا پکڑ کر اسے تانبے کے ایک برتن میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ برتن گائے کے گوبر کے ڈھیر کے نیچے گاڑ دیا جاتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد جب اژدہے کا جسم پھول پھٹ جاتا ہے، اس سے بدبو نکلنے لگتی ہے اور خمیر سا بن جاتا ہے تو باقی ماندہ خمیر لے کر دھوپ میں رکھ دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ خشک ہو جائے۔ جب وہ اس طرح ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی اس کی معمولی سی مقدار کھالے تو یقینی طور پر موت کا شکار ہو جائے، اسے بہ حفاظت روک لیا جاتا ہے اور مرکبات تیار کیے جاتے ہیں۔ آخری فصل زہر کے طریقوں پر مشتمل ہے اور اس میں مصنف نے ایسے علاج کا تعارف کرایا ہے جسے کوئی بھی انسان اگر استعمال کر لے تو اسے زہروں کے خلاف مہارت ہو جائے گی۔

جبھر ہندی نجومی

جن علمائے ہند کی طب و نجوم سے متعلق کتابیں ابن الندیم تک پہنچ سکیں انہی میں ایک جبھر ہندی بھی ہے "الفہرست" میں ان کا بھی تذکرہ ہے۔

نجومی وطبیب: ہندی جباری

یہ بھی ان ہندوستانی اطباء میں شامل ہیں جن کی طب و نجوم پر کتابیں "ابن الندیم" تک پہنچیں اور "الفہرست" کے اندر ان کا تذکرہ کیا گیا۔

جعفر بن خطاب قصداری سندھی بلخی

قصدار کا ذکر کرتے ہوئے علامہ سمعانی نے "الانساب" میں لکھا ہے کہ ابو

محمد جعفر بن خطاب قصداری زاہد و عابد اور فقیہ تھے۔ بلخ میں سکونت اختیار کی، رہنے والے ''قصدار'' کے تھے۔ انھوں نے ابوالفضل عبدالصمد بن محمد بن نصیر عاصمی سے سماع حدیث کیا ہے اور ان سے حافظ ابوالفتوح عبدالغافرین ابن الحسنین بن علی کا شغری نے روایت کی ہے۔

فقیہ جعفر بن خطاب قصداری ان متقدمین علماء ومحدثین میں سے ہیں جن کی وفات پانچویں صدی ہجری سے پہلے ہوگئی۔ (قاضی)

جعفر بن محمد سرندیپی ہندی

علامہ ابن الجزری ''غاية النهاية فی طبقات القراء'' میں لکھتے ہیں کہ ابو القاسم جعفر بن محمد سرندیپی نے امام قنبل کی عرضاً قراءت کی روایت کی ہے اور ان سے ابوبکر محمد بن محمد بن عثمان طرازی نے روایت کی۔

قاری جعفر سرندیپی تیسری صدی ہجری کے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے استاذ اور حجاز کے شیخ القراء ابوعمر محمد بن عبدالرحمٰن مخزومی مکی معروف بہ ''قنبل'' کی ولادت ۱۹۵ھ میں ہوئی اور وفات ۲۹۱ھ میں جب کہ جعفر بن محمد سرندیپی کے تلمیذ: طراز بغدادی کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی ہے، ان وفیات سے سرندیپی کے دور کا یقین ہوتا ہے۔ (قاضی)

حاکم ملتان: جلم بن شیبان باطنی

مشہور سیاح ''البیرونی'' کے مطابق جلم بن شیبان ایسا سب سے پہلا اسماعیلی یا قرمطی ہے جس نے ''ملتان'' پر قبضہ کر کے حکومت بنائی۔

حاکم مکران: جمال بن محمد بن ہارون اور اس کے برادران

مؤرخ بلاذری ''فتوح البلدان'' میں لکھتے ہیں پھر حجاج بن یوسف نے

''مجاعہ'' کے بعد محمد بن ہارون بن ذراع نمری کو گورنر بنایا تو اس نے اپنے عہد گورنری میں حجاج کی خدمت میں جزیرہ یاقوت کے حکمراں کو بھیجا۔

تحفة الکرام کے مصنف رقم طراز ہیں کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے محمد بن ہارون کو ''مکران'' بھیجا تا کہ وہ جا کر ہندوستان اور سندھ کا نظم ونسق سنبھالے اور علافیوں کی بیخ کنی کرے، جنہوں نے پورے علاقے میں بدامنی پھیلا رکھی تھی اور نواحی علاقوں پر قابض بھی ہو گئے تھے۔ چنانچہ محمد بن ہارون نے جنگ کر کے مکران اور اس کے نواحی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ جب محمد بن قاسم اپنے لشکر کے ساتھ ''مکران'' پہنچے تو حجاج کے حکم پر محمد بن ہارون کو باوجود بیماری کے مکران میں متعین کر دیا اور جب محمد بن قاسم ''بارمن بیلہ'' پہنچے تو محمد بن ہارون کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوا۔ محمد بن ہارون کی سات بیویاں تھیں، جن کے پچاس اولاد ہوئی، ان لڑکوں اور ان کی ماؤں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔عیسیٰ ۲۔مہران ۳۔حجاز ۴۔تھک ۵۔رستم ۶۔جلال اوّل ان کی ماں کا نام ''حمیراء'' تھا۔ ۸۔فرید ۹۔ جمال ۱۰۔رادہ ۱۱۔بہلول ۱۲۔شہاب ۱۳۔نظام ۱۴۔جلال ثانی ۱۵۔مرید ان کی ماں حمیری تھی۔ ۱۶۔رودین ۱۷۔موسیٰ ۱۸۔نوتی ۱۹۔نوح ۲۰۔مندہ ۲۱۔رضی الدین۔ماں کا نام حریم۔۲۲۔جلال ثالث۔ ماں کا نام عائشہ ۲۳۔آدم ۲۴۔کمال ۲۵۔احمد ۲۶۔حماد ۲۷۔سعید ۲۸۔مسعود۔ماں مدی ۲۹۔شیر ۳۰۔کوہ ۳۱۔بلند ۳۲۔کرک ۳۳۔نورالدین ۳۴۔حسن ۳۵۔حسین، ۳۶۔سلیمان ۳۷۔ابراہیم۔ ماں کا نام فاطمہ۔ ۳۸۔ عالم ۳۹۔علی ۴۰۔تیرکش ۴۱۔بہادر ۴۲۔ تیغ زن ۴۳۔مبارک ۴۴۔ترک ۴۵۔طلحہ ۴۶۔عربی ۴۷۔شیراز ۴۸۔تاج الدین ۴۹۔تخت گیر ۵۰۔گلستان برگ۔ماں کا نام حواء۔

جب محمد بن ہارون کا انتقال ہوا اس وقت مکران اور اس کے اطراف واکناف کے علاقے اس کے قبضے میں تھے، علافیوں کی شورش بھی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

لیکن اس کی وفات کے بعد یہ پورا علاقہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک حصے پر اس کے فرزند جمال الدین کی اولاد قابض ہو گئی اور دوسرے حصے پر جمال الدین کے دوسرے بھائی اور ان کی اولاد۔ کچھ دنوں کے بعد ان میں جھگڑا ہوا اور دوسرے بھائی اس سرزمین کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔ جب کہ جمال الدین کی اولاد شکست کھانے کے بعد سندھ چھوڑ کر ''کچھ'' کی طرف چلی گئی۔ سندھ میں اس خاندان کے بے شمار لوگ اب بھی پائے جاتے ہیں۔

جاٹ اور بلوچ اسی محمد بن ہارون مکرانی کی نسل سے ہیں۔

جاٹ اور بلوچ کے محمد بن ہارون کی نسل سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ماؤں کا تعلق ان دونوں قبائل سے تھا اور باپ محمد بن ہارون مکرانی نمری تھے۔ ان لوگوں نے بعد میں ان دونوں قبیلوں میں اپنے ماموں کے گھروں سے شادیاں کیں اور پھر ان کی نسلیں چلیں۔ غرض کہ جاٹ اور بلوچ کے محمد بن ہارون مکرانی کی نسل سے ہونے کا مطلب یہی ہے کہ یہ باپ کی طرف سے تو عربی ہیں اور ماں کی طرف سے ہندوستانی۔ (قاضی)

جمال الدین اوشی سندھی

شیخ جمال الدین اوشی ''اوچھ'' کے اکابر صلحاء اور بزرگان دین میں سے تھے۔ انہی کا قول ہے کہ تصوف و سلوک کا ایک قدم، زمین پر چلنے کے ایک ہزار قدم سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ شیخ مسعود گنج شکر کے ہم عصر تھے۔ کرامات اولیاء میں ان کا ایک مشہور واقعہ مذکور ہے۔

خطیب جمال الدین ہانسوی

شیخ جمال الدین ہانسوی تقوی اور دین داری کے ساتھ تمام علوم وفنون بالخصوص فقہ میں نمایاں تھے، امام ابوحنیفہؒ کی نسل سے تھے۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج کے اجلہ

خلفاء میں ہیں اور ان کے منظورِ نظر تھے۔ان کی محبت میں شیخ مسعود ۱۲رسال تک "ہانسی" میں قیام پذیر رہے اور انھیں بجائے جمال کے "جمالنا" کے لفظ سے یاد کیا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ جمال الدین دہلی گئے تو حضرت نظام الدین اولیاء نے ان کا کچھ ایسا استقبال نہیں کیا جیسا کہ اہل علم و فضل کا عام طور پر وہ نہایت احترام سے استقبال کیا کرتے تھے۔اس کی وجہ سے شیخ جمال الدین کے دل میں بڑا احساس ہوا اور حضرت نظام الدین اولیاء سے اس کی بابت دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اب تک ہم الگ الگ تھے ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہ تھا، اس لیے ہر ایک پر دوسرے کا احترام واکرام کرنا واجب تھا۔لیکن جب یہ ہمارے درمیان کی دوری ختم ہوگئی تو ہم ایک ہی شخص بن گئے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی انسان خود اپنا احترام نہیں کرتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تو حضرت نے اس سے شیخ جمال الدین کے بارے میں معلوم کیا اور کہا کہ ہمارے جمال کا کیا حال چال ہے؟اس نے بتایا کہ آپ سے جدا ہونے کے بعد وہ ایسے متقشف بن گئے کہ نہ ریاضت ومجاہدہ سے ایک لمحہ کے لیے غافل ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی دن روزے کا ناغہ ہوتا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت نظام الدین اولیاء کو خوشی ہوئی اور فرمایا۔ الحمد للہ۔

شاہ سندھ :چنیر سومرہ

چنیر سندھ کے سومرہ خاندان کے بادشاہوں میں تھا۔لیلی اور کونرو کے ساتھ اس کا قصہ سندھ میں مشہور ہے اور سندھی زبان میں اس پر نظم بھی کہی گئی ہے۔یہ نظم ادرکی بیگ لاری نے فارسی میں لکھی تھی۔ (تحفۃ الکرام)

جودر ہندی

جن علماء وحکمائے ہند کی طب ونجوم سے متعلق تصانیف کا ابن الندیم کو علم ہوا،

ان میں ایک جودر ہندی بھی ہیں۔

ابن ابی اصیبعہ نے "عیون الأنباء" میں لکھا ہے کہ جودر ہندوستان کے اطباء اور دانش وروں میں سے ایک با کمال حکیم اور دانش ور، اپنے عہد میں نمایاں اور ممتاز تھا۔ طب پر اس کی بڑی گہری نظر تھی اور علوم طب و حکمت پر اس کی بہت سی کتابیں ہیں۔ من جملہ ان کتابوں کے "کتاب المواليه" بھی ہے جس کا عربی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

شاہ الور کا بھائی: چھوٹا امرانی

صاحب "تحفة الكرام" نے لکھا ہے کہ "الور" (اروڑ) پاکستان کی تباہی و بربادی کے بعد، مہاراجہ الور دلوارائے "بہانبرا" معروف بہ برہمن آباد میں سکونت پذیر ہو گیا۔ اس کا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کا نام چھوٹا امرانی تھا چھوٹا امرانی، بچپن ہی سے مذہب اسلام کو عزیز رکھتا تھا چناں چہ وہ شہر سے ہجرت کر گیا، قرآن حفظ کیا ،اسلام کے عقائد اور احکام کا علم حاصل کیا اور بہت سچا پکا مسلمان بن گیا۔ جب یہ "برہمن آباد" پہنچا تو شہر والوں نے شادی کرنے کے لیے کہا مگر وہ تیار نہ ہوا۔ کسی رشتہ دار نے طنزاً اس سے کہا کہ شاید یہ "ترک" یعنی مسلمان کعبہ جا کر وہیں کسی سر برآوردہ عربی کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اتفاق دیکھئے کہ انھی دنوں "چھوٹا امرانی" حج کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔

ایک دن ایک عورت پر نظر پڑی جو کسی اونچی جگہ بیٹھ کر تلاوت کر رہی تھی۔ چناں چہ یہ قرآن سننے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ عورت نے کہا اے آدمی! تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ اس نے جواب دیا قرآن سننے کی خاطر۔ نیز کہا کہ اگر تم مجھے تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا سکھا دو تو میں تمہارا غلام ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر عورت بولی کہ میری استاذ فلاں شخص کی لڑکی ہے اگر تم لڑکیوں کا سا لباس پہن کر آؤ تو میں تمھیں اس کے پاس لے چلوں گی۔ یہ عورت علم نجوم میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ ایک روز اس کے پاس

ایک عورت اپنی لڑکی کے لیے اس سے طالع اور قسمت معلوم کرنے آئی۔ اس وقت ''چھوٹا'' وہیں موجود تھے۔ اس نے جب اس عورت کو جواب دیا تو چھوٹے نے اس سے کہا آپ لوگوں کے نصیب اور طالع جانتی ہیں مگر آپ کو اپنی قسمت کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہے؟ اس نے کہا کہ تم نے بہت اچھا یاد دلایا۔ اب تک مجھے اس طرح کی بات کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔ پھر اس نے اپنے نصیب کی بابت غور کیا اور کہنے لگی کہ میں ''سندھ'' سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کی بہو بنوں گی۔ چھوٹا بولا دیکھئے کہ ایسا کب ہوگا اور کیسے ہوگا؟ بولی جلد ہی ہوگا۔ چھوٹا نے کہا دیکھو وہ شخص کون ہے؟ تو اس نے غور کرنے کے بعد کہا قطعی طور پر وہ شخص تم ہو۔ تم ایسا کرو کہ میرے ابا کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دو کیوں کہ میں تمہاری قسمت میں ہوں۔ جب چھوٹا نے اس بات کا تذکرہ اس عورت کے والدین سے کیا تو انھوں نے اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر دی۔

ایک عرصے کے بعد چھوٹا اپنی بیوی ''فاطمہ'' کے ساتھ مکہ مکرمہ سے وطن واپس ہوا۔ جب دلوارائے کو ان کا قصہ معلوم ہوا تو حسب عادت ''فاطمہ'' کے تئیں بھی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر بھائی چھوٹا اس بات سے انکار کرتا رہا۔ ایک روز ''چھوٹا'' اپنے گھر سے باہر گیا تو دلوارائے فاطمہ کو دیکھنے کی خاطر اس کے گھر پر چلا گیا۔ ابھی وہ گھر میں ہی تھا کہ پیچھے سے ''چھوٹا'' آ گیا۔ اس سے پہلے وہ دیکھ ہی چکا تھا کہ دلوارائے نے اس کی بیوی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ وہ فوراً برہمن آباد سے نکل گیا اور چلا کر کہا کہ بادشاہ کی بدبختی اور بدچلنی کے باعث یہ شہر ویران اور تباہ و برباد ہونے والا ہے۔ چناں چہ تین رات کے اندر پورا شہر زمین میں دھنس گیا۔

❁❁❁

باب: ح

حبابہ سندھیہ

حبابہ سندھیہ، یزید بن عمرو بن ہبیرہ فزاری کی والدہ ہیں۔ مورخ ابن قتیبہ ''کتاب المعارف'' کے اندر عمرو بن ہبیرہ فزاری کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ یہ یزید بن عبدالملک کے عہد میں چھ سال تک عراق عرب اور عراق عجم کے گورنر رہے۔ اس کے بعد ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ حبابہ یزید بن عبدالملک کی باندی تھی، جسے ولایت عراقین کے عہد میں قید کیا گیا تھا۔ یہ اسے ''ابی'' کہہ کر پکارتی تھی۔ یزید بن عبدالملک کی وفات ''شام'' میں ہوئی۔ بعد میں عمرو کے تین لڑکے ہوئے یزید، سفیان اور عبدالواحد۔ یزید تو مروان بن محمد کی جانب سے عراق عرب اور عراق عجم دونوں کا پانچ سال تک والی رہا۔ یہ نہایت پاکیزہ سیرت شخص تھا۔ ہر ماہ اپنے یہاں آنے والے کو پانچ لاکھ درہم تقسیم کرتا، رمضان میں ہر شب لوگوں کو کھانا کھلاتا، پھر لوگوں کی دس ضرورتیں پوری کرتا تھا۔ یہ شکل وصورت کا بڑا حسین اور بارعب انسان تھا۔ اس کی ماں سندھ کی رہنے والی تھی۔

ابن قتیبہ نے عمرو بن یزید کی ماں کو جو سندھی بتایا ہے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہی حبابہ ہے جو یزید بن عبدالملک کی باندی تھی۔ واضح رہے کہ سندھ کی باندیاں بچوں کی دیکھ ریکھ، ان کی تربیت اور حسن خدمت کے اندر عربوں میں کافی مشہور تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ عرب اپنے بچوں کی پرورش، نگہ داشت اور دیکھ بھال کے لیے سندھ کی عورتوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ (قاضی)

حبیش بن سندھی بغدادی

خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' میں لکھا ہے کہ حبیش بن سندھی قطیعی نے عبیداللہ بن محمد حبیشی اور امام احمد بن حنبل سے حدیث بیان کی ہے اور ان سے محمد بن مخلد نے روایت کی۔ علامہ ابن الجوزی نے حضرت امام احمد بن حنبل کے مناقب میں ان کے شیوخ واصحاب میں حبیش بن سندھی کا بھی تذکرہ کیا ہے جنھوں نے امام موصوف سے علی الاطلاق حدیث بیان کی ہے۔

حسام الدین ملتانی

''نزھۃ الخواطر'' کے اندران کا تعارف اس طرح کیا گیا ہے: شیخ صالح حسام الدین ملتانی علم وفضل اور سلوک ومعرفت کے حوالے سے مشہور ومعروف رجال میں سے ہیں۔ انھوں نے سلوک وتصوف شیخ صدرالدین محمد بن زکریا ملتانی سے حاصل کیا۔ بعد میں ''بدایوں'' جاکر آباد ہوگئے اور وہیں انتقال کیا۔ انھوں نے وفات سے پہلے ایک مبارک خواب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہر بدایوں سے باہر ایک تالاب سے وضو فرمارہے ہیں۔ جب آنکھ کھلی تو دوڑ کر اس جگہ گئے، چناں چہ انھیں وضو کرنے کے آثار حقیقت میں نظر آئے لہٰذا انھوں نے وصیت فرمائی کہ انھیں اسی جگہ دفن کیا جائے۔ چناں چہ حسب وصیت ان کی تدفین اسی جگہ عمل میں آئی۔ یہ بدایوں کے قاضی بھی رہے وفات ۶۷۸ھ میں ہوئی۔

حاکم بامیان: حسن

یہ ''شیر بامیان'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ بامیان کے بادشاہ رہے ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے تھے۔ ان کا قدرے تفصیلی تذکرہ ''حرف شین'' کے تحت

آئندہ صفحات میں آئے گا۔

حسن بن ابوالحسن بدایونی

''نزھۃ الخواطر'' کے اندر ساتویں صدی ہجری کی شخصیات کے ذیل میں ان کی بابت لکھا ہے کہ شیخ صالح حسن بن ابوالحسن معروف بہ ''سن تاب'' رسی بٹنے والا اصحاب علم وفضل اور ارباب سلوک و معرفت میں سے تھے۔ انھوں نے قاضی حسام الدین ملتانی دفین بدایوں سے پڑھا۔ نیز قاضی حمید الدین محمد بن عطاء ناگوری سے بھی اکتساب علم کیا۔ شیخ ناگوری کی صحبت میں عرصے تک رہے اور درجہ کمال تک پہنچ گئے۔ ان کے حقیقی بھائی بدرالدین ابوبکر نے ان سے علم حاصل کیا۔ رسی بٹ کر اپنا گزبسر کرتے تھے۔ وفات اور تدفین دونوں بدایوں میں ہوئی

حسن بن حامد دیبلی بغدادی

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حسن بن حامد بن حسن بن حامد بن حسن بن حامد ابومحمد ادیب نے علی بن محمد بن سعید موصلی سے سنا، مجھ سے ان کی روایت سے محمد بن علی صوری نے حدیث بیان کی کہ وہ صدوق، صاحب ثروت تاجر تھے۔ بغداد کی ''زعفرانی'' گلی میں جو محلّہ ''خان ابن حامد'' ہے وہ انہی کی جانب منسوب ہے۔

خطیب نے مزید لکھا ہے کہ ہم سے صوری نے، ان سے حسن بن حامد بن حسن بن حامد بغدادی نے بتایا۔ یہ اصلاً دیبل کے رہنے والے ہیں، میں نے ان سے مصر میں سنا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسن بن علیل غزی نے، ان سے عبداللہ بن مسلمہ کے بھائی: عبدالعزیز بن مسلمہ ابن قعنب نے ہمیں ان کے یہاں معمولی ہی امان نظر آیا، وہ حدیث بیان کرتے اور روتے رہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبدالعزیز بن ابوحازم نے بیان کیا ان کے والد نے ابوسعید مقبری سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے

روایت کی کہ انھوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''مَنْ عَمَّرَہ اللّٰہُ سِتِّیْنَ سَنَۃً فقدْ أعذَرَ إلیہ فی العمر '' کہ اللہ تعالی نے جس شخص کو ساٹھ سال عمر دے دی تو عمر کی بابت اس نے اپنا پورا حق حاصل کرلیا۔

صوری نے مجھ سے کہا کہ یہ حدیث حافظ عبدالغنی بن سعید نے ایک شخص کی روایت سے بیان کی جس نے ہمارے شیخ ابو حامد سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن حامد نے بتایا کہ انھوں نے دعلج، ابوبکر محمد بن حسن نقاش اور ابوعلی طوماری سے سنی، تاہم ان کے پاس ان حضرات کی راویت سے کچھ بھی نہیں تھا۔ مزید لکھا ہے کہ ہمیں حسن بن علی جوہری اور علی بن محسن تنوخی نے سنایا، ان کا کہنا تھا کہ انھیں خود ابو محمد حسن بن حامد نے یہ شعر سنایا:

شریت المعالی غیر منتظر بها ۞ کسادا ولاسوقا یقوم لها أخری

ولاأنا من أهل المکاس وکلما ۞ توفرت الأثمان کنت لها اشری

''میں نے بلندیاں خریدلیں ان کی بابت نہ کساد بازاری کا انتظار کیا اور نہ ہی اس کا کہ کوئی دوسرا بازار لگے۔ نہ میں ٹیکس وصول کنندہ ہوں اور جب بھی قیمتیں گراں ہوتی ہیں تو میں ہی ان کا خریدار ہوتا ہوں''۔

خطیب فرماتے ہیں کہ مجھ سے صوری نے بیان کیا کہ ان سے حسن بن حامد نے بتایا کہ متنبّی بغداد آکر ان کا مہمان ہوا۔ اس نے ان سے ایک روز کہا اگر میں کسی تاجر کی منقبت سرائی کرتا تو تمہاری کرتا۔

خطیب لکھتے ہیں میرا خیال ہے کہ ان کی وفات مصر میں ابتدائے شوال ۴۰۷ھ میں بروز اتوار ہوئی۔

مؤرخ ابن عساکر ''التاریخ الکبیر'' میں فرماتے ہیں حسن بن حامد بن حسن بن حامد دیبلی ''بغدادی ادیب دمشق'' آئے اور انھوں نے ''دمشق'' اور ''مصر'' دونوں جگہوں پر احادیث بیان کیں۔ انھوں نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے

بیان فرمایا ''لو أتیت براحلتین: راحلة شکر و راحلة صبر لم أبال أیهما رکبت'' کہ اگر میرے پاس دو سواریاں لائی جائیں ایک راحلۂ شکر اور ایک راحلۂ صبر تو مجھے کوئی پروانہ ہوگی کہ میں ان دونوں میں سے کس پر سواری کروں۔ نیز یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ بیان کیا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''من عمره الله ستین سنةً فقد أعذر إلیه فی العمر'' اسے خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔

مؤرخ ابن الجوزی نے اپنی تاریخ ''المنتظم'' کے اندر ۳۸۵ھ میں وفات پانے والے کبار علماء کے تذکرے کے ضمن میں لکھا ہے کہ ابو محمد ادیب حسن بن حامد بن حسن بن حامد بن حسن بن حامد نے علی بن محمد بن سعید موصلی سے سنا، وہ ایک مالدار تاجر تھے، متنبّی جب بغداد آیا تھا تو انھیں کے یہاں قیام کیا تھا، یہی اس کے تمام امور کے نگراں اور ذمے دار تھے، اس موقع پر متنبّی نے ان سے کہا کہ اگر میں کسی تاجر کی تعریف و توصیف کرتا تو تمہاری کرتا۔ ان سے محدث صوری نے روایت کی، وہ صدوق تھے۔

آگے لکھا ہے کہ ہم سے قزاز نے بتایا ان سے احمد بن علی بن ثابت نے بیان کیا کہ مجھ سے جوہری اور تنوخی نے پڑھ کر سنایا ان کا کہنا تھا کہ ہم سے خود حسن بن حامد نے مذکورہ بالا شعر پڑھ کر سنایا۔

حسن بن حامد کی وفات کی بابت خطیب بغدادی اور ابن عساکر کی بات صحت سے زیادہ قریب ہے۔ جب کہ ابن الجوزی کی بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ (قاضی)

حسن بن محمد صغانی لاہوری بغدادی

''الجواهر المضیئه'' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ ابو الفضائل حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی بن اسماعیل قرشی، عدوی، عمری، الامام الحنفی حضرت عمرؓ کی نسل سے تھے۔ صغانی، محتد، لاہوری، متوفی بغداد، فقیہ، محدث، لغوی، معروف بہ رضی تھے۔ لوہوری لام پر زبر، واؤ پر سکون ہاء پر زبر کے ساتھ۔ یہ ہندوستان کے ایک

بڑے شہر ''لاہور'' کی جانب منسوب ہے۔ اسے لہاور بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش شہر ''لاہور'' میں بروز جمعرات ۱۰ر صفر ۵۷۷ھ میں ہوئی اور نشو ونما شہر ''غزنہ'' میں۔ ان کی بغداد آمد ماہ صفر ۶۱۵ھ میں ہوئی اور وہیں شب جمعہ ۱۹ر شعبان ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔ اپنے ہی گھر ''الحریم الطاھری'' میں مدفون ہوئے۔ بعد ازاں ان کی نعش دوبارہ تدفین کے لیے مکہ مکرمہ لے جائی گئی۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ انھوں نے وصیت کر رکھی تھی۔ نیز مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کرنے والے کو پچاس دینار دیے جانے کی بھی وصیت کی تھی۔ انھوں نے ۶۱۷ھ میں دیوان عزیزی سے ہندوستان ایک خط ارسال کیا تھا۔ وہاں سے خود ۶۲۴ھ میں واپس ہوئے، پھر اسی سال شعبان میں قاصد بنا کر وہیں واپس بھیج دیے گئے اور ہندوستان سے ۶۳۷ھ میں بغداد واپس ہوئے۔

انھوں نے مکہ مکرمہ، عدن اور ہندوستان میں سماع حدیث کیا۔ ''مجمع البحرین'' بارہ جلدوں میں لکھی ''العباب'' تصنیف کی اور اس کی تکمیل میں ابھی تین یا کچھ زیادہ لفظ رہ گئے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ فن لغت میں ''الشوادر'' تصنیف فرمائی۔ القلائد السمطیة فی شرح الدریدیة کی شرح لکھی۔ نیز ''التراکیب، فعال علیٰ وزن خدام وقطام، فعلان علی وزن سیان، کتاب الأفعال، کتاب المفعول، کتاب الأسفار، کتاب العروض، کتاب أسماء الأسد، کتاب أسماء الذئب، مشارق الأنوار النبویة، مصباح الدجیٰ، علم حدیث میں الشمس المنیرہ، شرح بخاری شریف (ایک جلد) درر السحابة فی وفیات الصحابة، مختصر الوفیات، کتاب الضعفاء اور کتاب الفرائض تالیف فرمائی۔ یہ نہایت نیک عالم تھے۔

صاحب جواہر مضیہ نے مزید لکھا ہے کہ مجھ سے حافظ دمیاطی نے بتایا کہ صغانی نے انھیں خود ہی بغداد میں یہ شعر پڑھ کر سنایا:

تسربلت سربال القناعة والرضا ❁ صبياً وكانا في الكهولة ديدني
وقد كان ينهاني إلى حف بالرضى ❁ وبالعفو أن أولي يدا من يدي دني

''میں نے بچپن میں قناعت اور رضا کو اپنا لباس اور بڑھاپے میں طبیعت ثانیہ بنالیا تھا۔ یہ بات مجھے روک کر رضا اور درگزر سے گھیر لیتی اور یہ کہ میں عفو و مسامحت کو اپنے ہاتھوں سے قریب کروں''۔

ابن رجب حنبلی ''ذیل طبقات الحنابلة'' للقاضی ابویعلی کے اندر موفق الدین ابو محمد عبدالقاہر بن محمد بن علی فوطی بغدادی کے تذکرے کے تحت لکھتے ہیں کہ میں نے ۴۸ھ یا ۴۹ھ میں بغداد کے اندر ابوالعباس احمد بن علی بن عبدالقاہر بن فوطی سے سنا کہ علامہ ابوالفضائل حسن بن محمد صغانی لغوی کا جب بغداد میں انتقال ہونے لگا تو انھوں نے وصیت فرمائی کہ انھیں مکہ مکرمہ لے جا کر دفنا دیا جائے۔ جب انھیں اٹھا کر لے جایا جانے لگا تو میرے جد محترم موفق الدین بن عبدالقاہر بن فوطی نے اس سلسلے میں فی البدیہ یہ شعر کہا۔ انھوں نے علامہ ابوالفضائل سے پڑھا تھا۔

أقول والشمل في ذيل النأي عثرا ❁ يوم الوداع ودمع العين قد كثرا
أبا الفضائل ! قد زودتني أسفا ❁ أضعاف مازدت قدري في الورى أثرا
قد كنت تودع سمع الدار منتظما ❁ فخذه من جفن عيني اليوم منتشرا

''آج جدائی کے دن جب کہ چادر دوری کے دامن میں لڑکھڑا رہی ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے ابوالفضائل! تم نے مخلوق میں جس قدر میرا مرتبہ بڑھایا، اس سے کہیں زیادہ افسوس میں مبتلا کیا۔ تم نے تو دیوار کے کانوں کو ایک پرویا ہوا ہار دے رکھا تھا تو آج میری آنکھوں کے پلکوں سے بکھرا ہوا حاصل کرلو''۔

یہ بات ہمارے شیخ نے اسی طرح ہم سے انقطاع کے ساتھ بتائی کیوں کہ انھوں نے اپنے دادا کو نہیں دیکھا۔

امام ذہبی ''دول الاسلام'' کے اندر ۶۵۰ھ میں رونما ہونے والے اہم

واقعات کے تحت لکھتے ہیں کہ اسی سال، صاحب تصانیف کثیرہ علامہ رضی الدین حسن بن محمد ہندی قنعانی صغانی کی بغداد میں وفات ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر تہتر سال تھی۔

علامہ ابن العماد حنبلی نے ''الشذرات'' کے اندر ۶۵۰ھ کے تحت لکھا ہے کہ اسی سال علامہ رضی الدین ابوالفضائل حسن بن محمد بن حیدر عدوی عمری ہندی لغوی، مقیم بغداد کا انتقال ہوا۔ ان کی پیدائش ۵۷۷ھ میں شہر لاہور میں ہوئی اور نشو ونما غزنہ میں۔ بعد میں بغداد آئے۔ پیغام رسانی کی بابت بار بار ہندوستان آئے گئے۔ انھوں نے مکہ مکرمہ میں ابوالفتوح بن مصری سے اور بغداد میں سعید بن رزاز سے سماع کیا۔ عربی زبان دانی ان پر ختم تھی، فن لغت میں ان کی کئی اہم کتابیں بھی ہیں۔ علاوہ ازیں دین ودیانت کے ساتھ فقہ وفتاوی میں بھی بصیرت رکھتے تھے۔ وفات ماہ شعبان میں ہوئی اور نعش مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کی گئی۔

''نزھۃ الخواطر'' کے اندران کے سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

جب یہ بڑے ہو کر سن شعور کو پہنچ گئے تو اپنے والد محترم سے حصول علم کیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے شہر لاہور کے منصب قضاء کی پیش کش کی مگر انھوں نے منظور نہ کی اور غزنہ جا کر تدریس وافادہ میں مصروف ہو گئے۔ وہاں سے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور ایک عرصے تک قیام پذیر رہ کر مکہ مکرمہ نیز عدن کے علماء سے حدیث کا سماع کیا۔ خلیفہ ناصرلدین اللہ عباسی کے عہد میں ۶۱۵ھ میں دوبارہ بغداد گئے خلیفہ نے انھیں بلوایا۔ خلعت سے نوازا اور خط دے کر ۶۱۷ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے پاس ہندوستان بھیجا، جہاں کئی سال مقیم رہے اور ۶۲۴ھ میں ہندوستان سے واپس ہوتے ہوئے حج کیا۔ یمن گئے اس کے بعد بغداد واپس آئے۔ ایک بار پھر مستنصر باللہ عباسی کی طرف سے قاصد بن کر سلطانہ رضیہ کے پاس ہندوستان آئے اور وہاں سے ۶۳۷ھ میں بغداد واپس لوٹے اور وفات پائی۔

علامہ دمیاطی فرماتے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک نجومی تھا، اس نے ان کی پیدائش کے وقت ہی موت کی بات بتادی تھی۔ چنانچہ انھیں اس دن کا انتظار رہتا تھا آخرکار وہ دن آ گیا۔ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، ساتھیوں کے لیے کھانا تیار کرایا اور ہم ان سے جدا ہو کر ساحل دریا چلے گئے، وہیں ایک شخص نے مجھے ان کی وفات کی خبر دی۔ میں نے کہا ابھی تو ہم چند ساعت پہلے ان کے ساتھ تھے۔ اتنے میں قاصد آیا اور ان کے اچانک انتقال کی خبر دی۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہ بہت نیک سیرت عالم، خاموش طبیعت، فضول گوئی سے دور، فقیہ محدث ماہر لغت اور جملہ علوم وفنون میں انھیں دست رس تھی۔ مکہ مکرمہ، عدن اور ہندوستان کے مشائخ سے حدیث سنی اور کبار علماء کی صحبت سے بہرہ ور رہے۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ فن جرح وتعدیل سے بھی اعتناء کیا ان کی تصنیفات چار دانگ عالم میں پھیل گئیں اور اس وقت کے تمام علماء نے سر نیاز ان کے سامنے خم کیا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ یہ عربی زبان کے علم بردار شخص تھے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ لغت دانی ان پر ختم تھی۔ دمیاطی فرماتے ہیں کہ یہ لغت فقہ اور حدیث میں امام تھے۔ ان سے شیخ شرف الدین دمیاطی، نظام الدین محمود بن عمر ہروی، محی الدین ابوالبقاء صالح بن عبداللہ بن جعفر بن علی بن صالح اسدی کوفی معروف بہ ابن الصباغ، ''آثار النیرین فی اخبار الصحیحین'' کے شارح برہان الدین محمود بن ابوالخیر اسعد بلخی اور دوسرے بہت سے علماء ومحدثین نے اکتساب فیض کیا۔

ان کی ایک کتاب کا نام ''مشارق الانوار النبویۃ فی صحاح الاخبار النبویۃ'' ہے۔ اس میں انھوں نے دو ہزار چھیالیس احادیث جمع کی ہیں۔ ہر باب اور ہر نوع کے شروع میں اس میں مذکور احادیث کی تعداد ذکر کر دی ہے اور اس کی بابت یہ الفاظ لکھے ہیں: ''هذا كتاب أرتضيه وأستضيئ بضيائه والعمل بمقتضاه لخزانة المستنصر بن الظاهر بن الناصر المستضئ العباسی

الحمد للّٰه محی الرحم ومجری القلم الخ'' مزید لکھا ہے کہ جب میں ''مصباح الدجی اور الشمس المنیرۃ'' کی تالیف سے فارغ ہوا تو ان میں نے اپنی دوسری دو کتابوں: النجم والشہاب کی احادیث بھی شامل کر دیں، تا کہ یہ صحیح احادیث کی جامع ہو جائیں۔ آگے لکھا ہے کہ یہ کتاب فیما بینی وبین اللہ صحت ورضا کی بابت حجت ہے۔ اس میں مختلف حروف کے ذریعے دواوین حدیث کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً خاء سے صحیح بخاری، میم سے صحیح مسلم اور قاف سے ان دونوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب نہایت عمدہ ہے، کل بارہ ابواب ہیں۔ پہلے باب میں دو فصلیں ہیں: پہلی فصل کے اندر ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن کے شروع میں ''من'' موصولہ یا شرطیہ ہے اور دوسری میں ایسی احادیث سے اعتناء ہے جن کا آغاز، ''من'' استفہامیہ سے ہوتا ہے۔ دوسرا باب ایسی احادیث پر مشتمل ہے جن کے شروع میں ''ان'' ہے اس باب میں دس فصلیں ہیں۔ تیسرا باب ''لا'' کی بابت۔ چھوتھا باب ''اذ'' اور ''اذا'' سے شروع ہونے والی احادیث پر مشتمل ہے۔ پانچویں باب میں بھی دو فصلیں ہیں: پہلی فصل حرف ''ما'' اور اس کی اقسام سے متعلق احادیث کے لیے ہے اور دوسری ''یاء'' اور اس کے متعلقات کے لیے۔ چھٹے باب میں بارہ فصول ہیں۔ قد، لو، بین اور ہکذا وغیرہ الفاظ سے شروع ہونے والی احادیث کے لیے۔ ساتواں باب سترہ فصول پر محیط ہے، جن میں مبتدا نیز معرف باللام وغیرہ سے اعتناء ہے۔ آٹھویں باب میں چھ فصول ہیں۔ نواں باب ''عدد'' وغیرہ کے بیان میں۔ دسواں فعل ماضی سے متعلق، گیارہواں ''لام ابتداء'' کی بابت اور بارہواں باب اسمائے قدسیہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں ہیں، ان میں سے کئی ایک کا تذکرہ ''چلپی'' نے ''کشف الظنون'' میں بھی کیا ہے۔

صاحب تذکرہ کی ایک کتاب ''مصباح الدجی فی حدیث المصطفی'' ہے۔ چلپی نے لکھا ہے کہ اس میں حدیث کی سندیں مذکور ہیں۔ حدیث میں ایک

دوسری کتاب ''الشمس المنیرة'' بھی ہے۔ فن لغت میں بیس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب ''العباب الزاجر'' بھی انہی کی تصنیف کردہ ہے۔ علامہ چلپی نے ''کشف الظنون'' میں لکھا ہے کہ شیخ صغانی بھی اس کتاب کو مکمل نہ کر سکے۔ میم کی تختی تک پہنچ کر ''بکم'' کے مادہ کی بابت لکھ ہی رہے تھے کہ وفات ہوگئی۔ اس وجہ سے یہ شعر کہا گیا:

ان الصغانی الذی ۞ حاز العلوم والحکم
کان قصاری امرہ ۞ ان انتھی الی بکم

''صغانی جنہوں نے علوم وحکم کو جمع کیا، ان کا آخری معاملہ یہ رہا ہے کہ ''بکم'' تک رہ گئے''۔

چلپی نے لکھا ہے کہ ''العباب الزاجر'' کی ترتیب جوہری کی ''الصحاح'' کی ترتیب کے مطابق ہے۔ علامہ تاج الدین بن مکتوم ابومحمد بن عبدالقادر قیسی حنفی متوفی ۷۴۹ھ نے العباب الزاجر'' اور ''کتاب الحکم'' دونوں کو یکجا کردیا ہے۔ علم لغت پر ان کی دوسری کتابیں یہ ہیں: مجمع البحرین، النوادر فی اللغة والتراکیب، أسماء الفارة، أسماء الأسد، أسماء الذئب، نیز بخاری شریف کی ایک شرح بھی لکھی۔ علاوہ ازیں درر السحابة فی وفیات الصحابة، العروض، شرح أبیات المفصل، بغیة الصدیان، کتاب الافتعال، شرح القلادة السمطیة فی توشیح الدریدیة، کتاب الفرائض، بھی ان کی تصانیف ہیں۔ دو چھوٹے چھوٹے رسالے بھی لکھے، جن میں موضوع احادیث کا احاطہ کیا گیا۔ ان دونوں کے بارے میں حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے ''الفوائد البھیة فی تراجم الحنفیة'' میں لکھا ہے کہ انھوں نے ان میں کچھ ایسی احادیث بھی شامل کردیں جو موضوع نہیں ہیں، اسی بناء پر انھیں ابن الجوزی اور صاحب ''سفر السعادة'' جیسے متشدد ائمہ جرح وتعدیل میں شمار کیا جاتا ہے۔

علامہ سخاوی نے "فتح المغيث بشرح الفية الحديث" میں لکھا ہے کہ صغانی نے ان دونوں رسالوں کے اندر "الشهاب" للقضاعي والنجم" للأقليتي وغيره مثلاً أربعين لإبن ودعان، الوصية لعلي بن أبي طالب، خطبة الوداع، أبو الدنيا انج، نسطور یغنم بن سالم، دینار اور سمعان کی احادیث ذکر کی ہیں نیز ان میں بعض صحیح حسن اور ایسی احادیث بھی نقل کی ہیں، جن میں معمولی سا ضعف ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ امام صغانی لاہوری کا موضوع احادیث پر تالیف کردہ رسالہ شیخ محمد ابو المحاسن قاوقجی کی کتاب "اللؤلؤ المرصوع فيما لاأصل له أوبأصله موضوع" کے آخر میں چھپا ہوا ہے، جو چھوٹے سائز کے ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتداء ان الفاظ سے کی گئی ہے: الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام الأكملان الأتمان على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم. امام موصوف کی مندرجہ کتابیں، درج ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں:

"العباب الزاجر" کا پہلا حصہ مصر کے مکتبہ خدیویہ میں ہے۔ اس کے چار حصے ترکی کے مکتبہ "آیا صوفیا" کے اندر ہیں جب کہ "التكملة والذيل والصلة" کا ایک با اعراب قلمی نسخہ چھ جلدوں پر مشتمل "مکتبہ خدیویہ" میں ہے۔ یہ نسخہ ان کی زندگی میں ہی ۶۴۲ھ میں لکھا گیا ہے، اس کے حاشیے پر ان کتابوں کے نام درج ہیں جن سے انھوں نے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی "درر السحابة" کا ایک نسخہ، حروف تہجی کی ترتیب پر لکھا ہوا "مکتبہ خدیویہ" میں ہے۔ یہ چھوٹے سائز کے چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ "مجمع البحرين" کا بھی ایک نسخہ مکتبہ مذکور میں ہے۔ اس کی بارہ میں سے دو جلدیں مکتبہ ہذا میں ہیں۔ ان کے کل صفحات ۲۵۰۰ رہیں۔ اس کے مقدمے میں یہ بات مذکور ہے کہ یہ کتاب التاج في اللغة، الصحاح العربية للجوهري اور كتاب التكملة والذيل

والصلة کو جامع ہے۔ ہر مادہ کا ماخذ ومصدر بھی حرف ''صاد'' کے ذریعہ اگر ''صحاح'' ماخذ ہو یا ''ت'' سے اگر ''التکملة'' ماخذ متعین کر دیا گیا ہے۔ ''کتاب الاضداد'' برلین کی لائبریری میں موجود ہے۔ (بحوالہ: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ)

حسن بن صالح بن بہلہ ہندی بغدادی

ابن ابی اصیبعہ نے ''عیون الأنباء فی طبقات الأطباء'' کے اندر ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے دادا: صالح بن بہلہ کا ذکر آئندہ صفحات سے آرہا ہے۔

حسن بن علی بن حسن داوری سندھی

مقام ''داور'' کے تذکرے میں حموی نے لکھا ہے کہ ابوالمعالی حسن بن علی بن حسن داوری کی ایک کتاب ''منہاج العابدین'' ہے۔ یہ اپنے مسلک کے بڑے عالم اور نہایت فصیح وبلیغ زبان کے مالک تھے۔ ان کا ایک عمدہ شعری دیوان بھی تھا، جسے کسی نے چرالیا اور امام غزالی کی جانب منسوب کر دیا۔ چوں کہ امام غزالی بہت شہرت یافتہ تھے۔ اس لیے ان کے نام سے یہ دیوان بھی خوب عام ہوا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ شعر وسخن سے متعلق امام موصوف کی کوئی بھی کتاب نہیں ہے۔ یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ دیوان کسی اور کا ہے اور مصنف میر عبداللہ بن کرام کے حوالے سے جو بات منقول ہے تو اس میں اس کا نام حذف کر دیا گیا ہے، تا کہ ان کی کتابوں کی تلاش وتحقیق کرنے والے پر یہ امر ظاہر نہ ہو سکے۔ شیخ داوری کی وفات بیت المقدس میں ۴۴۵ھ میں ہوئی جیسا کہ علامہ سلفی نے لکھا ہے۔

حسن بن محمد سندھی کوفی

یہ حضرت ابان بن محمد سندھی کوفی کے حقیقی بھائی ہیں، جن کا تذکرہ پہلے گزر

چکا ہے وہیں ملاحظہ کیا جائے۔

حسین بن محمد بن ابو معشر نجیح سندھی بغدادی

خطیب تاریخ بغداد میں رقم طراز ہیں کہ ابوبکر حسین بن محمد بن ابو معشر نجیح نے اپنے والد، محمد بن ربیعہ اور وکیع بن جراح سے حدیث کی روایت کی اور ان سے محمد بن احمد حکیمی، اسماعیل بن محمد صفار، علی بن اسحاق مادرانی اور ابوعمر السما لک نے روایت حدیث کی۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن مخلد بن جعفر نے خبر دی، ان سے محمد بن احمد بن ابراہیم حکیمی نے اور ان سے ابوبکر حسین بن محمد بن ابو معشر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے امام وکیع نے ہشام دستوائی کی روایت سے، انھوں نے حضرت قتادہ سے، انھوں نے حضرت حسن سے اور انھوں نے حضرت قیس بن عباد کی روایت سے بتایا کہ انھوں نے فرمایا:

”كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال وعند الذكر“.

”حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازے کے وقت، جنگ اور ذکر خداوندی کے وقت آواز بلند کرنے کو ناگوار سمجھتے تھے“۔

آگے لکھتے ہیں کہ ہم سے قاضی ابوعبداللہ صمیری اور محمد بن عمران مرزبانی نے بیان کیا، ان سے عبدالباقی بن قانع نے بتایا کہ امام وکیع بن جراح کے شاگرد: ابن ابو معشر ضعیف تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عبدالواحد نے اور ان سے محمد بن عباس نے بیان کیا اور فرمایا کہ انھوں نے ابن المناد کے سامنے پڑھا اور میں سن رہا تھا، انھوں نے کہا کہ معشری کا حضرت ابو معشر مدنی کی نسل سے تعلق ہے۔ یہ شارع باب خراسان میں قیام کرتے تھے۔ انھوں نے امام وکیع سے روایت حدیث

کی، مگر ثقہ نہیں تھے، اسی وجہ سے لوگوں نے ان سے روایت لینا ترک کر دیا۔ ان کی اور ابوعون بزوری کی وفات ایک ہی دن ہوئی۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ابوعون کی وفات بروز پیر، ۹؍رجب ۲۷۵ھ میں ہوئی۔

حسین بن محمد بن اسد دیبلی دمشقی

علامہ ابن عساکر ''التاریخ الکبیر'' میں فرماتے ہیں کہ ابو القاسم حسین بن محمد بن اسد دیبلی نے حضرت ابویعلی موصلی وغیرہ محدثین سے ''دمشق'' میں روایت حدیث کی اور ان سے حضرت جابرؓ تک انہی کی سند سے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بایع النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدبراً'' انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ وقت واپسی بیعت کی۔ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب صحیح ہے۔ صاحب تذکرہ: حسین بن محمد نے ''دمشق'' میں ۳۴۰ھ میں روایت حدیث کی۔

شاہ مکران: حسین بن معدان

مورخ ابن ابی اصیبعہ نے مشہور مصری طبیب ابوالحسن علی بن رضوان متوفی ۴۵۳ھ کے تذکرے کے تحت اس کی تصانیف ورسائل کا ذکر کرتے ہوئے ان کا بھی تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ دستور کا نسخہ جسے شاہ مکران: ابوالعسکر حسین بن معدان نے اپنے جسم کے بائیں حصے میں فالج ہونے کی حالت میں روانہ کیا اور ابن رضوان نے اس کا جواب دیا۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ شاہ مکران: حسین بن معدان کی بابت مجھے اس کے سوا کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ پانچویں صدی ہجری میں تھا اور نہایت عظیم الشان بادشاہ تھا۔ نیز یہ کہ مصری طبیب نے فالج کی بابت اس کے کہنے پر اس موضوع پر ایک کتاب لکھی۔

شاہ ہند: حلیشہ بن داہر

بلاذری نے "فتوح البلدان" کے اندر فتح سندھ کے بیان میں لکھا ہے کہ پھر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات ہوگئی اور اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ انھوں نے دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے، جن کے ذریعے انھیں قبول اسلام اور طاعت وفرماں برداری کی دعوت دی تھی۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کردی تھی کہ انھیں علی حالہ بادشاہ برقرار رکھا جائے گا۔ ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ان جملہ بادشاہوں کو اس سے پہلے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سیرت وشخصیت کی بابت معلومات ہوچکی تھیں۔ اس کے نتیجے میں "حلیشہ" سمیت بعض دوسرے بادشاہوں نے اسلام قبول کرکے عربوں جیسے نام بھی رکھ لیے۔ اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کے گورنر عمرو بن مسلم باہلی تھے۔ اس نے ہندوستان کے کچھ دوسرے علاقوں پر حملہ کرکے ان کو فتح کرلیا۔ بعد میں عمرو بن ہبیرہ فزاری کی طرف سے جنید بن عبدالرحمٰن مری کو حدود سندھ کا عامل مقرر کیا گیا۔ پھر ہشام بن عبدالملک نے بھی اسے اس علاقے کا گورنر بنایا۔ جب خالد بن عبداللہ قسری عراق آئے تو ہشام نے جنید کو خط لکھ کر اسے خط وکتابت جاری رکھنے کا حکم دیا۔ جنید "دیبل" آکر ساحل "مہران" پر فروکش ہوگیا۔ مگر حلیشہ نے دریا عبور کرنے سے روک دیا اور قاصد بھیج کر یہ کہلوایا کہ میں مسلمان ہوچکا ہوں اور مجھے میرے ملک کا حکمراں ایک نیک شخص عمر بن عبدالعزیز نے برقرار رکھا ہے جب کہ تمہارے تئیں مجھے اطمینان نہیں ہے۔ بالآخر اس نے جنید کے اور جنید نے اس کے پاس رہن رکھا۔ بعد میں دونوں نے ایک دوسرے کا رہن واپس کردیا اور حلیشہ مرتد ہوکر آمادہ پیکار ہوگیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حلیشہ مرتد نہ ہوا تھا بلکہ جنید ہی نے اس پر زیادتی کی

جس کی وجہ سے وہ ہندوستان آیا، بہت سارا لشکر فراہم کیا، کشتیاں لیں اور آمادۂ جنگ ہوا۔ یہ دیکھ کر جنید بھی کشتیاں لے کر مقابلے کو چل پڑا اور مشرقی نالے پر دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ حلیشہ گرفتار ہو گیا اس کی کشتی زمین سے لگ گئی جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کا دوسرا بھائی صعصہ بن داہر بھاگ کر عراق جانا چاہتا تھا تاکہ جنید کی بدعہدی کی شکایت کرے، مگر جنید نے اس کی ہر طرح دل بستگی کی تا آں کہ اس نے جنید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی جنید نے اسے قتل کرا دیا۔

دوسرے بادشاہوں کی طرح راجہ داہر کے دونوں لڑکوں: حلیشہ اور صعصہ کے مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ علامہ بلاذری نے حلیشہ کی بابت دوبارہ کفر اختیار کرنے اور برسر پیکار ہونے کی جو بات لکھی ہے وہ مشکوک ہے۔ بلکہ لگتا ہے کہ جنید کی جنایت و زیادتی اور عہد شکنی نے اسے جنگ پر آمادہ کیا۔ قابل ذکر ہے کہ ان تمام حکمرانوں نے بلاذری کی تصریح کے مطابق پہلی صدی ہجری کے اختتام پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں اسلام قبول کیا۔ اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن عبد ربہ اندلسی نے "**العقد الفرید**" میں نعیم بن حماد کی روایت سے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہندوستان کے راجہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک خط بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

> "راجاؤں کے راجہ کی طرف سے جو خود بھی ہزار راجاؤں کے راجہ کا فرزند ہے اور جس کے نکاح میں بھی ہزار راجاؤں کے راجہ کی صاحب زادی ہے جس کے پاس ایک ہزار ہاتھیاں ہیں جو ایسی دو دریاؤں کا مالک ہے، جو عود، آلو، اخروٹ اور کافور اگاتی ہیں اور جس کی خوشبو بارہ میل کی مسافت سے محسوس کر لی جاتی ہے، شاہ عرب کے نام، جو کسی چیز کو خدا شریک نہیں سمجھتا، اما بعد! میں نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا ہے۔ وہ ہدیہ نہیں بلکہ تحیہ اور خط ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے یہاں کسی ایسے شخص کو بھیج دیں جو مجھے دین کی تعلیم دے اور مذہب اسلام سمجھا سکے۔ والسلام"۔

پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت میں "سندھ" سے مراسلات و ہدایات اور مضامین آتے رہتے تھے اور دوسرے مسلم علاقوں کی طرح سندھ میں بھی خلافت اسلام کے احکام نافذ تھے۔ چناں چہ مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ شہر "سیوستان" میں میری ملاقات وہاں کے مشہور خطیب وواعظ معروف بہ "شیبانی" سے ہوئی، انھوں نے مجھے اپنے جدِ اعلیٰ کے نام حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خط دکھایا، جس میں انھیں اس شہر کی "خطابت" کا منصب دیا گیا تھا اور اس وقت سے اب تک (۷۳۴ھ) یہ عہدہ اس خاندان میں نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے۔ اس تحریر کا مضمون یہ تھا: یہ وہ بات ہے جس کا حکم فلاں کو بندہ خدا امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے دیا، تاریخ تحریر ۹۹ھ تھی۔ امیر حضرت عمر بن عبدالعزیز ہی کے قلم سے لکھا ہوا تھا الحمد للہ وحدہ الخ جیسا کہ خطیب مذکور شیبانی نے مجھے بتایا۔ (ابن بطوطہ)

حمزہ منصوری

مسعودی نے "مروج الذہب" میں لکھا ہے کہ میں ملک "منصورہ" کے اندر ۳۰۰ھ کے بعد داخل ہوا۔ اس وقت وہاں کا بادشاہ ابوالمنذر عمرو بن عبداللہ تھا۔ میں نے "منصورہ" میں ابوالمنذر کے وزیر "رباح" اس کے دونوں شاہ زادوں: محمد اور علی، ایک عربی سید شخص اور امرائے عرب میں سے ایک یعنی "حمزہ" کو بھی دیکھا۔

اندازہ ہے کہ "حمزہ" ان عربوں کی نسل سے ہوں، جو زمانہ قدیم سے "منصورہ" میں آباد تھے اور یہ کہ حمزہ کی ولادت اور نشو ونما وہیں ہوئی ہو۔ (قاضی)

سلطان التارکین: حمید الدین بن احمد سوالی، ناگوری

ان کی بابت "نزہۃ الخواطر" میں مولانا عبدالحی حسنیؒ نے لکھا ہے کہ یہ سلطان التارکین کے لقب سے مشہور ومعروف تھے۔ قطب الدین ایبک کے فتح

دہلی کے بعد، سب سے پہلے دارالسلطنت دہلی میں انھیں کا تولد ہوا۔ یہ جلیل القدر اور عشرۂ مبشرہ میں شامل صحابی حضرت سعید بن زیدؓ کی نسل سے تھے۔ شریعت وطریقت کے امام شیخ معین الدین حسن سنجری سے اجازت حاصل کی اور ایک عرصے تک ان کی صحبت میں رہے۔ شیخ سنجری نے ان کے زہد وقناعت اور آسائش حیات سے حددرجہ بے نیازی کے پیش نظر انھیں ''سلطان التارکین'' کا لقب دیا۔ فقر ومسکنت، زہد وقناعت اور انابت الی اللہ میں نہایت ممتاز تھے۔ ریاست ''ناگپور'' کے ایک گاؤں ''سوالی'' میں ان کی ایک ایکڑ زمین تھی، جس میں کاشت کر کے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گزر بسر کرتے تھے۔ ان کی متعدد کتابیں اور تلامذہ ومریدین کے نام بہت سے مکاتیب ہیں۔ مشائخ چشتیہ میں تصنیف وتالیف کرنے والے یہ پہلے شخص تھے۔ ان کی تصنیف کردہ کتابوں میں ''أصول الطریقة'' زیادہ مشہور ہے۔ ۲۹ر ربیع الثانی ۶۷۳ھ میں وفات پائی اور ناگپور میں دفن کئے گئے۔

علامہ ''محبی'' نے اپنی کتاب ''خلاصة الأثر فی أعیان القرن الثانی عشر'' کے اندر شیخ تاج الدین بن زکریا ہندی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ یہ خواجہ معین الدین چشتی کے حکم سے ''ناگپور'' تصوف وطریقت لے کر آئے، جہاں ایک خلوت گاہ میں بیٹھ کر چشتیہ سلسلے کے مطابق ذکر واذکار میں مشغول رہنے لگے، کبھی کبھی شیخ حمید الدین ناگوری کے مزار پر حاضر ہو کر طریقت کے آداب سیکھتے، جس سے انھیں بہت کچھ مقام ومرتبہ حاصل ہوا۔

والی ملتان: شیخ حمید باطنی

شیخ حمید باطنی والی ملتان، سلطان الپتگین اور سبکتگین کے ہم عصر تھے۔ ان کا لڑکا: نصر بن حمید نے انہی سالوں ۳۵۱ھ تا ۳۹۰ھ میں اپنے باپ کے تخت حکومت پر قبضہ کرلیا۔ ابوالفتوح داؤد بن نصر بن حمید ۴۰۱ھ کے آس پاس کا ہے اور محمود

غزنوی کا معاصر ہے۔ شیخ حمید باطنی فرقۂ اسماعلیہ کے بڑے اور نہایت اہم عالم، داعی و مبلغ تھے، اس کا اندازہ، انھیں ''شیخ'' کا لقب دیے جانے سے ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اسماعیلی فرقے میں اسی شخص کو ''شیخ'' کہا جاتا ہے جو نہایت اہم اور بڑے علم وفضل کا مالک ہو۔ جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''عرب وہند کے تعلقات'' سے معلوم ہوتا ہے۔

شاہ سندھ: حمید سومرہ

حمید، سومرہ خاندان کا فرد اور سندھ کا حکم راں تھا۔ لیکن تاریخ میں اس کا عہد حکمرانی متعین طور پر معلوم نہیں کہ آیا یہ عمر سومرہ سے پہلے تھا یا بعد میں؟ بعض اہل تحقیق علماء کی رائے ہے کہ یہ سومرہ خاندان کا آخری حکمراں تھا۔ اس رائے کے مطابق اس کا دور بالیقین عمر سومرہ کے بعد ہے، اس کے عہد حکومت کی دل چسپ داستان ملک گوجر کی شاہ زادی ''مومل'' کا واقعہ ہے، جس کی تفصیل سندھی زبان میں منظوم شکل میں موجود ہے اور ملا مقیم نے فارسی میں اس کو نظم کی شکل میں لکھا ہے۔

حیدان سندھیہ

مورخ ابن قتیبہ نے ''المعارف'' میں لکھا ہے کہ زید بن علی بن حسین کی کنیت، ابوالحسن اور ماں سندھی تھی۔ انھوں نے ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں ۱۲۲ھ میں خروج کیا۔ ہشام نے ان کی سرکوبی کے لیے یوسف بن عمر عباسی مری کو بھیجا انھیں میں سے ایک شخص نے انھیں تیر سے ہلاک کر دیا بعد میں سولی پر چڑھائے گئے۔

اس سے پہلے ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جہاں تک علی بن حسین اصغر کا تعلق ہے تو حسین کی ان کے علاوہ کسی سے نسل نہ چلی۔ پھر ان کی اولاد کو شمار کراتے ہوئے لکھا ہے کہ عمر اور زید ''حیدان'' نامی ام ولد سے پیدا ہوئے، اس طرح زید بن علی کی یہی

سندھی ماں ہوں۔ نیز لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔ اس پر عبدالملک نے عار دلانے کے لیے انھیں ایک خط لکھا۔ جس کے جواب میں حضرت علی نے یہ آیت لکھی "لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة" بعد میں لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفیہ بنت حی کو آزاد کر کے ان سے شادی کی تھی۔ اسی طرح زید بن حارثہ کو آزاد کر کے ان کی شادی اپنی چچا زاد بہن: زینب بنت جحش سے کی۔ قاضی صاحب کا خیال ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ یہ آزاد کردہ باندی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شادی کی، زید بن علی کی ماں حیدان سندھیہ ہی ہو۔ (قاضی)

باب: خ

خاطف ہندی، افرنجی

ابن ندیم نے ان کا تذکرہ علم کیمیاء پر کلام کرنے والے فلاسفہ میں کیا ہے۔ ان کا نام خاطف ہندی افرنجی لکھا ہے اور ان سے پہلے نیز بعد میں چند دوسرے فلاسفہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

خاطف ہندی دوسری صدی ہجری کے تھے۔ افرنجی کی نسبت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کیمیاء حاصل کرنے کے لیے انھوں نے ''فرانس'' کا سفر کیا اور وہاں ایک عرصے تک مقیم رہے۔ (قاضی)

خلف بن سالم سندھی بغدادی

خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ مولی المہالبہ ابو محمد خلف بن سالم مخزمی سندھی تھے۔ انھوں نے ابوبکر بن عیاش، ہیثم بن بشیر، یحییٰ بن علیہؔ، سعد بن ابراہیم بن سعد، ان کے بھائی: یعقوب بن ابراہیم، معین بن عیسی، ابونعیم فضل بن دکین، محمد بن جعفر غندر، یزید بن ہارون، وہب بن جریر اور عبدالرزاق بن ہمام سے روایت کی۔ ان سے اسماعیل بن ابوحارث، حاتم بن لیث، یعقوب بن شیبہ، احمد بن ابوخیثمہ طیالسی، عباس دوری، یعقوب بن یوسف مطوعی، حسن بن علی معمری اور احمد بن حسن بن عبدالجبار صوفی نے روایت حدیث کی۔

مزید لکھا ہے کہ ہم سے احمد بن ابوجعفر، ان سے محمد بن عدی بن زجر بصری نے، ان سے ابوعبید محمد بن علی آجری نے بیان کیا کہ ابوداؤد سلیمان بن اشعث نے کہا کہ میں

نے خلف بن سالم سے پانچ احادیث سنیں جنھیں احمد بن حنبل سے بھی سنا مگر وہ خلف بن سالم سے روایت نہیں کر رہے تھے۔ مجھ سے بہ روایت محمد بن عباس بن فرات بیان کیا گیا کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھ سے حسن بن یوسف صیرفی نے بتایا، ان سے خلاّل نے اور ان سے علی بن سہل بن مغیرہ بزار نے بتایا کہ میں نے خود احمد بن حنبل سے سنا، ان سے خلف بن سالم کی بابت معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ ان کی صداقت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

نیز لکھا ہے کہ ہم سے برقانی نے، ان سے ابو احمد حسین بن علی تمیمی نے، ان سے ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائینی نے اور ان سے ابوبکر مروزی نے بیان کیا۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے خلف مخرمی کی بابت سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ محدثین نے ان کی احادیث کی متابعت کی وجہ سے ان پر طعن کیا ہے لیکن میری رائے ہے کہ وہ صدوق ہیں۔ نیز فرمایا کہ انصاری کے ساتھ ایک بات میں شریک ہونے کے باوجود مجھے ان کے کذب کا علم نہیں ہے۔ ان سے ایک ناپسندیدہ بات منقول ہے۔ جب وہ کسی کے لیے کسی چیز کا حکم دیتے تو اسے خود خرید لیا کرتے۔ میری رائے ہے کہ وہ امداد کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ تعاون کرنا اس کام سے بہتر ہے۔ بعد میں امام موصوف نے فرمایا کہ میرے علم کے مطابق وہ قناعت پسند اور پاک دامن تھے۔ نیز رقم طراز ہیں کہ ہم سے عباس کے تلمیذ علی بن حسین نے، ان سے عبدالرحمٰن بن عمر خلال نے، ان سے محمد بن عمر فارسی نے، ان سے بکر بن سہل نے اور ان سے عبدالخالق بن منصور نے بتایا ان کا کہنا تھا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے خلف مخرمی کے متعلق پوچھا تو فرمایا صدوق ہیں۔ اس پر میں نے ان سے عرض کیا ابوزکریا! وہ تو حضرات صحابۂ کرام کی برائیاں بیان کرتے ہیں۔ فرمایا وہ انھیں جمع کیا کرتے تھے، مگر جہاں تک بیان کرنے کا تعلق ہے تو بیان نہیں کرتے تھے۔

ہم سے حسین بن علی صیمری نے، ان سے علی بن حسن رازی نے، ان سے محمد بن حسین زعفرانی نے اور ان سے احمد بن زہیر نے بیان کیا کہ میں نے یحییٰ بن

حسین سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ بے چارے خلف بن سالم کے سلسلے میں کوئی جرح نہیں اگر وہ بے وقوف نہ ہوتے۔ احمد بن زہیر کا بیان ہے کہ ان سے ایک ایسے شخص نے بتایا جس نے ابو محلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے بھائی خلف بن سالم کی بابت کوئی بھی سالم نہیں ہے۔

ازہری نے ہم سے، ان سے عبدالرحمٰن بن عمر نے، ان سے محمد بن احمد بن یعقوب بن شیبہ نے، ان سے ان کے دادا نے اور ان سے خلف بن سالم نے جو کہ ثقہ تھے بتایا کہ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میرے دادا نے مسدد اور حمیدی کا بھی تذکرہ کیا اور فرمایا کہ خلف بن سالم ان دونوں سے زیادہ ''اثبت'' تھے۔

مجھ سے محمد بن یوسف نیساپوری نے، ان سے خصیف بن عبداللہ نے، ان سے عبدالکریم بن ابوعبدالرحمٰن نسائی نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد نے بتایا کہ ابومحمد خلف بن سالم بغدادی، مخرمی ''ثقہ'' ہیں۔

مجھ سے ابن الفضل نے، ان سے دعلج بن احمد نے، ان سے احمد بن علی ابار نے، ان سے احمد بن ابوجعفر نے اور ان سے محمد بن مظفر نے بتایا کہ عبداللہ بن محمد بغوی نے بیان کیا کہ خلف بن سالم کی وفات ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ بغوی نے مزید کہا کہ وفات ماہ رمضان کے اواخر میں ہوئی۔ نیز فرمایا کہ میں نے انھیں دیکھا بھی اور ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

مجھ سے ابوالحسین محمد بن عبدالرحمٰن بن عثمان تمیمی نے دمشق میں بیان کیا، انھوں نے قاضی ابوبکر میانجی نے بیان کیا کہ مجھ سے صوفی احمد بن عبدالجبار نے فرمایا کہ خلف بن سالم کی وفات انہتر سال کی عمر میں بروز اتوار ۲۲/ رمضان ۲۳۱ھ میں ہوئی۔

مجھ سے محمد بن احمد بن رزاق نے، ان سے احمد بن اسحاق بن وہب بندار نے اور ان سے ابوغالب علی بن احمد بن نصر نے بتایا کہ خلف بن سالم کی وفات ۲۳۲ھ میں ہوئی مگر صحیح بات پہلی ہے۔

مجھ سے حسن بن ابوبکر نے بتایا کہ محمد بن ابراہیم جوری نے ''شیراز'' سے انھیں خط لکھا کہ ان سے احمد بن حمدون بن خضر جروی، ان سے احمد بن یونس ضبی نے اور ان سے ابوحسان زیادی نے بیان کیا کہ خلف بن سالم کی وفات ستر سال کی عمر میں ''بغداد'' میں ہوئی۔

امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے کہ حافظ حدیث مجود قرآن، ابومحمد سندھی خلف بن سالم مولی آل مہلب، بغداد کے سربرآوردہ حفاظ حدیث میں تھے۔ یہ ہیثم، ابوبکر بن عیاش، عبدالرزاق اور طبقہ سے روایت حدیث کرتے ہیں اور ان سے احمد بن خیثمہ، حسن بن علی معمری، ابوالقاسم بغوی اور دوسرے حضرات نے روایت کی، انہی سے روایت کرنے والے ایک شخص کے حوالے سے امام نسائی نے تخریج کی ہے کہ انتقال ۲۳۱ھ میں ہوا اور یہ غریب احادیث کی پیروی کرتے تھے۔

علامہ مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ سے ان کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ مجھے ان کے جھوٹ بولنے کا علم نہیں۔ ان احادیث کی اتباع کی وجہ سے محدثین نے ان پر طعن کیا ہے۔ یحیٰ بن معین کا قول ہے کہ وہ صدوق ہیں۔ یعقوب بن شیبہ نے ''ثقہ'' بتایا اور فرمایا کہ مسدد اور حمیدی دونوں سے کہیں زیادہ ثبت ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ احمد بن حسن صوفی کا بیان ہے کہ ان کی وفات ۲۳ر رمضان ۲۳۱ھ کو ہوئی۔

مزید لکھا ہے کہ ہم سے حافظ عبدالمؤذن نے، ان سے یحیی یربوعی نے، ان سے عمرو بن مہدی نے، ان سے محمد بن احمد بن یعقوب سدوسی نے، ان سے خلف بن سالم نے، ان سے وہب بن جریر نے، ان سے جویریہ نے اور ان سے یحیی بن سعید نے اپنے چچا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ جس روز حضرت عمار بن یاسر کی شہادت ہوئی، اچانک ایک لحیم وشحیم گھوڑے پر سوار ایک بھاری بھرکم آدمی نے دونوں صفوں کے درمیان سے دردناک آواز سے تین بار یہ منادی کی کہ بندگان خدا! جنت کی طرف چلو۔ پھر کہا جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ جب لوگوں نے دیکھا تو وہ

عمار بن یاسر تھے۔ یہ آواز لگانے کے چند ہی لمحے بعد وہ شہید ہو گئے۔

خلف بن محمد دیبلی بغدادی

خطیب ''تاریخ بغداد'' میں لکھتے ہیں کہ خلف بن محمد موازینی دیبلی نزیل بغداد نے علی بن دوسی دیبلی سے روایت کی اور ان سے ابوالحسن بن جندی نے روایت کی۔

آگے رقم طراز ہیں کہ مجھ سے ابونصر احمد بن محمد بن احمد الوتار نے، ان سے احمد بن عمران نے، ان سے ان کے دوست خلف بن محمد دیبلی موازینی نے، ان سے علی بن موسیٰ دیبلی نے ''دیبل'' میں، ان سے داؤد بن صغیر نے، ان سے احمد بن محمد عتقی نے ان سے علی بن عمر حربی نے، ان سے ''درب الثلج'' میں ابوالعباس عبیداللہ بن عبداللہ صیرفی نے، ان سے داؤد بن صغیر نے، اور ان سے ابوعبدالرحمٰن شامی النوا نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''کلام اهل السموٰات لاحول ولاقوة الا بالله'' آسمان والوں کی گفتگو لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے۔

سمعانی نے ''کتاب الأنساب'' میں لکھا ہے کہ خلف بن محمد موازینی دیبلی نزیل بغداد، بغداد آئے اور وہاں علی بن موسیٰ دیبلی سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے ابوالحسن بن محمد بن عمران بن جندی نے روایت حدیث کی۔

خلف بن محمد دیبلی چوتھی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ خطیب بغدادی اور علامہ سمعانی کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ محدثین سندھ سے، سندھ میں روایت حدیث کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوا ہے۔ (قاضی)

خمار قندھاریہ

ابوالفرج اصبہانی ''کتاب الأغانی'' میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن ربیع ربیعی نے، ان سے خدیجہ بنت ہارون بن عبداللہ بن ربیع نے بیان کیا۔ وہ

کہتی ہیں کہ مجھ سے میرے والد کی باندی ''خمار'' نے بیان کیا۔ یہ باندی ''گندھارا'' کی رہنے والی تھی، جسے میرے والد محترم نے آل یحییٰ بن معاذ سے دولاکھ درہم میں بچپن میں ہی خرید لیا تھا۔ یہ درج ذیل اشعار ابراہیم موصلی ہی کے لب و لہجے اور ترنم کے ساتھ پڑھتی تھی:

إذا سرها أمر وفيه مساء تی ۞ قضيت له فيما تريد علی نفسی
ومامر يوم أرتجی فيه راحة ۞ فأذكره إلا بكيت علی أمسی

''جب اسے کسی بات سے خوشی ہوتی حالاں کہ میری اس میں برائی ہوتی، تب بھی میں اس کی خاطر پوری کردیتا جو وہ مجھ سے چاہتی۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں مجھے راحت کی خواہش ہوئی ہو۔ پھر میں اسے یاد کرتا مگر اپنے کل پر روتا''۔

یہ شعر ابوحفص شطرنجی کا اور ترنم ابراہیم ثقیل کا ہے، باندی کا بیان ہے کہ ایک روز میں یہ اشعار گا رہی تھی اور ''ابن جامع'' نے سن لیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تم نے کس سے حاصل کیا، میں نے اسے بتایا تو اس نے اسے دہرانے کے لیے کہا، میں نے کئی مرتبہ اسے پڑھا اور ابن جامع اس سے لطف اندوز ہوتا رہا یہاں تک کہ میں یہ سمجھنے لگی کہ شعر نے اسے مسحور کردیا ہے۔ اس کے بعد جب بھی کبھی وہ میرے پاس آتا تو کہتا بچی! اسی آواز میں ذرا شعر سنادو۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ مذکورۃ الصدر تفصیل سے زیادہ مجھے ''خمار'' کی بابت کچھ معلوم نہ ہوسکا، گندھار یہ ''گندھارا'' (گجرات) کی طرف نسبت ہے، یہ ایک چھوٹی موٹی بندرگاہ تھی، جسے عمرو بن حمل نے فتح کیا اور وہاں کا مندر منہدم کرکے اس کی جگہ ایک مسجد بنوائی۔

گندھارا کے متعلق احمد امین نے ''ضحیٰ الاسلام'' میں لکھا ہے کہ عموماً گندھارا سے ہندوستانی غلام باندی منگوائے جاتے تھے اور ''اغانی'' میں مذکور ہے کہ جنید بن عبدالرحمٰن مرّی نے خالد بن عبداللہ قسری کے پاس ہندوستان کے کچھ گورے قیدی

بھیجے، وہ انھیں اس طرح ہبہ کرنے لگا جیسے وہ قریش کا کوئی فرد اور معزز لوگوں میں سے ہو۔ آخر میں ایک حسین وجمیل لڑکی بچ گئی، جسے اس نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اس لڑکی کے بدن پر اس کے دیار کے دو فراک تھے، خالد بن عبداللہ نے ابونجم سے کہا اس لڑکی کی بابت، تمھارے پاس کچھ نقد ہے کہ تم ابھی اسے بھی لے سکو؟ اس نے جواب دیا خدا تمہیں صلاح بخشے، ہاں ہے اور اپنا مشہور رجزیہ قصیدہ پڑھا جس کا مطلع یہ تھا:

"أعلقت خوداً من بنات الزط" کیا تم نے ایک زوطی لڑکی کے گلے میں تم نے خود لٹکا دی ہے۔

والدہ محمد بن حنفیہ: خولہ سندھیہ

مشہور سوانح نگار ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" میں لکھتے ہیں کہ محمد الاکبر بن علی بن ابو طالبؓ کی ماں خولہ بن جعفر بن قیس بن مسلمہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن الدول بن حنفیہ الخ کہا جاتا ہے کہ ان کی ماں جنگ یمامہ کے قیدیوں میں آئی تھیں جو حضرت علیؓ کے حصے میں گئیں اور عبداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ محمد بن حنفیہ کی ماں کو حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عطا کیا تھا۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے ان کہنا ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ کی ماں کو دیکھا ہے۔ وہ سیاہ رنگ اور سندھ کی رہنے والی تھیں۔ یہ بنی حنیفہ کی باندی تھیں بنی حنفیہ سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ بلکہ ان سے حضرت خالد بن ولید نے بجائے ان کے ان غلام باندیوں کے عوض صلح کی تھی۔ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ سیاہ رنگ، سندھی اور بنی حنیفہ کی باندی تھیں۔

والی سندھ: خیرا سومرہ

یہ سومرہ خاندان کا ایک فرد تھا۔ داد سومرہ کے بعد سندھ کے کچھ علاقوں میں حکمراں رہا۔ (تحفۃ الکرام)۔

باب: د

داوٗد بن محمد بن ابومعشر سندھی بغدادی

خطیب بغدادی ''تاریخ بغداد'' میں لکھتے ہیں کہ ابوسلیمان داوٗد بن محمد بن ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے بہ روایت ابومعشر ''کتاب المغازی'' کی روایت کی اور ان سے اس کی روایت، امام وکیع بن جراح کے شاگرد اور حسین بن محمد بن ابومعشر کے بھائی: قاضی احمد بن کامل نے کی۔ صاحب تذکرہ تیسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

والیٔ ملتان: داوٗد بن نصر بن حمید ابوالفتوح باطنی

جنگ ملتان کا تذکرہ کرتے ہوئے ''تاریخ یمینی'' میں تحریر ہے کہ یمین الدولہ، امین الملہ ابوالقاسم محمود بن ناصرالدین ابومنصور سبکتگین غزنوی کو، والی ملتان ابوالفتوح باطنی کی بددینی، بداعتقادی، کفر والحاد اور اہل ملتان کو اس کی دعوت وتبلیغ کرنے کا جب علم ہوا تو اس کی غیرت دینی جوش میں آ گئی اور والیٔ ملتان کے پھیلائے ہوئے مذہبی واعتقادی شر کا قصہ تمام کرنے کی اس نے ٹھان لی۔ اس سلسلے میں اس نے خداوند تعالی سے استخارہ کرنے کے بعد جنگ کے سازوسامان تیار کرنے، لشکر جمع کرنے اور گھوڑے فراہم کرنے کا اعلان کر دیا۔ باضابطہ فوج کے علاوہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی رضا کارانہ طور پر جذبۂ جہاد اور شوق شہادت میں محمود غزنوی کے ساتھ شامل ہو گئی۔ جب محمود غزنوی بدباطن والیٔ ملتان کی سرکوبی اور سرزنش کی خاطر فوج اور رضا کاروں کے ایک جم غفیر کے ساتھ ''ملتان'' کے لیے

روانہ ہوا، اس وقت دریاؤں میں طغیانی شباب پر تھی ''سیحون'' اور اس کی معاون ندیوں کو عبور کرنا دشوار گزار مرحلہ تھا، اس لیے محمود غزنوی نے ہندوستان کے مہاراجہ: اندر پال سے درخواست کی کہ ''ملتان'' کے لیے وہ اپنے زیر قبضہ علاقوں سے راہداری فراہم کردے۔ مگر اس نے ایسا کرنے سے یکسر منع کر کے آدماہ پیکار ہوگیا۔ یہ صورت حال دیکھی تو محمود غزنوی نے یہی بہتر سمجھا کہ پہلے اندر پال سے ہی نمٹ لیا جائے، اس کی طاقت ختم کردی جائے اور اس کی فوج منتشر کردی جائے۔ اس طرح دو جنگوں کا ثواب اور مال غنیمت حاصل ہوجائے گا۔ چنانچہ بھر پور حملہ کر کے ''اندر پال'' کے لشکر کو تہہ تیغ کردیا، مال واسباب لوٹ لیے اور قلعوں وغیرہ کو نذر آتش کر کے، مصیبت در مصیبت میں مبتلا کردیا۔ راہ فراہ اختیار کرنے پر مجبور کردیا اور آناً فاناً اس کا پورا ملک اس طرح بہ آسانی طے کرلیا جیسے تاجر ''حضرت موت'' شہر کو طے کرلیتے ہیں۔ اس طرح قتل کرتے مال واسباب پر قبضہ کرتے، ہر راستے سے تعاقب کرتے اور ہر علاقے سے بے دخل کرتے ہوئے ''اندر پال'' کو نواحی ''کشمیر'' تک دھکیل دیا۔

جب ابوالفتوح باطنی والی ملتان کو ''اندر پال'' کی اس درگت کا حال معلوم ہوا، جب کہ وہ نہایت طاقت ور، کثیر الافواج اور ناقابل تسخیر طاقت کا مالک تھا تو اس نے حالات کی سنگینی کا اندازہ کر کے یہ یقین کرلیا کہ بلند وبالا پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں، معمولی پہاڑیوں کے ذریعے فتح نہیں کی جاسکتیں اور باز کے منھ سے دانہ گدھ جیسے پرندوں کی مدد سے چھینا نہیں جاسکتا، اس لیے بہ عجلت تمام اپنا سارا مال واسباب ہاتھیوں پر لاد کر ملتان کو محمود غزنوی کے رحم وکرم پر چھوڑ، ''سرندیپ'' کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

جب محمود غزنوی بہ نصرت ایزدی، دین اسلام میں نت نئی خرافات پیدا کرنے والے اور اس کی بنیاد کمزور کرنے کی سازش کرنے والے والی ملتان کی سرکوبی کے

ارادے سے شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اہل شہر ضلالت وگمراہی کی تاریکی میں بھٹک رہے ہیں اور تمرد وسرکشی پر آمادہ ہیں۔ "یریدون أن یطفئوا نور اللہ ویأبی اللہ إلا أن یتم نورہ ولو کرہ الکافرون" یہ دیکھ کر سلطان محمود غزنوی نے ان سرکشوں کے قتل کا حکم جاری کر دیا اور بہ زور طاقت "ملتان" فتح کر لیا۔ تمام بدعقیدہ باشندگان شہر پر یہ ضروری قرار دے دیا کہ بیس بیس ہزار درہم ادا کریں۔ محمود غزنوی کی اس فتح اور اسماعیلی باطنی فتنے کی سرکوبی کی خبر ہندوسندھ کی حدود سے تجاوز کر اور سمندروں کا طول وعرض پار کر کے "مصر" تک پہنچ گئی۔ جہاں اس کی قدرومنزلت اور مقام ومرتبے کا اس قدر تذکرہ رہا کہ اتنا "سکندر ذوالقرنین" کے بارے میں بھی منقول نہیں ہے۔ سندھ کے دوسرے علاقوں اور اس جیسی دوسری ریاستوں پر محمود غزنوی کی سرزنش اور سرکوبی کے خوف سے لرزہ طاری ہو گیا، کفر والحاد کی آندھی تھم گئی اور سرکشی وگمراہی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

زیر تذکرہ والی ملتان کا نام "داؤد" کنیت ابوالفتوح یا ابوالفتح تھی اس کے ایک لڑکا بھی تھا جس کا نام داؤد اصغر تھا۔ (قاضی)

داؤد اصغر: فرزند داؤد اکبر باطنی ملتانی

مذکورۃ الصدر والی ملتان کا یہ لڑکا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے فرزند نیک ارجمند سلطان مسعود غزنوی نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن بعد میں جب اس نے باطنی اور اسماعیلی عقائد سے توبہ کر لی تو رہا کر دیا۔

فرماں روائے سندھ: داد سومرہ

داد اور بھٹو، دودہ سومرہ کی نسل سے تھے جب سنکھار کی بیوی کے بھائیوں نے شہر طور وتھری پر قبضہ کر لیا اور خاندان سومرہ کے ایک شخص "دودہ" نے اس سے جنگ

کی تو داد اور بھٹو نکل بھاگے اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بہت سارے لوگوں کو جمع کر کے ''داذ'' سندھ کے بعض نواحی علاقوں پر قابض ہو گیا۔ (تحفۃ الکرام)

داہر ہندی

علامہ ابن ندیم نے ''الفہرست'' میں ''داہر ہندی'' کا تذکرہ ان علمائے ہند کے ضمن میں کیا ہے جن کی طب و نجوم سے متعلق کتابیں ابن ندیم تک پہنچ سکیں۔

دانائے ہند: ہندی خراسانی

زکریا بن محمد قزوینی نے اپنی کتاب ''عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات'' کے اندر بعض لوگوں کی عجیب وغریب اور بے نظیر فطری خصوصیات کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس طرح کی بات وہ بھی ہے، جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ''شاہ محمد بن تکش'' کے دور میں ایک فلاسفی ہندوستان سے خراسان آیا اور مسلمان ہو گیا۔ اسے ''دانائے ہند'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس شخص کی بھی خواہش ہو تو وہ اس کی قسمت اور طالع نکال دیتا ہے۔ وہاں کے لوگوں نے بارش کی پیشین گوئی کی بابت بھی اس کا تجربہ کیا تو اس میں بھی اس کی بات درست نکلی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ اسے ایک حساب معلوم ہے، جس کی مدد سے وہ لوگوں کے طالع نکالتا ہے۔ شدہ شدہ یہ بات بادشاہ تک پہنچی تو اس نے بلوا کر پوچھا کہ تم لوگوں کے طالع کے سوا بھی کچھ بتا سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ اس پر بادشاہ نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ آج رات کیا خواب دیکھا؟ اس نے تھوڑی دیر تک سوچنے اور حساب لگانے کے بعد کہا کہ رات آپ نے یہ خواب دیکھا کہ آپ ایک کشتی پر سوار ہیں آپ کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ چناں چہ بادشاہ نے اس کی تصدیق کی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں اتنی سی بات پر اطمینان نہیں کر سکتا، کیوں کہ دریائے ''جیحون'' کے کنارے میرا محل

ہے اور عام طور پر کشتی میں بیٹھ کر دریا کی سیر کرتا ہوں۔ جب کہ تلوار کبھی بھی اپنے آپ سے الگ نہیں کرتا، لہٰذا ممکن ہے کہ تم نے اندازے سے یہ بات کہہ دی ہو۔ جب دوبارہ امتحان لیا اور اس میں بھی اس نے بالکل صحیح بات بتادی تو بادشاہ نے اسے اپنا ہم نشین بنالیا اور ہر معاملے میں اس سے مدد لیا کرتا تھا۔

علامہ قزوینی نے اس سلسلے میں بعض لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب انھیں کسی چیز سے دل چسپی ہوجاتی ہے تو تمام انسانوں سے الگ تھلگ ہوکر ساری توجہ اسی چیز پر مرکوز کردیتے ہیں۔ نتیجتاً وہ چیز ان کے حسب منشاء ہوجاتی ہے۔ اسی قبیل سے وہ بات بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو وہاں کے ایک ایسے شہر کا علم ہوا جس کی بابت یہ تصور کیا جارہا تھا کہ جو بھی اس کا رخ کرتا ہے بیمار ہوجاتا ہے۔ محمود غزنوی نے اس کی بابت لوگوں سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ ہندوستان میں کچھ لوگ اس پر اپنی توجہ ڈالتے ہیں تو اس کی توجہ کے مطابق بیماری پکڑ لیتی ہے۔ یہ سن کر محمود غزنوی کے ایک رفیق سفر نے یہ مشورہ دیا کہ ڈھول اور بڑے بڑے سنکھ بجوائے جائیں تاکہ ان لوگوں کی توجہ بٹ جائے۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا تو بیماری کا خاتمہ ہوگیا اور شہر محفوظ ہوگیا۔ (قاضی)

دہک ہندی

ابن ندیم نے ''الفہرست'' کے اندر قصے کہانیوں پر مشتمل اہل ہند کی کتابوں کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے کہ دہک ہندی کی کتاب مرد وعورت سے متعلق ہے۔

فرماں روائے سندھ: دودا ابن بھونگر سومرہ

دودا، اپنے باپ بھونگر کے بعد سندھ کے تحت سلطنت کا مالک بنا اور ''نصر پور''

فتح کر کے اسے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ (بحوالہ تحفۃ الکرام)

سلطان مالدیپ: دنی کلمنجا

اس نے ۵۸۸ھ سے ۵۹۵ھ تک کل ۷ رسال حکومت کی۔ اس کا لقب اہل مالدیپ کی زبان میں "سری فنادیت مہاردن" تھا۔

سلطان مالدیپ: دھی کلمنجا

یہ ۵۹۵ھ میں مالدیپ کا بادشاہ بنا اور ۶۱۰ تک پورے پندرہ سال حکومت کی۔ مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب "سری دعتا ابارن مہاردن" تھا۔

دیبلی

دیبلی کی نسبت سے بہت سے علماء، محدثین، مجودین، مشائخ اور راویان حدیث مشہور ہیں۔ مشہور قاری ابن الجزری "غایۃ النهایۃ فی طبقات القراء" کے اندر "دال" کی تختی کے ضمن میں انساب والقاب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ احمد بن محمد بن ہارون دیبلی، محمد بن حسین بن محمد دیبلی اور محمد بن عبداللہ دیبلی یہ سب کے سب قاری اور مجود تھے۔

علاوہ ازیں "کتاب مشتبہ النسبۃ" میں رقم طراز ہیں کہ بہر حال "دیبلی" تو اس سے مراد محمد بن ابراہیم دیبلی ہیں، جنہوں نے ابو عبداللہ مخزومی سے روایت کی ہے اور حسین بن حسن مروزی، عبدالحمید بن صبیح والد ابراہیم بن محمد دیبلی سے جنھوں نے موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی صائغ سے روایت حدیث بیان کی ہے۔

❀❀❀

باب: ذ

ذوبان زابلستانی ہندی

ابن خلدون نے اپنی مشہور تاریخی کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے کہ ''جراس'' کا بیان ہے کہ شاہ ''زابلستان'' نے مامون رشید کے پاس اپنے ملک کے مشہور دانش ور: ذوبان کو از راہ ہدیہ بھیجا۔ اس طبیب نے ''امین رشید کے ساتھ جنگ میں مامون'' کے لیے بہت مفید کام کئے اور ''طاہر'' کے سر پر قیادت کی دستار باندھی۔ مامون اس کی حکمت و دانائی سے بے حد متاثر ہوا اور ایک روز اپنی سلطنت کی مدت کی بابت اس سے معلوم کیا تو اس نے کہا کہ تمھارے بعد، سلطنت تمھاری اولاد سے ختم ہو جائے گی۔ مگر امین کی اولاد میں رہے گی۔ نیز یہ کہ ۵۰ھ میں ''دیلمی'' اہل عجم کا حکومت پر غلبہ ہو جائے گا۔ کچھ دنوں تک یہی صورت حال رہے گی۔ پھر ان کی حالت خستہ خراب ہو کر شمال مشرق سے ''ترک'' نمودار ہوں گے اور شام، فرات، سیمون نیز روم کے مالک بن جائیں گے جب تک مرضیٔ خدا رہے گی صورت حال یوں ہی رہے گی۔ یہ سن کر مامون نے اس سے پوچھا کہ یہ باتیں تمھیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ جواب دیا حکماء کی کتابوں سے نیز شطرنج کے موجد راجہ صصہ بن داہر کے فرامین سے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ ''دیلمیوں کے بعد جن ''ترکوں'' کے ظہور کی بات ''ذوبان'' نے کہی تھی، اس سے مراد ''سلجوقی'' تھے، جن کی حکومت کا ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں خاتمہ ہوا۔

ذوبان ہندی دوسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

❁❁❁

باب: ر

رابعہ بنت کعب قزداریہ

رابعہ بنت کعب قزداریہ، فارسی زبان کی مشہور و معروف شاعرہ تھی۔ اس کا تذکرہ ابن حوقل نے کیا ہے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کی تھی۔

راجہ پل بن سومر شیخ باطنی سندھی

راجہ پل بن سومر، سندھ میں باطنی فرقے کا بلند پایہ عالم و شیخ تھا۔ دروزیوں کے امام نے ۴۲۳ھ میں اہالیان ملتان و ہندوستان کے نام بالعموم اور راجہ پل کے نام بالخصوص ایک خط لکھا، جس میں اسے اور اس کے اعوان و انصار کو اہل توحید کے درمیان اپنے اسماعیلی باطنی فرقے کی دعوت عام کرنے اور داؤد اصغر بن ابو الفتوح کو دین خالص (باطنی مذہب) کی دعوت دینے کی ترغیب و تحریک کی گئی تھی۔ قابل ذکر ہے کہ اس سے پہلے سلطان محمود غزنوی اور اس کے لڑکے سلطان مسعود غزنوی نے سندھ اور ملتان سے باطنیوں کا قلع قمع کر کے یہ علاقے ان سے چھین لیے تھے۔

''دروز'' اسماعیلی مذہب کا ایک فرقہ ہے جسے حاکم بامر اللہ فاطمی نے مصر اور شام میں ایجاد کیا۔ اس فرقے کے ماننے والے اب بھی شام کے اطراف میں واقع ''دروز'' کے پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ مور کی تصویر بنا کر ابلیس کی پوجا کرتے ہیں اور ان کا حاکم ان میں کا بڑا عالم ہوتا ہے۔ اسی فرقے کے لوگوں نے چند سالوں پہلے حکومت شام کے خلاف بغاوت کی تھی۔ (قاضی)

راجا ہندی محدث

قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ راجا ہندی محدث کی بابت مجھے کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا۔ ہاں بعض رسائل وجرائد میں ان کا نام اس طرح دیکھا ہے۔ جہاں تک راجح بن داؤد بن عیسی ہندی احمد آبادی مکی کا تعلق ہے تو وہ نویں صدی ہجری کے تھے جیسا کہ علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں ذکر کیا ہے۔

راحۃ الہندی

جن علمائے ہند کی تصانیف طب ونجوم کی بابت علامہ ابن الندیم تک پہنچیں، انھیں میں ان کا بھی نام ذکر کیا ہے۔

رائے ہندی

عربی زبان میں موجود علمائے ہند کی طب پر تصنیفات کے ذیل میں ابن الندیم نے لکھا ہے کہ رائے ہندی کی کتاب سانپوں کی اقسام اور ان کے زہروں سے متعلق ہے۔

حاکم سندھ: رائے

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے "یعقوبی" کے حوالے سے ایک قابل اعتماد کتاب میں پڑھا، اس میں لکھا ہے کہ جب "مہدی" کو خلافت ملی تو اس نے ہندوستان کے راجاؤں مہاراجاؤں کو دعوت اسلام پر مشتمل خطوط لکھے۔ یہ سب لوگ پہلے سے ہی خلافت اسلامیہ کے زیرنگیں تھے۔ چناں چہ ان میں سے پندرہ راجاؤں نے اسلام قبول کرلیا، جن میں سندھ کا راجا "رائے" اور ہندوستان کا مہاراجہ "مہراج" بھی تھے۔ یہ "پورس" خاندان سے تعلق رکھتا تھا، جو غالباً پشاور کے آس

پاس آباد تھا۔ یہ سب کے سب دوسری صدی ہجری کے تھے۔

رباح منصوری

یہ منصورہ کے حاکم ابوالمنذر عمرو بن عبداللہ ہباری کا وزیر تھا۔ ۳۰۰ھ کے بعد "مسعودی" کی اس سے ملاقات ہوئی ہے۔

رتن بن عبداللہ ہندی

حافظ ابن حجرؒ "الاصابة فی تمییز الصحابة" میں لکھتے ہیں کہ رتن بن عبداللہ ہندی ثم بترندی یا مرندی۔ بعض لوگ "رتن" کی جگہ "رطن" بالطاء بن ساہوک بن جنکدریو کہتے ہیں۔ ایک قابل اعتماد شخص کے ہاتھ سے لکھا ہوا یوں ہی میں نے دیکھا۔ بعض جگہ "جکندریو" میں واو کی جگہ قاف لکھا ہے یعنی جنکدریق۔ بعض لوگ رتن بن نصر بن کرپال اور بعض دوسرے رتن بن سندن بن ہندی نام بتاتے ہیں۔ یہ ایک عمر دراز شخص تھا، جس کے حالات بقول اس کے عرصۂ دراز تک مخفی رہے۔ پھر چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں یہ منظر عام پر آیا اور صحابیت کا دعویٰ کیا۔ اس سے اس کے دونوں لڑکوں: محمود اور عبداللہ نے، نیز موسیٰ بن مجلی بن بندار دستری، حسن بن محمد حسین خراسانی، کمال شیرازی، اسماعیل عارفی، ابوالفضل عثمان بن ابوبکر بن سعید اربلی، داؤد بن اسعد بن حامد قفال منخروری، سید علی بن محمد خراسانی ہروی، معمر ابوبکر مقدسی، ہمام سمرکندی اور ابومروان عبداللہ بن بشر مغربی نے روایت کی۔ مگر ابومروان کو براہ راست، رتن ہندی سے سماع حاصل نہیں ہوا۔ ان کا بیان ہے کہ میری ملاقات معمر سے ہوئی تو انھوں نے رتن ہندی کے وہی اوصاف وحالات بتائے، جو دوسرے لوگوں نے بیان کیے۔ مگر حضرات صحابہ کرامؓ یا متقدمین کے تراجم کی کتابوں میں "رتن ہندی" کا تذکرہ کہیں نہیں ملا۔ ہاں امام ذہبی نے "تجرید اسماء الصحابة" میں

اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ رتن ہندی ایک عمر دراز شخص تھا، جو مشرق میں ۶۰۰ ھ کے بعد رونما ہوا اور صحابیت کا دعوی کیا۔ جاہلوں نے اس سے سماع کیا۔ اس کا کوئی وجود نہیں تھا، بلکہ کچھ دروغ بافوں نے اس کا نام گھڑ لیا تھا۔ میں نے تو ازراہ استعجاب اس کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ ابوموسی نے ''سرباتک ہندی'' کا ذکر کیا ہے بلکہ یہ تو ابلیس لعین تھا، جس نے کہا کہ اس نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ سے احادیث سنیں اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تو یہ کہی کہ وہ نہ صرف صحابیٔ رسول ہے، بلکہ علی الاطلاق تمام صحابہ سے افضل بھی۔

علامہ ذہبی نے ہی ''میزان الاعتدال'' کے اندر اس کی بابت لکھا ہے کہ رتن ہندی کی بابت کچھ معلوم بھی ہے کہ وہ کون تھا؟ لاریب وہ دجال وشاطر شخص تھا۔ ۶۰۰ ھ کے بعد ظاہر ہوا اور صحابیت کا دعوی کر بیٹھا، حالاں کہ صحابہ جھوٹ نہیں بولتے اور یہ تو اللہ اور اس کے رسول کی بابت نہایت جری تھا۔ اس پر ایک رسالہ بھی لکھا گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی وفات ۶۳۳ ھ میں ہوئی۔ یہ خود تو جھوٹا کذاب تھا ہی، مگر لوگوں نے بھی اس کی بابت بہت سی جھوٹی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابۃ'' کے اندر رتن ہندی کے حالات اور اس کی مرویات تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں، نیز علامہ طاہر پٹنیؒ نے بھی ''تذکرۃ الموضوعات'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس لیے اس بات میں تو کوئی شک وشبہ نہیں کہ ''رتن ہندی'' نامی ایک شخص گزرا ہے۔ نیز اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ جھوٹا اور کذاب تھا۔ بترندی یا مرندی ''بھٹنڈوی'' ہے، جو مشرقی پنجاب کے شہر، بھٹنڈہ کی طرف منسوب ہے۔

رجاء بن سندھی نیساپوری

امام ابن ابی حاتم رازی ''کتاب الجرح والتعدیل'' میں فرماتے ہیں کہ ابومحمد رجاء بن سندھی نیساپوری نے ایوب بن نجار یمامی، عبدالسلام بن حرب، ابوبکر

بن عیاش، حفص، یحییٰ بن یمان، ابو خالد احمر بن وہب اور حمزہ بن حارث بن عمیر سے روایت کی۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سے ان کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابراہیم بن موسیٰ اور ابو جعفر جمال کو دیکھا کہ وہ رجاء بن سندھی کے پاس آکر ان سے احادیث قلم بند کرتے۔ مزید فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے یہ بھی بتایا کہ رجاء بن سندھی کی بابت ان کے والد سے معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ وہ صدوق ہیں۔

حافظ سہمی نے ''تاریخ جرجان'' میں لکھا ہے کہ رجاء بن سندھی نے عفان بن سیار سے روایت کی اور ان سے ان کے صاحب زادے محمد بن رجاء نے۔

خطیب بغدادی نے صاحب تذکرہ کے صاحب زادے: ابو عبداللہ محمد بن رجاء سندھی کے حالات قلم بند کرتے ہوئے خود ان سے ہی نقل کرنے والوں کے حوالوں سے حافظ ابو عبداللہ محمد بن یعقوب کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ رجاء بن سندھی، ان کے لڑکے ابو عبداللہ اور پوتے ابوبکر تینوں ثقہ اور ثبت ہیں۔ رجاء سندھی تیسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

رشیق ہندی خراسانی

رشیق ہندی، والی خراسان: نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل بن احمد کے حاجب و دربان اور محافظ تھے۔ علامہ مقدسی اپنی کتاب ''احسن التقاسیم'' کے اندر خراسان کے تذکرے میں رقم طراز ہیں کہ اس پورے علاقے کا سب سے پہلے حکمراں ۲۸۷ھ میں اسماعیل بن احمد ہوا۔ بعد میں یہ بخارا چلا گیا اور خلیفہ مقتصد باللہ عباسی نے کرمان اور جرجان کو اس میں شامل کر دیا اور ۲۹۰ھ میں خلیفہ مکتفی باللہ عباسی نے ''رے'' اور درۂ خلوان تک کے تمام پہاڑی علاقوں کو بھی اسی میں ضم کر دیا۔ اسماعیل بن احمد کی جب وفات ہوئی تو لوگوں نے اسے ''الماضی'' کا لقب

دیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا: احمد تخت نشین ہوا جسے ''فربر'' میں قتل کر دیا گیا تو لوگوں نے اسے ''الشہید'' کے لقب سے یاد کیا۔ پھر اس کا لڑکا نصر حکمراں ہوا۔ اس کا حاجب ابوجعفر ذوغوا اور سپہ سالار ''حمویہ'' اور اولا ابوالفضل بن یعقوب نیساپوری، پھر ابوالفضل بلعمی اور اس کے بعد ابوعبداللہ جیہانی اس کے وزیر ہوئے۔ اس کا جب انتقال ہوا تو ''السعید'' کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا نوح تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا اس کا حاجب رشیق ہندی تھا۔

نوح بن نصر سامانی کی حکومت ۳۳۱ھ سے ۳۴۳ھ تک رہی اور اس پورے عرصے میں رشیق ہندی ہی اس کا حاجب رہا۔ (قاضی)

روسا ہندیہ

جن علمائے ہند کی تصنیفات عربی زبان میں پائی جاتی تھیں، ان میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ روسا ہندیہ کی تصنیف عورتوں کے علاج و معالجے سے متعلق ہے۔

''کشف الظنون'' میں اس کا نام ''روشی' مذکور ہے اور لکھا ہے کہ روشی ہندیہ کی کتاب خواتین کے علاج و معالجہ پر مشتمل ہے۔ (قاضی)

باب: ز

زکریا بن محمد بہاء الدین ملتانی

ان کا نام ونسب اس طرح ہے: شیخ امام بہاء الدین ابو محمد زکریا بن شیخ وجیہ الدین بن محمد بن شیخ کمال الدین علی قریشی اسدی ملتانی۔ ابوالقاسم فرشتہ نے ''تاریخ فرشتہ'' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ مہیار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزی بن قصی کی اولاد میں سے ہیں۔ مہیار نے اسلام قبول کرلیا تھا اور ان کے تین بھائی: دمعہ، عمر اور عقیل غزوہ بدر میں بہ حالتِ کفر مارے گئے۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ مہیار بن اسود کے بجائے صحیح نام بہاء الدین بن اسود ہے۔ والیان منصورہ انہی کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بہاء الدین ملتانی کے دادا: کمال الدین علی مکہ مکرمہ سے خوارزم اور خوارزم سے ملتان آکر وہیں سکونت پذیر ہو گئے اور ان کے والد: وجیہ الدین محمد ملتان سے کوچ کر کے ''حصار کوٹ کرور'' آکر آباد ہو گئے، یہیں صاحب تذکرہ زکریا بن محمد کی ۵۷۸ھ میں ولادت ہوئی۔ جب بارہ سال کی عمر میں قراءت سبعہ کے ساتھ قرآن کریم کا حفظ انھوں نے مکمل کیا تو ان کے والد کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد انھوں نے کسب فیض اور تحصیل علم کی خاطر ممالک اسلامیہ کے اسفار کیے۔ یہاں تک کہ علوم ظاہر اور علوم باطن دونوں کے جامع بن گئے اور اجتہاد کے مرتبے تک پہنچ گئے۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ علمائے بخارا نے انھیں ''بہاء الدین فرشتہ'' کا لقب دیا۔ پانچ سال تک مکہ مکرمہ میں رہے اور مکہ مکرمہ کے شیخ وقت اور مشہور ومعروف محدث سے حدیث کا

سماع کیا۔ پھر بغداد تشریف لے گئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت اختیار کرلی۔ شیخ سہروردی نے جب انھیں دیکھا تو خوش آمدید کہہ کر استقبال کیا اور فرمایا بہاء الدین! اب سے بارہ سال پہلے حضور ﷺ نے مجھے یہ بشارت دی تھی کہ تمھارے پاس بہاء الدین ملتانی آئیں گے تو تم انھیں خرقۂ خلافت دے دینا۔ لو اب اس سعادت کا وقت آ پہنچا اور صرف سات دن بعد ہی انھیں خرقۂ خلافت سے سرفراز کردیا۔ شیخ سہروردی کے کچھ مریدین وتلامذہ کو یہ دیکھ کر بڑی غیرت آئی اور دل دل ہی میں کہنے لگے کہ ہم تو برسوں سے صحبت میں رہ رہے ہیں مگر اس ہندی کو ایک ہفتہ میں جو سعادت مل گئی، وہ ہمیں اب تک نصیب نہ ہوئی۔ شیخ سہروردی بھانپ گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں کی لکڑی تو گیلی اور بھیگی ہوئی ہے، لہٰذا اس میں آگ کیوں کر لگ سکتی ہے، جب کہ زکریا بالکل سوکھی ہوئی لکڑی لے کر آیا، اس لیے ایک ہی پھونک میں آگ نے پکڑ لیا۔

شیخ بہاء الدین کے یہاں بہت بڑی مقدار میں ہدایا اور نذرانے آتے رہتے تھے، جنھیں آپ فقراء ومساکین پر خرچ کردیا کرتے۔ ایک دفعہ ملتان میں شدید قحط پڑا اور والی ملتان کو اناج کی سخت ضرورت پڑی۔ اس نے شیخ صاحب سے غلہ مانگا تو آپ نے اناج کا ایک بڑا ڈھیر عنایت فرمادیا۔ جب والیٔ ملتان کے آدمی اناج لینے گئے تو انھیں ڈھیر کے نیچے سونے سے بھرے ہوئے سات پیالے ملے۔ وہ انھیں بھی لے کر چلے گئے۔ جب حاکم ملتان نے دیکھا تو شیخ کی خدمت میں اس کی اطلاع بھجوائی اور معلوم کیا کہ ان کا کیا کیا جائے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ ڈھیر کے نیچے دنیا بھی ہے۔ ہم نے جو کچھ وہاں تھا سارا ہبہ کردیا اور ہدیہ دے کر واپس نہیں لیا کرتے لہٰذا یہ سونا بھی تم لے لو۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نہایت قانع، صابر وشاکر اور اللہ تعالیٰ کے ان

بندوں میں سے تھے، جن کی زندگی ارشاد خداوندی ''یا أیها الناس کلوا من الطیبات و اعملوا صالحاً'' کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔

ان کی وفات ٦٦١ھ یا ٦٦٦ھ میں ہوئی۔ ان کے تلامذہ و مریدین میں شیخ فخر الدین عراقی، کنز الرموز، زاد المسافرین اور نزہۃ الارواح کے مصنف: شیخ امیر حسین وغیرہ ہیں ان کی نسل میں دین و دیانت، تقوی و طہارت کے ساتھ سیاست و حکومت بھی رہی۔ ان کے حالات زندگی بہت سی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

❀❀❀

باب: س

حاکم مالابار: سامری

شیخ زین الدین بن عبدالعزیز بن زین الدین بن علی بن احمد معبری مالاباری اپنی کتاب "تحفة المجاهدين في بعض أخبار البرتگاليين" میں جس کی تالیف سے ۹۹۳ھ میں فارغ ہوئے، مالابار کے اندر اسلام کی آمد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کچھ یہودی اور عیسائی اپنے اہل وعیال سمیت مہاراجہ "ملیبار" کی جائے قیام قصبہ "کدنگلور" - کرن گنور- آئے اور مہاراجہ سے زمینیں باغات اور رہائش کے لیے مکانات کی درخواست کی۔ اس کی طرف سے عطا کیے جانے کے بعد یہ لوگ اسی قصبے میں بس گئے۔ اس کے کئی سال بعد ایک سن رسیدہ مسلمان کے ہمراہ چند غریب مسلمان، حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک کی زیارت کے ارادے سے اس شہر میں پہنچے۔ جب مہاراجہ کو ان مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو انھیں بلوایا، خاطر مدارات کی اور ان کے حالات معلوم کیے۔ سن رسیدہ شخص نے حضور اکرم ﷺ کے حالات، مذہب اسلام اور معجزہ شق القمر کی بابت اسے بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں حضور اکرم ﷺ کی صداقت ونبوت کی بات ڈال دی، چناں چہ وہ ایمان لے آیا اور اس کا دل حضور اکرم ﷺ کی محبت سے لبریز ہوگیا۔ اس نے سن رسیدہ بزرگ سے کہا کہ قدم مبارک کی زیارت سے فارغ ہوکر اپنے رفقاء سمیت یہاں آئیں، میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ نکل چلوں گا۔ نیز اس نے یہ بات اہل مالابار کو بتانے سے سختی کے ساتھ منع کردیا۔ اس کے بعد یہ مسلمان "سیلون" گئے اور قدم مبارک کی زیارت کرکے "کرن گنور" واپس آئے۔ اس

بزرگ شخص سے مہاراجہ نے کہا کہ بغیر کسی کو اطلاع دیے سفر کے لیے کسی کشتی کا انتظام کریں۔ کرن گنور کی بندرگاہ پر تاجروں اور دوسرے لوگوں کی بہت سی کشتیاں اور جہاز ہر وقت موجود رہا کرتے تھے۔ بڑے میاں نے ایک جہاز والے سے بات کی کہ میں اور چند دوسرے فقیر تمہارے جہاز سے سفر کرنا چاہتے ہیں۔ جہاز کا مالک اس پر تیار ہو گیا۔ سفر کا وقت جب قریب آ گیا تو مہاراجہ نے اپنے اہل خانہ اور وزیروں سب کو سات روز تک اپنے پاس آنے سے منع کر دیا۔ حکومت مالابار کے ماتحت ہر شہر کے نظم ونسق کے لیے کسی نہ کسی کو نامزد کر دیا اور سب کے نام سرحدوں کی تعیین کی بابت تفصیلی خط لکھے، تاکہ کوئی دوسرے کی سرحد میں داخل نہ ہو۔

یہ واقعہ مالابار کے ہندوؤں میں بھی بہت مشہور ہے۔ یہ مہاراجہ پورے مالابار کا حاکم تھا۔ اس کی سرحد جنوب میں ''راس کماری'' اور شمال میں ''کانگر کوٹ'' تک تھی۔ ان انتظامات سے فارغ ہو کر رات کے وقت ان مسلمانوں کے ہمراہ کشتی میں سوار ہو کر پنڈرانی پہنچا۔ وہاں ایک دن اور ایک رات قیام کرنے کے بعد ''دھرم پٹن'' کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں تین دن قیام کے بعد براہ سمندر ''شحر'' پہنچا۔ یہاں ایک عرصے تک مقیم رہا۔ پھر مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ ''مالابار'' کا سفر کیا، تاکہ وہاں اسلام کی نشر واشاعت اور مساجد کی تعمیر کی جائے۔ اسی اثناء میں مہاراجہ شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ اس لیے اس نے اپنے ہمراہ مسلمانوں: حضرت شرف بن مالک، ان کے رضاعی بھائی: حضرت مالک بن دینار اور بھتیجے: مالک بن حبیب کو وصیت کی کہ اس کے انتقال کے بعد وہ ہندوستان کا سفر ملتوی نہ کریں۔ اس پر ان حضرات نے مہاراجہ سے کہا کہ ہمیں نہ تو اس کا شہر معلوم، نہ ہی حدود ریاست، ہم نے تو آپ کی رفاقت کے سبب سفر کا ارادہ کیا تھا۔ یہ سن کر مہاراجہ نے کچھ دیر تک غور وفکر کیا۔ پھر مالاباری زبان میں ایک تحریر لکھ کر ان کے حوالے کی۔ اس تحریر میں اپنے اقامتی شہر، اعزہ واقرباء، نیز مالابار کے مختلف شہروں اور علاقوں کے حکمرانوں

کے نام لکھے اور ان مسلمانوں سے کہا کہ کرن گنور، درپٹن، پنڈرانی، یا کویم میں سے کسی ایک شہر میں فروکش ہوں۔ نیز یہ تاکید کردی کہ میری بیماری اور وفات کی صورت میں موت کی خبر اہل مالابار سے نہ بتائیں۔ اس کے بعد اس کی وفات ہوگئی۔ رحمۃ اللہ واسعۃ۔

اس کے کئی سال بعد شرف بن مالک دینار، مالک بن حبیب اس کی زوجہ قمریہ نیز کچھ اور مسلمانوں نے اپنے اہل وعیال اور دوسرے معتقدین کو ساتھ لے کر مالابار کا سفر کیا "کرن گنور" پہنچ کر قیام کیا اور مذکورہ مہاراجہ کی تحریر وہاں کے موجودہ حکمراں کو دی۔ تاہم اس کے انتقال کی خبر مخفی ہی رکھی۔ موجودہ راجہ نے جب خط پڑھا تو متوفی مہاراجہ کی تحریر کے بموجب انھیں زمینیں اور باغات الاٹ کردیے۔ یہ لوگ یہاں قیام پذیر ہوگئے اور ایک مسجد تعمیر کی۔ مالک بن دینار بھی یہیں بس گئے۔ لیکن ان کے بھتیجے: مالک بن حبیب نے مسجد تعمیر کرنے کی خاطر "مالاربار" میں سکونت اختیار کی۔ یہاں سے روانہ ہوکر مالک بن حبیب مع بیوی بچے "کولم" آئے اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ پھر "کولم" ہی میں اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر "ہیلی مارادی" آگئے اور وہاں بھی مسجد بنائی۔ بعد ازاں "باکنور" جاکر ایک مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد "منگلور" واپس آکر یہاں بھی ایک مسجد بنائی۔ یہاں سے روانہ ہوکر "ہیلی مارادی" آئے جہاں تین ماہ تک قیام کیا۔ یہاں سے "چرپٹانوم" گئے اور ایک مسجد بنائی۔ پھر "درم پٹن" جاکر ایک مسجد بنائی۔ وہاں سے "پنڈرانی" آئے اور وہاں بھی ایک مسجد تعمیر کی۔ پھر "چالیام" پہنچے اور ایک مسجد تعمیر کی اور یہاں پانچ ماہ تک مقیم رہے۔ یہاں سے نکل کر اپنے عم محترم: حضرت مالک بن دینار کے پاس آئے۔ پھر ان تمام مساجد کا سفر کیا اور ان سب میں نمازیں ادا کرتے ہوئے "کرن گنور" کے لیے واپس آئے۔ اس کے بعد مالک بن دینار اور مالک بن حبیب اپنے ساتھیوں تلامذہ اور غلاموں کے ہمراہ "کولم" آئے۔ جہاں مالک بن دینار اور ان کے کچھ تلامذہ کو چھوڑ کر باقی سارے

لوگ آباد ہو گئے۔ ان حضرات نے ''شحر'' کا سفر کیا اور متوفی مہاراجہ کی قبر پر بنے ہوئے قبے کی زیارت کی۔ یہاں سے روانہ ہو کر حضرت مالک بن دینار ''خراسان'' گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ اپنے کچھ لڑکوں کو ''کولم'' ہی میں چھوڑ کر مالک بن حبیب اپنی بیوی کے ہمراہ ''کرن گنور'' واپس آئے۔ جہاں ان کی اور ان کی اہلیہ دونوں نے وفات پائی۔ یہ ہے مالا بار میں اسلام کی اولین آمد کا واقعہ۔

تاہم اسلام کی اولین آمد کی حتمی تاریخ کا ہمیں علم نہیں ہے۔ مگر ظن غالب ہے کہ یہ دوسری صدی ہجری کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور اہل مالا بار میں جو بات مشہور ہے کہ مہاراجہ مذکور نے حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ہی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیا، اس نے مکہ مکرمہ کا سفر کیا، حضور اکرم ﷺ سے شرف ملاقات بھی حاصل کیا اور پھر مذکورہ جماعت کے ساتھ ''مالا بار'' کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں وفات ہوئی، تو ان میں سے کوئی بھی بات درست نہیں ہے۔

دوسری صدی ہجری میں یہ مشہور ہے کہ مہاراجہ مذکورہ کی قبر ''ظفار'' میں ہے نہ کہ ''شحر'' میں۔ اس کی قبر بہت مشہور اور متبرک سمجھی جاتی ہے۔ اس اطراف کے لوگ اس مہاراجہ کا نام ''سامری'' بتاتے ہیں۔ جہاں تک اس مہاراجہ کے غائب ہو جانے کی خبر کا تعلق ہے تو یہ تمام باشندگان مالا بار میں مشہور ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ البتہ غیر مسلموں کا یہ بھی خیال ہے کہ اسے آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے انھیں اس کے دوبارہ آمد کی امید ہے۔ نیز اسی سبب سے یہ لوگ ''کرن گنور'' میں ایک جگہ خیمے اور پانی فراہم کیا کرتے اور ایک متعین شب میں اس کے نزول کی آس لگائے رہتے ہیں۔ مالا باریوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ جب سفر کا وقت قریب آ گیا تو مہاراجہ نے حکومت سب کو تقسیم کر دی ''سامری'' جس نے سب سے پہلے ''کالی کٹ'' میں بندرگاہ بنوائی، چوں کہ وہ اس وقت موجود نہ تھا؛ اس لیے اسے کسی شہر کی حکومت تفویض نہ کی۔ جب وہ آیا تو اسے ایک تلوار دی اور کہا کہ یہ تلوار

ماروا اور مالک بنو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور کچھ عرصے بعد ''کالی کٹ'' کا مالک بن گیا۔ کالی کٹ میں مسلمانوں نے سکونت اختیار کی، اہل تجارت وصنعت، مختلف علاقوں سے آ کر بسے، تجارت کو بڑا فروغ ملا۔ نتیجتاً ''کالی کٹ'' بہت بڑا شہر بن گیا۔ مسلم اور غیر مسلم ہر طبقے اور مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد رہائش پذیر تھے اور ریاست مالا بار کے مختلف شہروں اور علاقوں کے راجاؤں میں سامری سب سے بڑا اور مضبوط راجہ بن گیا۔ ریاست کے تمام راجگان غیر مسلم تھے۔ کوئی کمزور اور کوئی طاقت ور مگر حلقہ بہ گوش اسلام مہاراجہ مذکور کی اپنی سرحد سے تجاوز نہ کرنے کے تاکیدی حکم، اس کے لیے اس کی دعاء، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہب اسلام کی برکت کے سبب طاقت ور راجہ اپنے سے کمزور راجہ پر نہ تو حملہ کرتا اور نہ بہ زور طاقت اس کے علاقے پر قابض ہوتا۔

ان راجگان میں سے کسی کی حکومت صرف ایک فرسخ تک اور کسی کی اس سے کچھ زیادہ تک تھی۔ کسی کے پاس کل سو فوجی یا اس سے بھی کم، کسی کے یہاں دوسو، تین سو تا ایک ہزار، کسی کے پاس پانچ ہزار اور دس ہزار سے لے کر تیس ہزار، ایک لاکھ یا اس سے بھی کچھ زیادہ تعداد میں فوج ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ علاقے ایسے ہیں، جہاں دو یا تین یا اس سے زیادہ راجے مشترکہ طور پر حکومت کر رہے ہیں۔ حالاں کہ قوت وشوکت اور لشکر کے اعتبار سے ان میں تفاوت بھی ہے۔ ان میں جنگ وجدال بھی ہوتا ہے، مگر اشتراک علی حالہ باقی رہتا ہے۔ ان تمام راجگان میں سب سے زیادہ فوج ''ترڈو'' راجا کے پاس ہے، جو کولم، راس کماری اور ان کے مابین مشرقی علاقوں کا حاکم ہے۔ ان علاقوں میں بہت رجواڑے ہیں مثلاً کول تری، رائے ہیلی، ماردی، چرپٹن، کنور، ارکاٹ اور ڈرپٹن وغیرہ۔ مگر سب سے زیادہ رعب داب کا مالک اور سب سے زیادہ مشہور راجا ''سامری'' ہے۔ جس کی وجہ دین اسلام کی برکت، مسلم افواج، تمام مسلمانوں بالخصوص پردیسی مسلمانوں کا اعزاز واکرام کیا جانا ہے۔ مگر

ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اسی مہاراجہ کی عطا کردہ تلوار کا کرشمہ ہے۔ ان کے بقول وہ تلوار ''سامری'' کے پاس اب تک موجود ہے، جس کا وہ بہت احترام کرتا اور جب وہ کسی جنگ یا بڑے مجمع میں جاتا ہے تو اسے ساتھ لے جاتا ہے۔

راجا سامری اپنے اعزہ واقرباء کے علاوہ کسی دوسرے راجا سے جنگ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ راجا مجبوراً روپے پیسے اور اپنا زیرانتظام کچھ علاقہ سامری کو دے دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو قدرت کے باوجود سامری اس کے علاقے پر زبردستی قبضہ نہیں کرتا، خواہ کتنا عرصہ نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مالابار اپنے قدیم رسومات وعادات کی شاذونادر ہی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن راجا سامری کے علاوہ باقی تمام راجگان، اگر ان کا بس چلتا ہے تو قتل وغارت گری اور تباہی وبربادی ہی سے دل چسپی رکھتے ہیں۔

علامہ معبری مزید فرماتے ہیں کہ شرف بن مالک، مالک بن دینار اور مالک بن حبیب وغیرہ مذکورۃ الصدر حضرات ''مالابار'' آئے، مسجدیں تعمیر کیں، مالابار میں اسلام کی اشاعت ہوئی، اہل مالابار رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنے لگے، بہت سے علاقوں کے تجارت پیشہ افراد نے یہاں کا رخ کیا، مالابار کے دوسرے شہر مثلاً: کالی کٹ، بلین کوٹ، ٹراونکوٹ، کنور، پونانی، پریورنکاڈ، چالیام کا مضافاتی قصبہ: پرونور، پنڈرانی کے اطراف میں واقع: کابکاٹ، ٹرکوڈی، علاوہ ازیں کنوراکارڈ، ٹرانکور، نیلی، ڈرپٹن کی مضافاتی آبادی: چنپا، ڈرپٹن کے جنوب میں دوپٹن، نادورام اور کرن گنور کے جنوب میں کوچینڈ پت، ویلیرم اور دوسرے بندرگاہی شہروں میں خوب رونق ہوگئی، ان کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ چوں کہ ان علاقوں کے حکم راں باوجود اس کے کہ وہ خود بھی غیر مسلم ہیں، ان کی فوج بھی غیر مسلموں پر مشتمل ہے، مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی ظلم وزیادتی نہیں کرتے، اس لیے مسلمان تاجر بھی آباد ہوئے اور ان شہروں کی رونق میں اضافہ کیا۔ حالاں کہ مسلمان محکوم ہیں اور کل آبادی کا دس فیصد بھی نہیں

ہیں۔ قدیم زمانے سے ہی مالابار کی سب سے بڑی اور مشہور بندرگاہ ''کالی کٹ'' رہی ہے۔لیکن جب سے فرنگی یہاں آئے اور اہل ''کالی کٹ'' کے سفر واسفار پر پابندی لگادی، اس وقت سے ویران اور غیر آباد ہوگئی ہے۔ پوری ریاست مالابار میں ایک بھی مسلمان امیر اور حاکم نہیں ہے۔ بلکہ سارے کے سارے راجا غیر مسلم ہیں۔ جو نظم وضبط کے ساتھ حکومت کرتے ہیں۔ جب کسی مسلمان سے کسی قابل تاوان حرکت کا صدور ہوجاتا ہے تو اس پر مالی تاوان عائد کرتے ہیں۔

الحاصل ان حکام کی نظر میں مسلمانوں کی کافی عزت واحترام ہے۔ مسلمانوں کو جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرنے کی پوری آزادی ہے، قاضی اور مؤذن یہی حکام رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے مابین اسلامی شریعت کے احکام کے نفاذ میں بھی تعاون کرتے ہیں۔ لیکن جمعہ کو چھٹی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان چھٹی کرتا ہے تو تقریباً ہر شہر میں اس کے اوپر مالی جرمانہ لگایا جاتا ہے۔ اور جب کسی مسلمان سے قابل گردن زدنی کوئی حرکت سرزد ہوتی ہے تو سربرآوردہ مسلمانوں کی اجازت سے اسے قتل کردیا جاتا ہے، اس کی لاش مسلمانوں کے حوالے کردی جاتی ہے، جسے وہ غسل دیتے، نماز جنازہ پڑھتے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردیتے ہیں۔ جب کسی غیر مسلم سے اس طرح کی حرکت ظہور میں آتی ہے، اسے قتل کرکے سولی پہ لٹکا دیا جاتا ہے اور اس کی لاش چھوڑ دی جاتی ہے۔ کتے اور بھیڑیے کھالیتے ہیں۔ تجارت یا قابل تاوان حرکت کے ارتکاب پر ان سے دسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے۔ یہاں کے حکام کاشتکاروں اور باغ مالکان سے خواہ کھیت اور باغ کتنے زیادہ کیوں نہ ہوں، کسی طرح کا ٹیکس نہیں لیتے اور بغیر اجازت مسلمانوں کے گھروں میں داخل بھی نہیں ہوتے ہیں۔ جب بغاوت کا صدور ہوتا ہے تو ان پر مظالم ڈھا کر قتل کرنے کے بجائے، مسلمانوں کو مکلف کرتے ہیں کہ باغی کو اپنے درمیان سے نکال دیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو ان کا بائیکاٹ کریں اور حقہ پانی بند کر

دیں، اگر باشندگان مالا بار میں سے کوئی اسلام قبول کرے تو اس کو تکلیف دینے کے بجائے دیگر تمام مسلمانوں کی طرح اس کا احترام کرتے ہیں، خواہ وہ شخص بالکل حقیر اور ذلیل طبقے سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو، مسلمان تاجر پہلے زمانے میں نومسلم شخص کے قیام وطعام کا اپنے طور پر بندوبست رکھتے تھے۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ ''سامری'' کسی ایک شخص کا نام نہیں، بلکہ قدیم شاہی خاندان ''جیانگر'' سے تعلق رکھنے والے حکمرانوں کا لقب تھا۔ یہ خاندان جنوبی ہندوستان کے بیش تر علاقوں کا حاکم تھا اور اس کے ماتحت بہت سے چھوٹے چھوٹے حاکم مختلف علاقوں کے راجا ہوا کرتے تھے۔

زیر گفتگو حاکم مالا بار سامری کے زمانے کی بابت مورخین میں اختلاف ہے۔ محمد بن قاسم فرشتہ کی رائے ہے کہ اس نے عہد نبوی میں ہی اسلام قبول کیا اور ملک عرب کا سفر بھی کیا۔ اسی عرصے میں مسلمان ''مالابار'' آ کر وہاں آباد ہوئے۔ مگر شیخ زین الدین معبری کی رائے میں اس نے دوسری صدی ہجری میں اسلام قبول کیا۔ ''انڈین لائبریری آف لندن'' میں عربی زبان میں منظوم دو رسالے موجود ہیں، جن میں اس حکمراں کے قبول اسلام اور مالا بار میں مسلمانوں کی آمد کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایک رسالے میں اس حاکم کا نام ''شکروتی فرماض'' اور دوسرے میں ''شکروتی خرمال'' مذکور ہے۔ شکروتی، چکروتی بمعنی بادشاہ کا معرب ہے اور فرماض یا فرمان ''پیرومال'' کی تعریب ہے۔ مستشرقین کے خیال میں اس حاکم کا نام ''راچیرومن پیرومال'' تھا۔ چیرومن اس حاکم کے خاندان کو کہا جاتا تھا۔ بعض مستشرقین کی رائے میں یہ حاکم حضور اکرم ﷺ کے زمانے کا ہے۔ مگر جدید روایات اور تحقیقات کی رو سے اس کا دور دوسری صدی ہجری کے آخر میں ہے۔ کچھ اہل تحقیق علمائے مستشرقین کا کہنا ہے کہ ''پیرومال'' ۲۵ راگست ۸۲۵ء مطابق ۲۱۰ھ کو مالا بار کے ساحل سے روانہ ہوا اور ۸۲۷ء مطابق ۲۱۲ھ میں ساحل عرب پہنچا۔ اس کی وفات ۸۳۱ء مطابق

۲۱۶ھ میں ہوئی۔ اس قول کے مطابق ''پیرومال'' دوسری صدی ہجری کے شروع کا ہے اور اس کے رفقائے سفر ۸۲۴ء مطابق ۲۱۹ھ میں مالابار کے اطراف میں پہنچے۔ مگر مسلمانان مالابار میں یہ بات مشہور ہے کہ اس حاکم کی قبر پر ''عبدالرحمٰن السامری'' لکھا ہوا ہے اور یہ کہ وہ مالابار ۲۱۲ھ میں آیا اور اس کا انتقال ۲۱۶ھ میں ہوا جیسا کہ سید شمس الدین قادری نے ''تاریخ مالابار'' میں لکھا ہے۔ لیکن میرے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حاکم مالابار سامری کا دور دوسری صدی ہجری کے آس پاس کا ہے، جیسا کہ علامہ معبری نے ''تحفۃ المجاہدین'' میں لکھا ہے۔ (قاضی)

سامور ہندی

کشف الظنون میں ان کی بابت صرف اتنا لکھا ہے کہ ''کتاب الخافی'' سامور ہندی کی تصنیف ہے۔

سرباتک ہندی

حافظ ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں لکھا ہے کہ ''سرباتک'' ہندوستان کا حکمراں تھا۔ ابوموسی نے یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری کے تلمیذ: میسر بن احمد اسفرائینی کے طریق سے ''ذیل'' میں روایت بیان کی ہے کہ ہم سے مکی بن احمد بروعی نے بتایا کہ میں نے اسحاق بن ابراہیم طوسی سے بہ عمر ۹۷ سال سنا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے شاہ ہندوستان: سرباتک کو ''قنوج'' میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ اس نے بتایا سات سو پچیس سال۔ اس نے یہ بھی کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ، حضرت اسامہ اور حضرت صہیب ؓ کو میرے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا، چناں چہ میں نے اسلام قبول کرلیا۔

مگر امام ذہبی نے ''تجرید أسماء الصحابۃ'' میں صراحت سے لکھا ہے

کہ اس کی یہ بات تو صریح جھوٹ ہے اور ابن اثیر بن مندہ کو اپنی کتاب میں اس کا نام خارج نہ کرنے پر معذور قرار دیا ہے۔ ابو حاتم احمد بن محمد بن حامد بلوی کا بیان ہے کہ ان سے عمر بن احمد بن محمد بن عمر بن حفص نیساپوری نے، ان سے ابو القاسم عبداللہ بن حسین نے، ان سے حافظ بالویہ بن بکر بن ابراہیم بن محمد بن فرحان صوفی نے بتایا کہ میں نے ابو سعید مظفر بن اسد حنفی مطبب سے سنا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ سرباتک ہندی نے کہا کہ میں نے دو مرتبہ نبی اکرم ﷺ کا دیدار کیا ہے: ایک بار مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ حسین اور میانہ قد تھے۔ عمر بن احمد نے بتایا کہ سرباتک ہندی کا انتقال بہ قول مظفر بن اسد، نوسو چورانوے سال کی عمر میں ۳۳۳ھ میں ہوا۔

علامہ طاہر پٹنی نے بھی ''تذکرۃ الموضوعات'' میں زیادہ عمر پانے والے مدعیان صحابیت کے ضمن میں سرباتک ہندی کا تذکرہ کرتے ہوئے وہی بات لکھی ہے، جو حافظ نے اصابہ میں نقل کی۔ تاہم رتن ہندی اور سرباتک ہندی میں اتنی بات تو قدرے مشترک ہے کہ اس نام کے لوگ ہندوستان میں ہوئے ہیں اور انھوں نے جھوٹا دعوائے صحابیت کیا۔

سروتا ہندی

سروتا کا ذکر جارا کا ہندی کے تذکرے میں گزر چکا ہے۔ اس لیے وہیں دیکھا جائے۔ (قاضی)

سسہ ہندی

ہندوستان کے مشہور و معروف شعبدہ بازوں، جادوگروں، اور طلسماتی لوگوں میں اس کا بھی شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ سسہ ہندی متقدمین میں سے تھا اور شعبدہ بازی اور

جھاڑ پھونک میں اس کا مسلک وہی تھا، جو دوسرے ہندوستانیوں کا تھا۔ اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس میں جھاڑ پھونک کے طور طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔

سعد بن عبداللہ سرندیپی اصبہانی

علامہ حموی نے ''معجم البلدان'' میں سرندیپ کا نام ''سرندین'' ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یحییٰ بن مندہ کا بیان ہے کہ ابوالخیر سعد بن عبداللہ سرندیپی اصبہان آئے اور عبدالوہاب کلابی سے حدیث کا املاء کیا۔ نیز یہ کہ سعد بن عبداللہ سے علی بن احمد سرنجلانی اور ابوعلی لبّادو غیرہ نے روایت کی۔

''سرندیپ'' کا تذکرہ کرنے کے بعد حموی نے یوں ہی لکھا ہے۔ جب کہ لغت اور جغرافیہ کی کتابوں میں ''سرندین'' کا لفظ موجود نہیں ہے، اس بناپر غالب گمان یہ ہے کہ حموی نے سرندیپ کو ''سرندین'' اس وجہ سے لکھا ہوگا کہ انھیں سعد بن عبداللہ کی نسبت ''سرندینی'' ملی جو کہ کاتب کی غلطی تھی۔ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ سعد بن عبداللہ سرندیپی ہیں اور یہ چوتھی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ (قاضی)

سلافہ سندھی: حضرت زین العابدین کی والدہ

ابن قتیبہ نے ''المعارف'' میں لکھا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل صرف علی بن حسین اصغر سے ہی چلی۔ کہتے ہیں کہ ان کی ماں کا نام سلافہ یا غزالہ تھا، جو سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جس سے حضرت حسین کی شہادت کے بعد ان کے آزاد کردہ غلام: زبید نے شادی کرلی اور ان سے عبداللہ بن زبید پیدا ہوئے۔ اس طرح عبداللہ علی بن حسین کے ماں شریک بھائی ہوئے۔ علی بن محمد نے عثمان بن عثمان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ علی بن حسین نے خود ہی اپنی والدہ کی شادی زبید سے کی۔ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ نے ''المعارف'' مین نقل کیا ہے

کہ حضرت زین العابدین کی والدہ سندھی تھیں، جن کا نام سلافہ یا غزالہ تھا۔
مشہور یہ ہے کہ سلافہ فارس کے آخری شہنشاہ: یزدجرد کی لڑکی تھی۔ (قاضی)

سماق زوطی ہندی بصری

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون نے اپنی مشہور زمانہ تاریخ میں لکھا ہے کہ زط، اوباش لوگوں کی ایک قوم ہے، جس نے بصرہ کے راستے پر قبضہ کر کے لوٹ مار اور غارت گری مچائی۔ انھوں نے اپنی ہی قوم کے ایک شخص: محمد بن عثمان کو اپنا حاکم اور سردار بنالیا تھا۔ بعد میں سرداری کی ذمے داری ''سماق'' نامی شخص نے بھی انجام دی۔ سماق زوطی دوسری صدی ہجری کے قریبی دور کا ہے۔ (قاضی)

سندھی خواتیمی بغدادی

علامہ ابن الجوزی نے امام احمد بن حنبل کے مناقب پر لکھی اپنی کتاب ''مناقب الإمام أحمد ابن حنبل'' میں ان شیوخ وتلامذہ کے ضمن میں جنہوں نے امام موصوف سے روایت حدیث کی، سندھی خواتیمی کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کا نام سندھی ابوبکر خواتیمی تحریر فرمایا ہے۔

سندھی بن ابوہارون

امام ابوحاتم رازی نے ''کتاب الجرح و التعدیل'' میں لکھا ہے کہ سندھی بن ابوہارون نے فلاں سے روایت کی (شیخ کا نام ذکر نہیں کیا) اور ان سے مسدد نے روایت کی اور کہا کہ میں نے اپنے والد سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ سندھی بن ابوہارون مجہول ہیں۔ امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں تحریر فرمایا کہ سندھی بن ابوہارون مسدد کے شیخ ہیں مگر مجہول ہیں، پھر اس کے معاً بعد لکھا ہے کہ سندھی

بن ہارون، مسدد کے شیخ ہیں اور مجہول ہیں۔

شاید سندھی بن ابو ہارون اور سندل بن ہارون ایک ہی شخص ہیں یہ تیسری صدی ہجری کے ہیں۔ (قاضی)

سندھی مولی حسین خادم

علامہ طبری ''تاریخ طبری'' میں رقم طراز ہیں کہ سندھی مولی حسین خادم کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ مسلمانوں نے بھی دریا پر ایک پل بنایا اور رومیوں نے بھی ایک پل بنایا۔ تو ہم اہل روم کو اپنے پل سے آنے جانے اور وہ مسلمانوں کو اپنے پل سے آنے جانے دیتے تھے۔ نیز سندھی نے دونوں کے درمیان کسی قسم کی مخاصمت اور جنگ سے انکار کیا۔

سندھی مولی حسین خادم کی بابت صرف اسی قدر معلومات دستیاب ہوسکیں۔ یہ خلیفہ واثق باللہ کے عہد خلافت میں ۲۳۱ھ میں بقید حیات تھے۔ جب مسلمانوں اور شاہِ روم کے درمیان فدیہ کی بات طے ہوئی۔ مسلمان اور رومی ''لامس'' دریا پر شہر ''طرطوس'' سے ایک دن کی مسافت پر واقع ''سلوقیہ'' میں جمع ہوگئے تھے۔ زیر تذکرہ سندھی خلافت اسلامیہ کے بہت معتمد تھے۔ ان کا تعلق تیسری صدی ہجری سے ہے۔ (قاضی)

سندھی بن ابان بغدادی

خطیب بغدادی ''تاریخ بغداد'' میں فرماتے ہیں کہ ابونصر سندھی بن ابان، خلف بن ہشام کے غلام تھے۔ انھوں نے یحییٰ بن عبدالحمید حمانی سے روایت کی اور ان سے عبدالصمد بن علی طستی نے روایت کی۔ مزید فرماتے ہیں کہ ہم سے احمد بن علی محتسب نے بتایا کہ ہم نے احمد بن فرج ورّاق سے پڑھا۔ انھوں نے ابوعباس احمد بن محمد بن سعید کی روایت سے بیان کیا کہ سندھی بن ابان کی وفات بغداد میں

ذی الحجہ ۲۸۱ھ میں ہوئی۔ نیز بتایا کہ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ اس عمر میں بھی خضاب کا استعمال نہیں کرتے تھے۔

مولی ابوجعفر منصور: سندھی بن شاہک

ان کا نام محمد، والدہ کا نام شاہک تھا۔ یہ ابوجعفر منصور کے آزاد کردہ غلام اور مشہور شاعر کشاجم کے دادا تھے۔ یہ بہت عقل مند زیرک، سلیقہ مند وشائستہ، تجربہ کار سیاس اور عباسی خلافت کے اہم اور معتمد لوگوں میں تھے۔ ان کے نصر اور ابراہیم نام کے دو صاحب زادے تھے۔ ''الانساب'' میں علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ سندھی بن شاہک سیکورٹی گارڈس کے نگراں تھے۔ دوسری جگہ صراحت کی ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کے دور میں شہر بغداد کے نگراں اور محافظ تھے۔

علامہ ابن الجوزی، امام احمد بن حنبل کے اوصاف وکمالات کے ذیل میں ان کی ابتدائی طالب علمی، طلب علم کے لیے اسفار اور دریائے ''دجلہ'' کی طغیانی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ یہ طغیانی ہارون رشید کے دور خلافت میں ۱۸۶ھ میں رونما ہوئی۔ دجلہ میں ایسی طغیانی اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی۔ ہارون رشید کو اپنے اہل خانہ اور مال واسباب لے کر کشتیوں میں سوار ہونا پڑ گیا تھا۔ ابوعلی بردانی کا کہنا ہے کہ سندھی بن شاہک جو اس وقت والی بغداد تھے، انھوں نے اس اندیشے سے لوگوں کو دریا عبور کرنے سے منع کر دیا تھا، کہ وہ ڈوب نہ جائیں۔

تاریخ ابن خلکان کے اندر امام کاظم کے تذکرے میں صراحت ہے کہ انھیں پہلے خلیفہ مہدی نے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈالا، پھر ہارون رشید نے تا آں کہ جیل میں ہی ان کی وفات ہوگئی۔ قید وبند کے اس پورے عرصے میں مشہور شاعر کشاجم کے دادا: سندھی بن شاہک ان کے نگراں رہے۔

مؤرخ ابن قتیبہ نے ''عیون الاخبار'' میں لکھا ہے کہ فصل مقدمات پر

سندھی بن شاہک مالی، جولاہے اور ملاح سے قسم نہ لیتے، بلکہ مدعی سے ہی قسم لے کر اس کی بات کو معتبر مانتے ہوئے فیصلہ کیا کرتے اور فرماتے تھے خدایا! میں تجھ سے اونٹ چرانے والے اور بچوں کو تعلیم دینے والے کی بابت خیر کا طلب گار ہوں۔

''تاریخ بغداد'' میں خطیب فرماتے ہیں کہ علامہ اصمعی کا بیان ہے کہ انھیں ولی عہد شہزادہ محمد امین کے یہاں بھیجا گیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے بتایا کہ امیر المومنین کی جانب سے فضل بن ربیع نے ایک تحریر لکھی ہے، جس میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ پیغام رسانی کے تین جانوروں پر سامان لاد کر ان کے پاس لے جائیں۔ امین کے سامنے محمد سندھی بن شاہک بھی تھے۔ ان سے امین نے کہا کہ انھیں لے جاؤ اور سامان لدوا کر امیر المومنین کے پاس روانہ کردو۔ سندھی بن شاہک نے یہ ذمے داری اپنے جانشین ونائب عبد الجبار کے حوالے کردی۔ اس نے سامان لدوا کر مجھے رخصت کردیا۔ جب شہر ''رقہ'' میں داخل ہوا تو فضل بن ربیع کو سامان پہنچادیا۔ الخ

ابو عبد اللہ محمد بن عبدوس جہیشاری نے ''کتاب الوزراء والکتّاب'' میں لکھا ہے کہ ہارون رشید نے بغداد میں دونوں پلوں کے نگراں سندھی بن شاہک سے کہا کہ آج سے پورے ایک سال بعد تم خفیہ طور پر برامکہ کے مکانات اور ان کے مال واسباب کو اپنی تحویل میں لے لینا۔ سندھی کا بیان ہے کہ جب ایک سال ہوگیا اور ہارون رشید جعفر برمکی کے ہمراہ ''انبار'' گیا ہوا تھا تو میں نے نہایت راز داری کے ساتھ برامکہ کے مال واسباب اور مکانات اس اندیشے سے اپنی تحویل میں لے لے کہ مبادا ہارون رشید کی رائے بدل جائے یا اس بات کی اطلاع برامکہ کو ہوجائے اور میں قتل کردیا جاؤں۔ چناں چہ ایک دن تک میں مغموم رہا۔ جب شام ہوئی تو پل کی مشرقی سمت رات بھر بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ خلیفہ کی جانب سے کوئی خوش خبری آئے۔ نیز میں نے خلیفہ کی طرف سے کوئی پیغام یا قاصد آنے کی بابت ایک شخص کو ذمے داری سونپ دی۔ جب صبح صادق نمودار ہوئی تو ایک پروانہ بردار اچانک آیا، یہ خچر پر سوار تھا، اس

کے نیچے ایک بورے میں جعفر برمکی کی لاش تھی، جس کے دو حصے کر دیے گئے تھے۔ نیز اس کے ساتھ ہارون رشید کا میرے نام ایک خط بھی تھا جس میں لکھا تھا کہ ایک پل پر لاش کے ایک حصے کو اور دوسرے پر دوسرے حصے کو سولی پر لٹکا دیا جائے۔ چناں چہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے ایک سال بعد ہارون رشید پل کے مشرقی سمت میں فروکش ہوا اور جعفر کی لاش نذر آتش کر دی۔ ہارون رشید اپنے ہمراہ ''یمن'' سے ایک خون خوار جلاد بھی لے کر آیا تھا۔ ہارون رشید نے تمام قیدیوں کو پیش کر دیا اور جلاذ نے حسب الحکم سب کی گردنیں تن سے جدا کر دیں، آخری شخص اس جلاد کا ہم سر تھا۔ جب اس کی گردن مارنے آگے بڑھا تو اس نے کہا کہ امیر المومنین سے کہو کہ میرے پاس ایک نصیحت ہے۔ سندھی بن شاہک کا بیان ہے کہ اس پر جلاد رک گیا اور جو بات اس نے کہی تھی وہ ہمیں بتا دی۔ میں نے اس کے پاس آ کر پوچھا وہ نصیحت کیا ہے؟ تو اس نے کہا امیر المومنین سے بتادو کہ میں ''الحفصی'' ہوں، یعنی ابوعبداللہ، متوکل باللہ کا خصوصی گلوکار۔ نیز یہ کہ میں موسیقی بجانے میں سب سے ہوشیار ہوں۔ اس وقت تک موسیقی عراق میں معروف نہ ہوئی تھی۔ سندھی کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات ہارون رشید کو بتا دی۔ کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہارون نے حکم دیا کہ اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ زندہ رچھوڑ دیا جائے۔ ایک روز اسے اپنی مجلس میں بلوایا۔ ہارون شراب نوشی کے لیے بیٹھ چکا تھا۔ اس نے جو گایا تو ہارون جھوم اٹھا اور اسے تیس ہزار درہم انعام میں دینے کے علاوہ اپنی مجلس کے مخصوص گلوکاروں میں بھی شامل کر لیا۔

''فرانق'' پروانک کا معرب ہے۔ پروانک اس شخص کو کہا جاتا تھا جو ڈاک بردار کی رہ نمائی کی خدمت انجام دیتا تھا۔ مسعودی نے ''کتاب التنبیہ والاشراف'' میں امین کے تذکرے میں لکھا ہے کہ جب امین امور سلطنت کو سنبھال نہ سکا اور اس میں کمزوری پیدا ہوگئی تو وزارت کی ذمہ داری امین کے دربار ہی میں منشیوں اور سکریٹریوں نے انجام دی۔ مثلاً اسماعیل بن صبیح اور اس پر چند

قریبی مشیر غالب آگے، جن میں عیسی بن نہیک، سندھی بن شاہک اور سلیمان بن ابوجعفر منصور قابل ذکر ہیں۔ (قاضی)

ابوالفرج اصفہانی نے ''الأغانی'' میں لکھا ہے کہ اسحاق کا بیان ہے، ان سے ہیثم بن عدی نے بتایا کہ ایک نہایت حسین و جمیل عورت مکہ مکرمہ آئی۔ طواف کرتے ہوئے عمر بن ربیعہ کی نظر اس پر پڑ گئی اور وہ عورت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ چناں چہ عمر نے قریب جا کر گفتگو کرنی چاہی، مگر اس نے مطلق توجہ نہ کی۔ جب دوسری رات ہوئی تو عمر اس عورت کو بلاتا رہا بالآخر اس میں کامیاب ہو گیا۔ عورت نے اس سے کہا ذرا سنبھل کے رہو کہ تم حرم میں اور ایام حرمت میں ہو۔ مگر وہ اس سے مسلسل بات کئے جا رہا تھا حتی کہ عورت کو اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں یہ بات مشہور نہ ہو جائے۔ جب اگلی شب ہوئی تو عورت نے اپنے بھائی سے کہا کہ آپ ساتھ لے جا کر مجھے مقامات مقدسہ دکھا دیں، کیوں کہ میں انھیں پہچانتی نہیں ہوں۔ چناں چہ اپنے بھائی کے ساتھ چل پڑی۔ جب عمر بن ربیعہ نے اسے دیکھا تو چھیڑ خانی کرنی چاہی مگر ساتھ میں اس کے بھائی کو دیکھ کر اس سے باز رہا۔ اس پر عورت نے نابغہ ذبیانی کا یہ شعر پڑھا:

تعد الذئاب علی من لا کلاب له ❁ تتقی صولة المستاسد الحامی

''بھیڑیے اس پر حملہ کرتے ہیں جس کے ساتھ کتے نہ ہوں اور شیر جیسے محافظ کے حملے سے بچتے ہیں''۔

اسحاق کا بیان ہے کہ مجھ سے سندھی مولی ابوجعفر منصور نے بتایا کہ اس نے کہا میری خواہش ہے کہ قریش کی کوئی ایسی نوجوان عورت باقی نہ رہنی چاہیے جسے یہ بات معلوم نہ ہو۔

علامہ طبری اپنی مشہور تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۱ھ میں ہارون رشید نے سرحدی علاقوں کے تمام گرجا گھر منہدم کر دیے جانے کی ہدایت دی اور سندھی بن شاہک کے نام تحریر لکھی جس میں اسے حکم دیا کہ بغداد کے اندر جو بھی ذمی، لباس اور

سواری میں مسلمانوں کی وضع کی مخالفت کرے اسے گرفتار کرلیا جائے۔

تاریخ طبری میں مزید لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جعفر بن حکیم کوفی نے اس سے بتایا اوران سے سندھی بن شاہک نے، سندھی کا بیان ہے کہ ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خادم ڈاک لے کر میرے پاس آیا۔ اس نے ایک چھوٹا سا خط میرے حوالے کیا۔ اسے کھولا تو معلوم ہوا کہ ہارون رشید کا خط ہے، اس نے اپنے ہی قلم سے لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سندھی! تمھاری نگاہ جیسے ہی اس خط پر پڑے اگر اس وقت تم بیٹھے ہوئے ہو تو کھڑے ہو جانا اور اگر کھڑے ہو تو بیٹھنا نہیں، بلکہ سیدھے میرے پاس چلے آنا۔ سندھی کہتے ہیں کہ خط پڑھتے ہی سواری کا جانور منگوایا اور روانہ ہوگیا۔ اس وقت ہارون رشید ''عمر'' میں تھا۔ عباس بن ربیع نے مجھے بتایا کہ ہارون رشید دریائے فرات پر ایک کشتی پر میرا انتظار کرتا رہا۔ جب کچھ گرد اٹھی تو مجھ سے کہا عباس! یہ آنے والے سندھی اور اس کے رفقاء ہونے چاہئیں۔ میں نے عرض کیا امیر المومنین! بالکل سندھی جیسا ہی ہے، اتنے میں تم نمودار ہوگئے اور سندھی کا بیان ہے کہ سواری سے اتر کر میں کھڑا ہو گیا۔ رشید نے میرے پاس بلاوا بھیجا اور میں اس کے پاس پہنچ کر تھوڑی دیر کھڑا رہا۔ پھر اس نے عباس سے کہا جاؤ اور کہو کہ کشتی پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دیے جائیں۔ عباس نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ذرا میرے پاس آؤ، میں قریب گیا تو فرمایا معلوم ہے کس مقصد کے لیے میں نے تمہارے پاس قاصد بھیجا تھا؟ میں نے جواب دیا نہیں امیر المومنین! کہنے لگا میں نے ایک ایسے کام کی خاطر تمھیں بلوایا ہے کہ اگر اس کا علم میرے کرتے کی گھنڈی کو بھی ہو جاتا تو اسے دریائے فرات میں ڈال دیتا۔ بتاؤ میرے سپہ سالاروں میں سب سے زیادہ معتمد کون ہے؟ میں نے کہا ہرثمہ۔ کہنے لگا بالکل صحیح بتایا۔ پھر کہا اچھا میرے وزیروں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد کون ہے؟ میں نے کہا مسرور کبیر۔ کہا بالکل ٹھیک بتایا۔ اچھا اب تم اسی وقت

یہاں سے روانہ ہوجاؤ اور حتی الامکان برق رفتاری سے جاؤ اور جب بغداد پہنچ جاؤ تو اپنے معتمد رفقاء کو اکٹھا کرو اور انھیں حکم دو کہ مکمل تیار رہیں۔ جب آپ مقام ''زجل'' کو طے کریں تو برمکیوں کے مکانات پر جاکر سوائے محمد بن خالد کے ہر دروازے پر ایک شخص کو تعینات کر کے، اس سے تاکید کردو کہ نہ کسی کو اندر سے باہر آنے دے اور نہ باہر سے اندر جانے دے، تاآں کہ میرا فرمان نہ پہنچ جائے۔ اس وقت تک برامکہ کو اس کی بابت کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ سندھی کا بیان ہے کہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے میں بعجلت بغداد پہنچا اور اپنے رفقاء کو یکجا کر کے ہارون رشید کے حکم کے مطابق انھیں ہدایت دے دی۔ کچھ ہی دیر بعد ''ہرثمہ بن امین'' ساتھ میں جعفر بن یحییٰ برمکی ایک خچر پر سوار آ کر پہنچے۔ اس خچر پر زین تک نہ تھی اور اس کی گردن پر مار کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ اس نے آتے ہی مجھے خلیفہ کا خط دیا، جس میں مجھے یہ تاکید کی گئی تھی کہ جعفر بن یحییٰ کے جسم کے دو حصے کر کے پلوں کے اوپر سولی پر لٹکا دوں۔ چناں چہ میں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اس کے جسم کے دو حصے کر کے پلوں کے اوپر سولی پر لٹکا دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جعفر اسی وقت سے سولی پر لٹکا رہا تاآں کہ ہارون رشید ''خراسان'' کے ارادے سے نکلا۔ جب وہاں گزر ہوا تو میری نگاہ جعفر پر پڑی۔ جب جانب مشرق سے ہوکر باب خزیمہ بن حازم پر پہنچا تو اس نے ولید بن جشم شاری کو قید خانے سے بلوایا اور اپنے جلاد: احمد بن جنید ختلی کو حکم دیا اور اس نے ولید کی گردن تن سے جدا کردی۔ پھر سندھی کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ جعفر بن یحییٰ برمکی کو جلا کر خاکستر کردیا جانا چاہیے۔ جب ہارون چلا گیا تو سندھی نے لکڑی اکٹھی کرائی اور جعفر کو نذر آتش کردیا۔

اس کا سن وفات مجھے معلوم نہ ہوسکا۔ ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ سندھی بن شاہک اور اس جیسے دوسرے سندھی، بنوعباس کے دور میں ایسے ہی ظالم تھے، جیسے بنوامیہ میں حجاج بن یوسف۔

سندھی بن شماس بصری

امام ابن ابو حاتم رازی "کتاب الجرح و التعدیل" میں لکھتے ہیں کہ سندھی بن شماس بصری نے عطاء بن ابورباح اور ابن سیرین سے روایت حدیث کی اور سندھی بن شماس سے موسیٰ بن اسماعیل اور حوثرہ بن اشرس نے روایت کی۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات اپنے والد محترم کو فرماتے ہوئے سنی۔

سندھی بن شماس دوسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

سندھی بن صدقہ شاعر

علامہ ابن ندیم نے ابن حاجب نعمان کی کتاب سے نقل کرتے ہوئے "الفہرست" میں شعراء اور ادباء کے اسماء کے ذیل میں ان کی بابت لکھا ہے:

"سندھی بن صدقه شاعر له خمسون ورقة۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سندھی بن صدقہ کے اشعار پچاس اوراق پر لکھے ہوئے تھے۔ ورق سے سلیمانی انداز کا ورق مراد ہے جس میں بیس سطریں ہوا کرتی تھیں۔ اس طرح سندھی بن صدقہ کا دیوان تقریباً دو ہزار اشعار کا رہا ہوگا۔

مورخ ابن عساکر نے "التاریخ الکبیر" میں ابونواس حسن ہانی کے حالات کے ذیل میں تصریح کی ہے کہ سندھی بن صدقہ نے بتایا کہ ہم لوگ مصر میں ایک چھت پر بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے ساتھ ابونواس بھی تھا۔ اتنے میں کچھ رفقاء خصیب شاعر کے ارادے سے ہماری جانب بڑھے تو ابونواس نے دوات تیار کر کے خصیب کی خدمت میں درج ذیل اشعار لکھ کر بھیجے:

قد استزرت عصبة فأقبلوا ۞ وعصبة لم تستزرهم طفلوا

رجوك في تطفيلك وأملوا ۞ وللرجاء حرمة لاتجهل
واملهم خيراً فانت الافضل ۞ وافعل كما كنت قديما تفعل

''تم نے کچھ لوگوں کو دعوت دی تو وہ حاضر خدمت ہوئے مگر کچھ لوگ وہ ہیں جن کو تم نے بلایا نہیں وہ بحیثیت طفیلی آئے انہیں امید تھی کہ تم ان کو طفیلی بناؤ گے اور امید کو جو درجہ حاصل ہے اس سے ہر شخص واقف ہے انہیں خیر کی امید دلاؤ کیوں کہ تم لوگوں میں بہترین شخص ہو، میں وہی کر رہا ہوں جو تم کرتے تھے''۔

سندھی بن صدقہ، شاعر اور ادیب تھے، ان کا تعلق دوسری صدی ہجری سے تھا۔ (قاضی)

سندھی بن عبدویہ کلبی رازی

ابن ابو حاتم رازی ''کتاب الجرح و التعديل'' میں لکھتے ہیں کہ سندھی بن عبدویہ رازی کا نام سہل بن عبدالرحمٰن اور بہ روایت دیگر سہل بن عبدویہ اور کنیت ابوہیثم کلبی تھی۔ یہ ہمدان اور قزوین کے قاضی تھے۔ انھوں نے ابراہیم بن طہمان، جریر بن حازم، عبداللہ معمری، خالد بن میسرہ، ابواویس، ابومعشر اور عمر بن ابوقیس سے روایت کی اور ان سے ابومسعود احمد بن فرات نے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد بزرگ وار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے سندھی بن عبدویہ کو دیکھا۔ ان کے سر اور ڈاڑھی پر خضاب لگا ہوا تھا۔ میں نے ان سے کوئی بات لکھی نہیں البتہ گفتگو ضرور سنی ہے۔ ابومحمد کہتے ہیں کہ سندھی نے مندل بن علی، قاضی رَے: عکرمہ بن ابراہیم، محمد بن سالم طائفی، عیسی بن عبدالرحمٰن سلمی، زہیر بن معاویہ، قاضی شریک، ابوبکر نہشلی اور عمر بن ابوزائدہ سے بھی روایت کی۔ ان سے زافر بن سلیمان، ابوحجر عمرو بن رافع، عبداللہ بن سالم بزار، یزید کے دونوں لڑکوں: ابومحمد اور اسماعیل، حجاج بن حمزہ کے دونوں ماموں: حجاج بن حمزہ، ابوعبداللہ طہرانی اور محمد بن عمار نے راویت کی۔

امام رازی نے مزید لکھا ہے کہ مجھ سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے، ان کے والد کا کہنا ہے کہ میں نے ابوالولید طیالسی کو فرماتے ہوئے سنا کہ شہر ''رے'' میں دو آدمیوں سے زیادہ حدیث کا علم مجھے اور کسی میں نظر نہ آیا۔ ایک تو تمہارے قاضی رے یحیٰ بن ضریس اور دوسرے چھ انگلیوں والے سندھی بن عبدویہ۔

علامہ حموی نے ''رے'' کے مضافات میں واقع ''دھک'' نامی بستی کی بابت ''معجم البلدان'' میں لکھا ہے کہ ''دھک'' رے کے مضافات میں ایک بستی کا نام ہے، اس کی جانب بہت سے راویانِ حدیث منسوب ہیں، انہی میں علی بن ابراہیم دھکی اور سندھی بن عبدویہ دھکی ہیں۔ یہ ابو اویس، اہل مدینہ اور اہل عراق سے روایت کرتے ہیں اور ان سے محمد بن حماد طہرانی۔ جیسا کہ سمعانی نے لکھا ہے۔

رَے ہی کے قریب ''زمق'' نام کی ایک دوسری مضافاتی بستی کے تعلق سے لکھا ہے کہ اس بستی کی طرف احمد بن ابراہیم زمقی رازی کی نسبت ہے۔ انھوں نے سہل بن عبدویہ سندھی سے روایت کی۔

امام ذہبی نے ''المشتبه'' میں لکھا ہے کہ سندھی بن عبدویہ ہی سہل بن عبدویہ رازی ہیں ان کا لقب سندھی ہے۔

نیز امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر اس میں ان پر نکیر کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''تہذیب التهذیب'' میں اربد تمیمی کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ سندھی بن عبدویہ نے ابوقیس عمرو سے، انھوں نے مطرف بن طریف سے، انھوں نے منہال بن عمرو سے، انہوں نے اربد تمیمی سے بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نقل کیا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم یہ گفتگو کیا کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے ستر عہد، ہمارے سپرد کیے جنھیں دوسرے کے سپرد نہ کیا۔ اسے امام طبرانی نے ''معجم طبرانی'' میں بہ روایت محمد بن سہل بن صباح، عن احمد بن فرات

سندھی کر کے صراحت کی ہے کہ اس میں سندھی منفرد ہیں۔ حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ میں نے امام ذہبی کی تحریر پڑھی ہے کہ یہ منکر فی الحدیث ہیں۔
سندھی بن عبدویہ کلبی رازی، تیسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

سندھی بن علی ورّاق بغدادی

علامہ ابن ندیم ''الفہرست'' میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے ابو الفرج اصفہانی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے محمد بن خلف نے بہ روایت وکیع بیان کیا، ان کا بیان ہے کہ میں نے حماد بن اسحاق سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ نہ میرے والد نے ''کتاب الاغانی الکبیر'' کبھی لکھی اور نہ ہی اسے دیکھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بیشتر منسوب اشعار، ان کے ساتھ مذکورہ، نیز اس وقت پیش آنے والے واقعات کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں۔ نیز یہ بھی بتایا کہ اکثر مغنیوں کی نسبت بھی غلط ہے۔ علاوہ ازیں گلوکاروں اور مغنیوں کا جو دیوان تالیف کیا ہے، اس سے مذکورہ بالا کتاب کے بطلان کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کو تو میرے والد کی کتابوں کی اجرت پر نقل کرنے والے نے والد کی وفات کے بعد مرتب کیا۔ سوائے ''رخصت'' کے جو کتاب کا ابتدائی حصہ ہے، اسے تو میرے والد نے مرتب کیا تھا۔ مگر اس کے تمام واقعات ہماری روایت سے ہیں۔ علامہ ابن ندیم فرماتے ہیں کہ یہ بات میں نے ابو بکر وکیع سے ازراہ حکایت سنی تھی۔ لیکن اسے اچھی طرح سے یاد کر لیا۔ ہاں الفاظ میں کچھ کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ''جحظہ'' نے مجھ سے بتایا کہ مجھے ایسے نقل نویس ورّاق کا علم ہے جس نے کتاب الاغانی الکبیر مرتب کی۔ اس کا نام سندھی بن علی تھا۔ اس کی دوکان ''طاق الزبل'' کے علاقے میں تھی۔ یہ اسحاق کے لیے اجرت پر کتاب نقل کیا کرتا تھا۔ اس نے اور اس کے ایک ساتھی نے مل کر یہ کتاب مرتب کی۔ پہلے یہ کتاب ''کتاب الشرکۃ'' کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے کل گیارہ

اجزاء ہیں، ہر جز کی ابتداء میں جو واقعہ ہے اسی نام سے وہ جز مشہور ہے۔ اس کتاب کا پہلا جزء ''رخصت'' ہے جو بالیقین اسحاق کی تالیف ہے۔

اس کتاب کی ترتیب اس وقت یعنی تیسری صدی ہجری تک اس طرح منقول ہے:

جزءاول

علقت الهوى منها وليدا فلم يزل ❁ إلى الحول ينمى حبّها ويزيد

''میں نے اس سے بچپن میں ہی محبت وابستہ کی تو وہ محبت برابر بڑھ رہی ہے''۔

جزءدوم

ولا أحمل الحقد القوم عليهم ❁ وليس رئيس القوم من يحمل الحقدا

''میں ان کے خلاف پرانا کینہ نہیں رکھتا ہوں کہ قوم کا سردار کینہ نہیں رکھا کرتا''۔

جزءسوم

ألمم بزينب إن الركب قد رقدوا ❁ قلّ العزاء لئن كان الرحيل غدا

''تم زینب سے ملاقات کرلو کیوں کہ قافلہ کے لوگ سو چکے ہیں۔ اگر قافلہ کوچ کرجائے تو تم تعزیت نہ کرسکو گے''۔

جزءچہارم

قفانبك من ذكرى حبيب ومنزل ❁ بسقط اللوى بين الدخول فحومل

''اے میرے دونوں دوستو! ذرا ٹھہرو ہم اپنے دوست اور اس جگہ کو یاد کرکے رولیں جو کبھی ''دخول'' اور ''حومل'' کے درمیان ریت کے تودوں پر واقع تھی۔

جزءپنجم

أعاذل إن المال غادورائح ❁ ويبقى من المال الأحاديث والذكر

''اے ملامت کرنے والے! مال تو آنے اور جانے والا ہے، بقاء اور دوام تو شیریں گفتگو اور عمدہ تذکروں کو حاصل ہے''۔

جزءششم

عوجی علینا ربه الهودج! ❁ إنك إن لم تفعلی تخرجی

''اے ہودج کی مالکن! ذرا ہماری طرف مڑ کر دیکھو، اگر ایسا نہ کیا تو دور چلی جاؤ گی''۔

جزءِ ہفتم

یابیت عاقلة الذی أتغزل ❁ حذر العدی وبه الفؤاد مؤکل

''اے عاقلہ کا گھر! تجھ سے جدائی کا سبب صرف دشمنوں کا خوف ہے، ورنہ دل تو تجھ ہی سے وابستہ ہے''۔

جزءِ ہشتم

ھاج الھوی لفؤاد المھتاج ❁ فانظر بتوضح باکر الأحداج

''محبوب کے دل میں محبت موجزن ہے، صبح سویرے مقام ''توضح'' میں لدے ہوئے بوجھوں کو دیکھو''۔

جزءِ نہم

فإنك کاللیل الذی ھو مدرکی ❁ وإن خلت أن المنتأی عنك واسع

''تیری مثال رات کی ہے جو بلاشبہ میرے پاس آئے گی، اگر تو یہ گمان کرلے کہ تو مجھ سے بہت دور ہو جائے گی''۔

جزءِ دہم: إذا أذنبت دارھا أھلھا

''جب اس کا گھر اس کے اہل خانہ کے ساتھ گناہ کرے''۔

سندھی بن علی وراق بغدادی دوسری صدی ہجری کے تھے اور اسحاق سے جن کے سندھی نقل نویس تھے، مشہور مغنی اسحاق بن ابراہیم موصلی مراد ہیں۔ (قاضی)

سندھی بن یحییٰ حرشی بغدادی

سندھی بن یحییٰ، سندھی بن شاہک کے معاصر بھی تھے اور ابن شاہک کی مانند

عباسی سلطنت کے چیدہ افراد میں بھی شمار ہوتے تھے۔ انھیں امورِ سلطنت میں بڑی مہارت حاصل تھی۔

ابو الفرج اصفہانی نے ''الاغانی'' میں لکھا ہے کہ ''فرید مولود'' کی نشو ونما حجاز میں ہوئی۔ پھر آلِ ربیع کے یہاں آ گئی، جہاں اس نے ان کے گھروں میں رہ کر غنا اور گیت گانا سیکھا۔ بعد ازاں ''برمک'' واپس چلی گئی۔ جب جعفر بن یحییٰ برمکی کو قتل کر دیا گیا اور دوسرے برامکہ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے تو یہ وہاں سے بھاگ نکلی، ہارون رشید نے تلاش بھی کرایا، مگر یہ اس کے ہاتھ نہ آئی۔ بعد میں امین کے پاس چلی گئی۔ جب امین بھی قتل کر دیا گیا تو وہاں سے نکل بھاگی اور ہیثم نے اس سے شادی کر لی جس سے اس کے ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا۔ کچھ دنوں کے بعد ہیثم کا انتقال ہو گیا تو سندھی بن حرشی، صاحب تذکرہ نے شادی کر لی اور انہی کے یہاں اس کی وفات ہوئی۔

تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ہارون رشید نے جعفر بن یحیی برمکی کو ۱۸۷ھ میں قتل کیا اور سندھی بن حرشی کو لکھا کہ جعفر کی لاش بغداد روانہ کر دی جائے، جہاں اس کا سر ''جسر اوسط'' پر آویزاں کر دیا جائے اور اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے کو جسر اعلیٰ پر اور دوسرے کو جسر اسفل پر لٹکا دیا جائے۔ چناں چہ سندھی نے ایسا ہی کیا۔

جعفر بن یحییٰ کی لاش بغداد تو سندھی ابن یحییٰ حرشی نے ہی بھیجی تھی، مگر اس کے سولی پر لٹکانے اور نذر آتش کرنے کا کام سندھی بن شاہک نے انجام دیا تھا۔

تاریخ طبری میں یہ بھی مذکور ہے کہ عمر بن اسد نے بتایا کہ محمد بن یزید بن حاتم کو قتل کرنے کے بعد طاہر ''اہواز'' میں ہی مقیم رہا۔ اہواز کے مضافات میں اپنے کارندوں کو والی اور گورنر بنا گیا۔ پھر ''واسط'' کی جانب روانہ ہوا۔ اس وقت ''واسط'' کے والی سندھی بن یحییٰ حرشی اور خزیمہ بن حازم کے جانشین: ہیثم تھے۔ ایک ایک کر کے ہر علاقہ اور ہر عامل، طاہر کے قبضے میں آتے گئے۔ یہاں تک کہ جب طاہر ''واسط'' کے

نزدیک پہنچا تو سندھی بن یحییٰ اور ہیثم بن شعبہ نے منادی کرا کے اپنے آدمیوں کو جنگ کے لیے اکٹھا کیا۔ اسی اثناء میں ہیثم بن شعبہ نے گھوڑوں کے ذمے دار افسر کو حکم دیا کہ ایک گھوڑے کی زین کس دی جائے۔ چناں چہ افسر ایک گھوڑا اس کے پاس لے آیا۔ ہیثم نے گھوڑے پر نگاہ ڈالی اور کئی بار اس کو چوما۔ افسر نے ہیثم کے چہرے پر تغیر اور خوف کے آثار دیکھے تو عرض کیا اگر آپ کا ارادہ بھاگ نکلنے کا ہے تو اس گھوڑے پر نکل جائیں۔ اس لیے کہ مقابلہ طاہر سے ہے، وہ مضبوط و توانا بھی ہے۔ یہ سن کر ہیثم ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ وہ تیز رفتار گھوڑا لاؤ۔ اس لیے کہ مقابلہ طاہر سے ہے اور اس کے مقابلے میں بھاگ نکلنا کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ چناں چہ سندھی بن یحییٰ اور ہیثم بن شعبہ دونوں نے ''واسط'' کو خیر باد کہ کر راہ فرار اختیار کی۔ طاہر جب ''واسط'' میں داخل ہوا تو اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ دونوں ''فحم الصلح'' پہلے پہنچ کر قلعہ بند نہ ہو جائیں، اس لیے محمد بن طالوت کو فوراً روانہ کیا اور حکم دیا کہ ان دونوں سے پہلے ''فحم الصلح'' پہنچ کر، انھیں اس میں داخل ہونے سے باز رکھو۔ اسی کے ساتھ اپنے ایک سپہ سالار: احمد بن مہلب کو جانب کوفہ روانہ کیا، جہاں اس وقت محمد امین کی طرف سے عباس بن موسیٰ ہادی گورنر تھا۔ جب عباس کو احمد بن مہلب کے کوفہ آنے کی اطلاع ملی تو امین کی بیعت ختم کر کے طاہر کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ مامون کی اطاعت و فرماں برداری اور بیعت قبول کرتا ہے۔ القصہ طاہر کے گھوڑے دریائے نیل کے دہانے پر فروکش ہوئے اور وہ واسط اور کوفہ کے درمیان تمام علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اسی طرح امین کی طرف سے بصرہ کے گورنر: منصور بن مہدی نے بھی طاہر کے پاس اس کی اطاعت قبول کرنے کا پیغام بھیجا۔ طاہر یہاں سے رخصت ہو کر ''طریانا'' پہنچا اور وہاں دو روز تک قیام پذیر رہا۔ لیکن جب ''طریانا'' فوج کے مطلب کا نظر نہ آیا تو پل بنانے اور خندق کھودنے کا حکم دیا اور وہیں سے عاملوں کے نام گورنری کے ہدایت نامے جاری کیے۔

تمام واقعات ۱۹۶ھ میں پیش آئے۔ (قاضی)

''تاریخ طبری'' ہی کے اندر یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ حسن بن سہل کی طرف سے عبداللہ بن سعید حرشی واسط اور اس کے اطراف کا والی تھا۔ ایک دفعہ ''واسط'' کے نزدیک ہی، ابوالسرایا کی فوج سے عبداللہ کی مڈبھیڑ ہوگئی، جس میں عبداللہ کو شکست ہوئی اور وہ بغداد واپس لوٹ گیا، جب کہ اس کے بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے۔ جب حسن بن سہل نے دیکھا کہ ابوالسرایا اور اس کا لشکر جس کسی سے بھی صف آراء ہوتے ہیں، اسے شکست دیے بنا نہیں رہتے اور یہ کہ جس شہر کا بھی وہ رخ کرتے ہیں اسے فتح کر لیتے ہیں، پھر حسن بن سہل نے محسوس کیا کہ اس کا کوئی بھی سپہ سالار ایسا نہیں ہے جو جنگ جیت سکے تو وہ مجبور ہوکر ''ہرثمہ'' کے پاس چلا گیا۔ حسن بن سہل جس وقت ہرثمہ کے پاس پہنچا، اس وقت وہ مامون کی جانب سے عراق کا گورنر تھا۔ لیکن ولایت عراق کی تمام تر ذمے داری، حسن بن سہل کے سپرد کردی اور حسن سے ناراض ہوکر خراسان کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا۔ جب وہ ''حلوان'' پہنچا تو حسن نے اس کے پاس سندھی اور صاحب مصلی صالح کو بھیجا کہ اس سے درخواست کریں کہ ابوالسرایا سے جنگ کی خاطر بغداد واپس لوٹ آئے۔ مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور قاصد نے اس کے انکار سے حسن کو مطلع کردیا۔ اس کے بعد سندھی نے نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس کے پاس کچھ خطوط بھیجے اور ہرثمہ اس کی بات مان کر ۱۹۹ھ میں بغداد واپس آگیا اور کوفہ جانے کی تیاری کی۔

کتاب مذکور میں یہ بھی تحریر ہے کہ ۲۰۲ھ میں اہل بغداد نے ابراہیم بن مہدی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور اسے ''مبارک'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس کے پیچھے سندھی اور صاحب مصلی صالح کی کوشش کارفرما تھی۔ نصیر الوصیف اور تمام غلام بھی اس میں شریک رہے۔ کیوں کہ یہی لوگ سربراہ اور سپہ سالار تھے۔ یہ قدم انھوں نے مامون عباس کے اس فیصلے کے خلاف غصہ میں اٹھایا، جو اس نے

عباسی خاندان سے خلافت کو نکال کر دوسرے خاندان میں لے جانے کی بابت کیا تھا۔ علاوہ ازیں یہ لوگ مامون کے طرز حکومت اور اپنے آباء واجداد کے روایتی سیاہ لباس چھوڑ کر سبز رنگ کا لباس پہننے پر بھی اس سے سخت ناراض تھے۔

اس کے علاوہ بھی سندھی بن یحییٰ حرشی کے حالات وواقعات ملتے ہیں، جن سے ان کی حکمت ودانائی اور امور جہاں بانی میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تیسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

سنکھار بن بھونگر بن سومرہ: حاکم سندھ

والد کی وفات کے وقت، سنکھار کم سن تھا۔ اس لیے اس کی ہمشیرہ ''تاری'' سندھ کی حکمراں بنی۔ جب یہ بڑا ہو گیا تو سندھ کا بادشاہ بنا اور ''کچھ'' کو فتح کیا۔ نیز ''فانک نی'' تک کے تمام علاقوں کا بادشاہ بن گیا۔ (تحفۃ الکرام)

شاہ سندھ: سومرہ اوّل

تحفۃ الکرام میں مذکور ہے کہ خاندان سومرہ کے لوگ سلطان محمود غزنوی کے صاحب زادے: سلطان عبدالرشید کے دور حکومت میں یک جا ہوئے اور چوں کہ عبدالرشید کم عقل اور کسی قدر خبطی تھا، اس لیے انھوں نے ۴۴۱ھ کے آس پاس خاندان سومرہ ہی کے ایک شخص: سومرہ کو نواحی ''تھری'' کا والی بنا لیا۔ سومرہ نے ان اطراف ونواحی پر قابض ہو کر خود مختاری کا اعلان کر دیا، بحسن وخوبی امور سلطنت کی انجام دہی کے کچھ دنوں بعد ''صاد'' کی لڑکی سے شادی کر لی اور اپنے علاقے کا مطلق العنان حکمراں بن گیا۔ اسی عورت سے اس کا ایک لڑکا بھونگر جو اس کا ولی عہد بھی ہوا، پیدا ہوا۔ سومرہ کی وفات ۴۶۱ھ میں سولہ برس تک حکومت کرنے کے بعد ہوئی۔

سہل بن عبدالرحمٰن سندھی رازی

امام رازی ''کتاب الجرح والتعدیل'' میں رقم طراز ہیں کہ سہل بن عبدالرحمٰن، سندھی بن عبدویہ رازی سے مشہور اور کنیت ابوہیثم ہے۔ انھوں نے زہیر بن معاویہ، قاضی شریک، مندل اور جریر بن حازم وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عمرو بن رافع، حجاج بن حمزہ، ابوعبداللہ تہرانی اور محمد بن عمرو وغیرہ نے روایت کی۔ محمد بن عمار کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا انھوں نے کہا کہ میں نے ابوالولید سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ یحییٰ بن ضریس اور چھ انگلیوں والے یعنی سندھی سے زیادہ حدیث کا علم رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ ان کے والد سے سہل بن عبدالرحمٰن کی بابت معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ وہ شیخ ہیں۔

علامہ سمعانی نے ''الانساب'' میں لکھا ہے کہ سہل بن عبدالرحمٰن ذہلی (دھکی) زہیر بن مودیہ (معاویہ) شریک بن جریر بن حازم، مندل بن علی اور ابن ابواویس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ علمائے حدیث میں شمار کیے جاتے تھے۔ نیز ہمدان اور قزوین کے قاضی رہے۔ یہ پہلے ایسے شخص ہیں جو ہمدان اور قزوین دونوں کے قاضی بنے۔ ان سے عمرو بن رافع، محمد بن حماد تہرانی، حجاج بن رجاء، محمد بن عمار اور ان کے علاوہ ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

امام طبرانی نے ''المعجم الصغیر'' میں لکھا ہے کہ ہم سے احمد بن ابراہیم زمقی رازی نے ان سے سہل بن عبدربہ (عبدویہ) نے، ان سے عبداللہ بن العلا بن شیبہ نے بیان کیا، انھوں نے ابن عون سے، انھوں نے عقبہ بن عبدالفاخر سے اور انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''عزل'' کا تذکرہ آیا تو فرمایا ''لا علیکم ان لاتفعلوا فانما ھو القدر'' فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں اس لیے کہ یہ تو

مقدرات کی بات ہے۔ امام طبرانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ابن عون سے عبداللہ بن العلا کے علاوہ کسی اور نے بیان نہیں کی۔

سندھی بن عبدویہ، سہل بن عبدویہ اور سہل بن عبدالرحمٰن یہ تینوں ایک ہی شخص: سندھی بن عبدویہ کے ہی نام ہیں، اگرچہ الگ الگ ناموں سے ان کے حالات مستقل لکھے گئے ہیں۔ (قاضی)

سہیل بن ذکوان، ابوسندھی مکی واسطی

''کتاب الجرح والتعدیل'' میں ان کی بابت مذکور ہے کہ سہیل بن ذکوان مکی ابوسندھی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ سے روایت کی اور ان سے ہیثم، مروان بن معاویہ اور یزید بن ہارون نے روایت کی۔ امام ابن ابوحاتم رازی لکھتے ہیں کہ یہ بات میں نے اپنے والد محترم سے سنی۔ نیز فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن نے، ان سے علی بن حسن ہسنجانی نے بیان کیا، ان کا کہنا ہے کہ میں نے ابراہیم بن عبداللہ ہروی سے سنا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ سہیل بن ذکوان ''واسط'' میں تھے اور میرا خیال ہے کہ اصلاً مکی ہیں اور یہ جھوٹے تھے۔ امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں تصریح کی ہے کہ ابوسندھی سہیل بن ذکوان نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی اور اس کا خیال تھا کہ حضرت عائشہؓ کا رنگ سیاہ تھا۔ امام یحییٰ بن معین نے اس کو کذاب قرار دیا ہے اور دوسرے کئی علمائے محدثین نے متروک الحدیث بتایا ہے۔ یہ ''واسط'' کے رہنے والے تھے۔ ابن ایوب کے اضافے میں ہیثم، بلکہ یزید بن ہارون نے ان کا ساتھ دیا ہے۔ ہم سے ہیثم نے بیان کیا اور انھیں سہیل بن ذکوان نے بتایا کہ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اپنے شوہر کے خلاف ظلم وزیادتی کی شکایت کی اور کہا کہ اس کا شوہر نہ تو ایام حیض میں ہم بستری سے رکتا ہے اور نہ ہی دوسرے دنوں میں۔ حضرت عبداللہ

بن زبیرؓ نے شوہر سے کہا چار مرتبہ دن میں اور چار مرتبہ رات میں ہم بستری کر سکتے ہو۔ اس پر شوہر نے عرض کیا کہ اتنے سے میرا کام نہیں چل سکتا اور آپ مجھے ایک ایسے کام سے روک رہے ہیں جسے اللہ تعالی نے حلال قرار دیا ہے۔ تب حضرت ابن زبیرؓ نے فرمایا کہ تم اسراف کے مرتکب ہوگے۔ حضرت عبّاد بن عوام فرماتے ہیں کہ میں نے سہیل بن ذکوان سے پوچھا کہ کیا تم نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہے؟ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا بتاؤ کس رنگ کی تھیں؟ کہنے لگا گندمی رنگ کی۔ عباد فرماتے ہیں کہ ہم سہیل پر دروغ گوئی کا الزام لگاتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کا رنگ سفید مائل بہ سرخی تھا۔ امام نسائی لکھتے ہیں کہ سہیل بن ذکوان کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میری ملاقات ''واسط'' میں ہوئی۔

حاکم نیساپوری نے ''معرفة علوم الحديث'' میں ایسے لوگوں کے تذکرے میں جن کے اپنے نام اور والد کے نام ایک طرح کے ہوتے ہیں، پھر محدثین کے ایک ہی طبقے کے وہ راوی بھی ہوتے ہیں، جس کے سبب ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اس ذیل میں لکھا ہے کہ سہیل بن ذکوان اور سہیل بن ذکوان۔ پہلے سہیل سے مراد: سہیل بن ابوصالح سمان ہیں۔ ابوصالح کا نام ذکوان ہے۔ سہیل کے نام سے یہی مشہور ہیں اور انہی کی حدیث صحیح بخاری میں مروی ہے۔ ان کی بیش تر روایتیں اپنے والد سے ہیں۔ البتہ کسی کسی روایت میں انھوں نے اپنے اور اپنے والد کے درمیان امام اعمش، قعقاع بن حکیم اور سمیا مولی ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ جب کہ دوسرے سہیل بن ذکوان مکی ہیں، ان کی کنیت ابوسندھی ہے۔ یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ ہم سے ابوعمرو سہیل بن ذکوان مکی نے بتایا، یہ ہمارے شہر ''واسط'' میں رہتے تھے۔ یزید نے ان سے بہ روایت حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ روایت کی ہے۔ ان سے ہشیم اور مروان بن معاویہ نے بھی روایت کی ہے۔ ابوسندھی سہیل بن ذکوان مکی، پہلی صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

سیبویہ بن اسماعیل قزداری مکی

علامہ سمعانی ''الانساب'' میں فرماتے ہیں کہ ابوداؤد سیبویہ بن اسماعیل بن داؤد واحدی قزداری مکہ مکرمہ ہی میں رہتے تھے اور وہیں درس حدیث بھی دیا۔ انھوں نے ابوالقاسم علی بن محمد بن عبداللہ بن یحییٰ بن طاہر حسینی، ابوالفتح رجاء بن عبدالواحد اصبہانی اور حافظ ابوالحسین یحییٰ ابراہیم بن یحییٰ بن عبداللہ حکّاک وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوالفتیان حافظ عمر بن ابوالحسن رواسی سے روایت کی۔ ان کی وفات ۴۶۰ھ سے کچھ پہلے یا بعد میں ہوئی۔

سیابوقہ دیبلی

حموی نے ''معجم البلدان'' میں لکھا ہے کہ ''مونسہ'' شہر ''نصیبین'' سے ''موصل'' کے راستے میں ایک منزل پر واقع ایک بستی کا نام ہے۔ یہاں ایک سرائے ہے جسے ایک تاجر سیابوقہ دیبلی نے اپنے خرچ پر ۶۱۵ھ میں بنوایا تھا۔

سیروک ہندی

''کشف الظنون'' میں صراحت ہے کہ سیروک ہندی کی کتاب کا ہندوستانی زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ بعد میں عبداللہ بن علی نے اسے فارسی سے عربی میں منتقل کیا۔ اس کتاب کا تذکرہ ''عیون الانباء'' میں بھی ہے۔

سیف الملوک اور اس کے دونوں لڑکے: رتہ اور چھتہ

ان کی بابت ''تحفۃ الکرام'' کی عبارت کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

الورکا راجہ: دلوارائے نہایت ظالم اور بدکردار شخص تھا۔ اس کی عادت تھی

کہ جب بھی ہندوستان سے کوئی تاجر یا مسافر الور کے علاقے میں آتا تو اس کی آدھی دولت ٹیکس کے نام پر لے لیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک شریف اور معزز شخص ''سیف الملوك'' حج کے ارادے سے تاجروں کا لباس پہن کر چلا۔ جب الور پہنچا تو دلوارائے کو ٹیکس ادا کیا۔ سیف الملوک کے ہم راہ اس کی بیوی ''بدیع الجمال'' بھی تھی، جو حسن و جمال میں اسم بامسمیٰ تھی۔ یہ الور کے پاس سے بہنے والی ندی ''ران'' کے راستے سے سفر کر رہا تھا۔ جب دلوارائے نے ''بدیع الجمال'' کے حسن و جمال کے بارے میں سنا تو حسب عادت اس کی نیت خراب ہو گئی اور ٹیکس کے سلسلے میں سیف الملوک کو گرفتار کرا لیا۔ سیف الملوک نے اس سے کہا کہ آپ مجھے تین دن کی مہلت دیں تاکہ میں آپ کے حسبِ منشا ٹیکس ادا کر سکوں۔ اس کے بعد سیف الملوک نے گڑگڑا کر بارگاہ ایزدی میں دلوارائے کے لیئے بددعا کی۔ چناں چہ خواب میں سیف الملوک نے دیکھا کہ اسے سنگ تراشوں کو کشتی بنانے کے لیے ایک موٹی رقم دینے جانے کے لیے کہا جا رہا ہے، جس پر سوار ہو کر وہ اور اس کی اہلیہ یہاں سے باہر نکل جائیں۔ چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا اور الور سے نکل کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور فریضہ حج سے سرفراز ہوئے۔ واپسی میں سیف الملوک جب ''ڈیرہ غازی خان'' اور ''سیت پور'' پہنچا تو وہیں قیام پذیر ہو گیا۔ یہیں بدیع الجمال سے اس کے دو لڑکے: رتہ اور چھتہ پیدا ہوئے۔ سیف الملوک اور اس کے دونوں لڑکوں کی قبریں وہاں اب بھی موجود ہیں اور رتہ کا قلعہ اسی لڑکے کی جانب منسوب ہے۔ دلوارائے کے زمانے میں اس قلعے کا بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ اس کے آثار ونقوش بارہویں صدی ہجری تک باقی رہے۔ اس واقعے کے بعد ''الور'' میں ایسا عذاب نازل ہوا جس کی وجہ سے پورا شہر تہ و بالا ہو کر ہموار اور چٹیل میدان بن گیا۔

❀❀❀

باب: ش

ہندوستانی طبیب: شاناق

"الفہرست" میں شاناق کا تذکرہ ان کتابوں کے مصنّفین کے ذیل میں کیا گیا ہے جو مختلف اقوام کی گھوڑ سواری، ہتھیار زنی، ہتھیار سازی کے موضوع پر لکھی گئی ہیں اور لکھا ہے کہ شاناق ہندی کی کتاب جنگی تدبیر، کس طرح کے لوگوں کا بادشاہ کے لیے انتخاب کرنا بہتر ہوگا، گنگن، کھانے پینے اور زہر سے متعلق ہے۔

جب کہ "کشف الظنون" میں مذکور ہے کہ شاناق ہندی کی کتاب "کتاب السموم" میں پانچ مقالے ہیں۔ اسے "منکہ ہندی" نے سنسکرت سے فارسی زبان میں منتقل کیا۔ فارسی سے اس کے ترجمے کی ذمہ داری "ابو حاتم بلخی" کو دی گئی تھی، جس نے یحییٰ بن خالد بن برمکی کے لیے ترجمہ کیا۔ بعد میں مامون رشید کے حکم پر اس کے آزاد کردہ غلام: علی بن عباس بن احمد بن جوہری نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ علی بن عباس ہی یہ کتاب مامون کو پڑھ کر سنایا بھی کرتا تھا۔

کشف الظنون میں مزید لکھا ہے کہ شاناق ہندی کی کتاب "منتحل الجوھر" ہے۔ یہ کتاب شاناق نے اپنے عہد کے ایک ہندوستانی راجا "ابن قمانص ہندی" کے لیے تالیف کی تھی۔ علاوہ ازیں شاناق کی ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام "کتاب البیطرۃ" ہے۔

ابن ابی اصیبعہ نے "عیون الانباء" میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے مشہور اطباء میں سے ایک شاناق ہے۔ فن طب میں اسے بہت تجربے اور اس کے کئی ایک علاج تھے۔ دیگر

علوم وفنون اور علم وحکمت میں دسترس حاصل تھی۔ علم نجوم میں ماہر تھا۔ شیریں گفتگو اور راجگان ہندوستان کے یہاں صاحب حیثیت تھا۔اس کی تحریر کا ایک اقتباس اس کی کتاب "منتحل الجوھر" سے پیش ہے۔اس میں وہ حاکم وقت کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

حاکم وقت! زمانے کی لغزشوں سے بچو، اقتدار دوراں اور غلبہ ایامہ کی محبت سے دور رہو اور اچھی طرح جان لو کہ اعمال جزاء ہیں اس لیے زمانے کے انجام سے ڈرنا چاہیے۔کیوں کہ وقت بہت دھوکہ باز ہوتا ہے،اس لیے اس سے محتاط رہو۔مقدرات کا تعلق غیب سے ہے، لہٰذا ان کے لیے تیار رہو۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے، لہٰذا اس سے احتیاط رکھو۔زمانے کا اقتدار کمینگی ہے اس لیے اس سے ڈرو۔اس کی سطوت و جبروت، زود شوکت ہے،اس لیے اسے مطمئن مت رہو۔اور یاد رکھو کہ جس شخص نے زندگی میں گناہوں کی بیماریوں سے اپنے نفس کا علاج نہیں کیا تو اس جہان میں شفاء ناممکن ہے، جہاں دوا ہی نہیں۔اور جس نے اپنے حواس کو ذلیل کیا اور انھیں پیشگی خیر کے لیے غلام بنالیا تو اس نے اپنا فضل وکمال اور شرافت ظاہر کردی۔جس نے اپنے ایک نفس پر قابو نہ رکھا، وہ اپنے پانچ حواس پر بھی کنٹرول نہیں رکھ سکتا۔ اور جب حواس کے حقیر اور کم ہونے کے باوجود ان پر کنٹرول نہیں رکھ سکا تو اس کے لیے معاونین کو کنٹرول کرنا مشکل ہوگا، جب کہ وہ تعداد میں زیادہ اور سخت دل ہوتے ہیں۔ لہٰذا سلطنت کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی رعیت پر کنٹرول کیوں کر رکھ سکے گا۔

شاناق کی ایک کتاب "کتاب السموم" ہے۔ اس میں پانچ مقالے ہیں اس کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی میں "منکہ ہندی" نے کیا۔ یحییٰ بن خالد بن برمک کے یہاں فارسی سے عربی میں منتقل کرنے پر ابو حاتم بلخی مامور تھے، انھوں نے اسے عربی میں منتقل کیا۔ بعد میں مامون رشید کے لیے اس کے غلام: عباس بن سعید جوہری نے جو پڑھ کر مامون کو سنایا بھی کرتے تھے، کتاب البیطرہ علم نجوم پر ایک کتاب اور منتحل الجوھر کا عربی میں ترجمہ کیا۔ منتحل الجوہر شاناق نے اپنے

زمانے کے ایک حکمراں (ابن قمانص ہندی) کے لیے تالیف کی تھی۔

شرف الدین دیپال پوری

شیخ شرف الدین دیپال پوری، مولانا بدرالدین اسحاق دہلوی اجودھنی کے تلامذہ میں تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے انھیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اس کی اطلاع جب مولانا اجودھنی کو ہوئی تو وہ اجودھن کے گورنر قاضی صدرالدین کے پاس گئے اور شیخ شرف الدین کی بابت گفتگو کی۔ ان کی گفتگو سے قاضی صدرالدین کے سامنے شیخ شرف الدین کی بے گناہی اور ان کے حاسدین کی بدنیتی عیاں ہوگئی۔ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ ''کرامات الاولیاء'' کے اندر مولانا بدرالدین اسحاق دہلوی کے تذکرے میں درج ہے۔ شرف الدین دیپال پوری ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ (قاضی)

حکیم شرف الدین ملتانی

ابن ابواصیبعہ نے اپنی کتاب ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

حکیم ششرذ ہندی

''کشف الظنون'' میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ششرذ ہندی کی علم طب میں ایک کتاب ہے۔ اس میں امراض کی علامتیں، ان کی دوائیں اور ان کی تاثیر ذکر کی گئی ہے۔ یہ کتاب دس مقالات پر مشتمل ہے۔ یحیٰی بن خالد برمکی نے عربی میں اس کا ترجمہ وتشریح کرنے کا حکم دیا تھا۔

شعیب بن محمد دیبلی مصری

علامہ سمعانی نے ''الانساب'' میں لکھا ہے کہ ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن سعید بن بزیغ بن سوار دیبلی (معروف بہ ابن ابوقطعان دیبلی) مصر آئے اور وہاں درس

حدیث دیا۔ابوسعید بن یونس نے بتایا کہ میں نے شعیب بن محمد سے احادیث لکھیں۔
ان کی بابت مجھے اس سے زیادہ معلومات نہ مل سکیں۔(قاضی)

شیر بامیان اول

مشہور مورخ علامہ یعقوبی نے "کتاب البلدان" میں "بامیان" کی بابت تصریح کی ہے کہ بامیان پہاڑی پر آباد ایک شہر ہے۔اس شہر کا ایک سردار اور چودھری تھا، جس کا نام بہ زبان فارسی "شیر" تھا۔اس نے خلیفہ منصور کے زمانے میں مزاحم بن بسطام کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ان کے لڑکے محمد بن مزاحم سے اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی۔اس کی کنیت ابوحرب تھی۔جب فضل بن یحیٰ خراسان آیا تو اس نے شیر بامیان کے ایک لڑکے حسن کو "غور" ایک وفد کے ساتھ بھیجا۔حسن نے چند سپہ سالاروں کے ساتھ مل کر اسے فتح کر لیا۔اس کے بعد فضل بن یحیٰ نے حسن کو بامیان کا حاکم بنا دیا جس نے اس کا نام اپنے دادا کے نام پر "شیر بامیان" رکھ دیا۔قبول اسلام کے بعد شیر بامیان کا نام "اسد" ہو گیا اور شیر بامیان لقب ہو گیا۔یہ دوسری صدی ہجری کا تھا۔(قاضی)

شیر بامیان ثانی

اس سے مراد حسن بن اسد ہے۔یہ بھی اپنے آباءواجداد کی مانند "شیر بامیان" سے مشہور ہے جیسا کہ شیر بامیان اول کے حالات کے تحت علامہ یعقوبی کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے ۱۷۶ھ میں جب فضل بن یحیٰ بن برمک کو "خراسان" کا گورنر بنایا اس وقت ابراہیم بن جبریل کی زیر قیادت ایک لشکر "کابل شاہ" کی طرف روانہ کیا۔نیز طخارستان اور دہاتین کی ریاستوں کے بھی والیان وامراء کو اس کے ساتھ جانے کو کہا۔ان میں حاکم بامیان حسن شیر بھی تھا۔یہ لشکر کابل شاہ کی جانب روانہ ہوا اور غوروند کا پہاڑی درہ، سارحود، سدل استان اور شاہ بہار کو فتح کر لیا۔شاہ بہار میں ہی بت تھا جس کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔اس بت کو منہدم کر کے نذر آتش کر دیا گیا۔

باب: ص

حاکم سندھ: صاد

صاد ایک شخص کا نام تھا، جس نے سندھ کے کچھ علاقوں پر غلبہ حاصل کر کے وہاں کی زمینوں پر قبضہ کرلیا اور خود مختار حاکم بن بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی لڑکی کا رشتہ، حاکم سندھ: سومرہ اول سے کیا تھا۔ اس عورت سے سومرہ کا ایک لڑکا بھونگر بن سومرہ پیدا ہوا۔ صاد پانچویں صدی ہجری کے دوسرے نصف سے تعلق رکھتا ہے۔

''صاد'' کا نام ''تحفۃ الکرام'' میں بارہا آیا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی ؒ نے انگریزی ماخذ سے نقل کرتے ہوئے اس کا نام ''سعد'' بتایا ہے۔ لیکن اس میں شبہ ہے۔' (قاضی)

صالح بن بہلہ ہندی بغدادی

وزیر جمال الدین قفطی نے ''اخبار العلماء باخبار الحکماء'' میں تحریر کیا ہے کہ صالح بن بہلہ ہندی، حاذق طبیب تھے۔ ہارون رشید کے دور میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ ہندوستانی طریقۂ علاج کے ماہر اور تشخیص میں اپنے پیش رو ہندی طبیبوں سے کہیں بہتر تھے۔ ان کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے۔

ہوا یہ کہ ایک روز ہارون رشید کے سامنے دستر خوان بچھایا گیا تو اس نے حسب عادت جبرئیل بن بختیشوع کو کھانے کے لیے بلوایا۔ مگر جبرئیل نہ ملے جس پر ہارون رشید اسے لعن طعن کرنے لگا۔ ابھی خلیفہ لعن طعن کر ہی رہا تھا کہ جبرئیل آ گیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہاں تھا؟ اور یہ کہتے ہی اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس پر اس نے کہا اگر خلیفۂ وقت اپنے چچا زاد بھائی ابراہیم بن صالح کے غم میں رونے لگیں اور

مجھے برا بھلا کہنا چھوڑ دیں تو زیادہ بہتر بات ہوگی۔ یہ سن کر ہارون رشید نے اس سے ابراہیم بن صالح کی خیریت پوچھی تو اس نے بتایا کہ میں اسے چھوڑ کر چلا تھا، اس وقت اس کی بس سانس آ جا رہی تھی اور وہ آخری ساعت نماز عشاء کے وقت گذار رہا تھا۔ یہ سنتے ہی ہارون رشید سخت پریشان ہو گیا اور دستر خوان اٹھائے جانے کا حکم دے کر زار و قطار رونے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر جعفر بن یحییٰ برمکی نے کہا امیر المؤمنین! جبرئیل کا طریقہ علاج رومی طرز کا ہے جب کہ صالح بن بہلہ ہندی اہل ہند کے طریقے پر علاج کرتا ہے اور اس کا طب و علاج میں وہی مقام ہے جو جبرائیل کا اہل روم کے مضامین کے علم میں ہے۔ اگر امیر المؤمنین مناسب خیال فرمائیں تو صالح بن بہلہ کو بلوا لیں اور ابراہیم بن صالح کو بھیج دیں کہ ہم اس سے ساری بات سمجھ سکیں۔ ہارون رشید نے ایسا ہی کیا اور جعفر برمکی کو حکم دیا کہ صالح کو بلا کر لائے، ابراہیم کو اس کے پاس بھیج دیا جائے اور جب وہ ابراہیم کے پاس سے لوٹنے لگے تو میرے پاس لایا جائے۔ جعفر برمکی نے حکم کی تعمیل کی اور صالح بن بہلہ نے ابراہیم کے پاس جا کر اس کو دیکھا، رگ ٹٹولی، پھر جعفر برمکی کے پاس گیا۔ جعفر نے خلیفہ کو اطلاع دی کہ صالح آ گئے ہیں، خلیفہ نے صالح کو اپنے پاس اندر بھیجنے کا حکم دیا۔

چناں چہ وہ اندر گیا اور عرض کیا امیر المومنین! آپ امام المسلمین ہیں ہر قسم کے فیصلوں کا آپ کو پورا اختیار ہے اور آپ جو بھی فیصلہ فرما دیں کوئی حاکم اسے ختم نہیں کر سکتا۔ میں اپنے خلاف آپ کو نیز تمام حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اگر ابراہیم بن صالح کا آج رات یا اس بیماری میں انتقال ہو جائے تو صالح بن بہلہ کی تمام تر جائیداد راہ خدا میں وقف ہے، اس کا ہر جانور جہاد کے لیے آزاد ہے، اس کے تمام مال و اسباب، غربا اور مساکین پر صدقہ ہیں اور اس کی ہر عورت کو تین طلاق۔ اس پر ہارون نے کہا صالح! تم غیب کی بات پر قسم کھاتے ہو، صالح نے جواب دیا امیر المومنین! ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ غیب تو اسے کہتے ہیں جس کی کوئی

دلیل ہو، نہ اس کی بابت کسی قسم کا علم، جب کہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ ٹھوس دلائل اور واضح علم کی روشنی میں کہا ہے۔ صالح بن بہلہ کی بات سن کر ہارون کا رنج وغم دور ہوا اور کھانا تناول کیا۔ نبیذ پیش کی گئی، جسے اس نے نوش کیا۔ جب نماز عشاء کا وقت ہوا تو بغداد آنے والے نامہ بردار نے، اسے ابراہیم بن صالح کی وفات کی خبر سنائی۔ ہارون نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور جعفر برمکی کو سب وشتم کرنے لگا کہ اس نے صالح بن بہلہ کی نشان دہی کیوں کی تھی اور اسی کے ساتھ تمام ہندوستانیوں اور ان کے طب وعلاج کی بابت بھی سخت سست باتیں کیں اور کہنے لگا افسوس کہ چچازاد بھائی تو موت کے تلخ گھونٹ پیے اور میں نبیذ نوش کرنے میں مصروف ہوں۔ بعد ازاں ایک رطل نبیذ منگوا کر اس میں پانی اور نمک ڈالا اور اسے پینے اور قے کرنے لگا تا آں کہ اس کے پیٹ میں جو کچھ بھی کھانا پانی تھا، سب نکل گیا۔ علی الصباح ہی ابراہیم کے گھر پہنچا۔ خدام نے خلیفہ کو ایک ایسے کمرے میں بٹھایا جس میں کرسیاں مسندیں اور قالین بچھے ہوئے تھے۔ ہارون رشید اپنی تلوار کے سہارے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا دوستوں کی مصیبت کے وقت یہ بالکل مناسب نہیں کہ میں ایک سے زیادہ بستر پر بیٹھوں۔ چناں چہ اس وقت سے بنو عباس کے یہاں یہ طریقہ رائج ہو گیا۔ صالح بن بہلہ، ہارون رشید کے سامنے کھڑا ہوا۔ کسی نے بھی کوئی بات نہ کی تا آں کہ دھونی کی خوشبو تیز ہو گئی۔ اس وقت صالح نے چیخ کر کہا امیر المومنین! خدا کے واسطے آپ میری بیوی کے طلاق کا فیصلہ نہ فرمائیں کہ اس سے ایسا شخص شادی کر لے جس کے لیے وہ حلال نہیں ہے۔ خدارا آپ مجھے اپنے در دولت سے نہ نکالیں کیوں کہ میں حانث نہیں ہوا۔ خدارا اپنے چچازاد بھائی کو زندہ دفن نہ کریں۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس کا انتقال نہیں ہوا ہے۔ آپ مجھے اس کے پاس جا کر اسے دیکھنے کی اجازت دیں۔ جب صالح نے یہ بات کئی بار چیخ چیخ کر کہی تو ہارون رشید نے ابراہیم کے پاس جانے کی اسے اجازت دے دی۔

اس وقت سب لوگوں نے تکبیر کی آواز سنی اور صالح بن بہلہ بھی جب ابراہیم کے پاس سے واپس ہوا تو نعرہ تکبیر کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا امیر المومنین! آپ تشریف لے چلیں، میں آپ کو ایک حیرت انگیز بات دکھاؤں گا۔

چناں چہ ہارون رشید اپنے چند خواص کے ہمراہ ابراہیم کے کمرے میں گیا۔ صالح نے ایک سوئی نکالی اور اسے ابراہیم کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان چبھادی تو ابراہیم نے اپنا ہاتھ کھینچا اور پھر جسم پر رکھ دیا۔ اس پر صالح نے کہا امیر المومنین! کیا میت کو درد کا احساس ہوتا ہے؟ نیز عرض کیا کہ اگر میں نے ابراہیم کا کفن میں رہتے ہوئے علاج کیا اور اسے افاقہ ہو گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں حنوط کی خوشبو سے اس کا قلب پھٹ نہ جائے اور اس کی واقعی وفات ہو جائے۔ اس لیے آپ حکم دیں کہ کفن اتارا جائے، غسل خانے میں لے جا کر نہلایا جائے، تاکہ حنوط کی خوشبو بالکل زائل ہو جائے۔ پھر اس طرح کے کپڑے ابراہیم کو پہنائے جائیں جیسے صحت کے وقت پہنا کرتا تھا اور اسی انداز کی خوشبو بھی لگائی جائے۔ نیز اسی قسم کے بستر پر سلا دیا جائے جس پر وہ بیٹھا اور سویا کرتا تھا۔ تب میں آپ کی موجودگی میں علاج کروں گا اور ابراہیم فوراً ہی بات کرنے لگے گا۔

ابو سلمہ کا کہنا ہے کہ ہارون رشید نے مجھے یہ ذمے داری سونپی کہ صالح نے جیسے کہا ہے، ویسا ہی کیا جائے اور میں نے ویسا ہی کیا۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ پھر ہارون رشید، ان کے ساتھ میں اور مسرور اس جگہ گئے، جہاں ابراہیم کو لٹایا گیا تھا۔ صالح بن بہلہ نے اسٹاک سے دھونکنی منگوائی اور اسے ابراہیم کی ناک میں پھونکا۔ ابراہیم دس منٹ تک بالکل ساکت و جامد رہا۔ پھر اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی چھینک آئی، وہ اٹھ بیٹھا، ہارون رشید سے باتیں کرنے لگا اور اس کے ہاتھ چومے۔ ہارون رشید نے پوچھا کیا بات پیش آئی تھی؟ ابراہیم نے بتایا کہ اسے ایسی گہری نیند آ گئی تھی کہ ایسی نیند زندگی میں کبھی نہ آئی تھی۔ مگر اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک کتا

اس پر حملہ کر رہا ہے جب میں نے اپنا دایاں ہاتھ ہٹایا تو اس نے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو کاٹ لیا، جس سے میری نیند کھل گئی۔ ابراہیم کو کتے کے ڈسنے کا اب بھی احساس تھا اور اس نے ہارون رشید کو وہی انگوٹھا دکھایا جس میں صالح بن بہلہ نے سوئی چبھوئی تھی۔ اس کے بعد ابراہیم برسوں زندہ رہا۔ خلیفہ مہدی کی لڑکی عباسیہ سے شادی کی، مصر و فلسطین کا گورنر بنا اور مصر میں وفات ہوئی اور وہیں تدفین بھی۔

ابن ابواصیبعہ نے بھی ''عیون الانباء'' میں صالح بن بہلہ ہندی بغدادی کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

حاکم اجودھن: قاضی صدرالدین

یہ مولانا بدرالدین اسحاق دہلوی اور ملک شرف الدین دیپال پوری کے معاصر تھے۔ ملک شرف الدین کی بابت ان میں اور مولانا دہلوی میں اس وقت بحث تکرار بھی ہوئی تھی جب شرف الدین دیپال پوری اجودھنی کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اس مکالمے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی موصوف بڑے پائے کے عالم تھے۔ یہ ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ (تحفۃ الکرام)

والی سندھ: صمہ

صمہ کندہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انھوں نے ۲۵۵ھ کے آس پاس سندھ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے والد گورنر سندھ: داؤد بن یزید بن حاتم کے ہمراہ خلیفہ منصور کے عہد خلافت میں سندھ آئے تھے۔ علامہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ امیر المومنین منصور نے ہشام بن عمر تغلبی کو سندھ کا گورنر نامزد کیا تو اس نے غیر مفتوحہ علاقے بھی فتح کر لیے اور چند چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ساتھ عمرو بن جمل کو ''باربد'' (بھاڑبھوت) کی جانب روانہ کیا نیز ہندوستان کے ایک اور علاقے کی

طرف بھیجا۔ چناں چہ اس نے کشمیر کو فتح کیا، جہاں بہت سے قیدی اور غلام ہاتھ لگے، اسی طرح ملتان کو بھی فتح کیا۔ قنذابیل میں عرب قابض تھے، انھیں وہاں سے بے دخل کیا۔ اس کے بعد سندھ کا گورنر حفص بن عثمان ہزار مرد، پھر داؤد بن یزید بن حاتم نامزد کئے گئے۔ داؤد بن یزید کے ہمراہ صمہ کے والد بھی تھے جو اس وقت قابض ہے یہ کندہ کا غلام تھا۔ ریاست سندھ کی صورت حال بالکل ٹھیک ٹھاک رہی یہاں تک کہ مامون رشید کے دور میں بشر بن داؤد کو اس کا والی مقرر کر دیا گیا، جس نے خلافت سے بغاوت کر دی۔

حموی نے ''معجم البلدان'' میں تصریح کی ہے کہ ''شعبعب'' یمامہ کے ایک کنویں کا نام ہے۔ ابو زیاد کا بیان ہے کہ یمامہ کے کنواں قشیر کو شعبعب کہا جاتا ہے۔ یہ کنواں صمہ بن عبداللہ بن ہبیرہ بن مسلمہ بن قشیر کا بنوایا ہوا ہے۔ ''کتاب نصر'' میں مذکور ہے کہ شعبعب نقر بیوم کے پیچھے ''حائل'' میں ایک کنوے کا نام ہے۔
صمہ بن عبداللہ قشیری نے سندھ میں رہتے ہوئے یہ اشعار کہے:

یاصاحبیّ اطال اللّٰه رشدکما ۞ عوّجا علیّ صدورالأبغل السنن

ثم ارفعا الطرف هل تبدو لنا ظعن ۞ بحائل یاعناء النفس من ظعن

أحبب بهنّ لو أن الذار جامعة ۞ وبالبلاد التی یسکن من وطن

طوالع الخیل من تبراك مُصعدة ۞ کما تتابع قیدام من السنن

یالیت شعری والاقدار غالبة ۞ والعین تذرف أحیانا من الحزن

هل أجعلن یدی للخد مرفقة ۞ علی شعبعب بین الحوض والعطن

''اے میرے دونوں ساتھیو! اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ نیک وصالح رکھے۔

پھر اپنی نظریں اٹھاؤ کیا مقام حائل میں ہودج کے اندر سوار عورتیں نظر آ رہی ہیں۔ اے نفس کی مشقت کس نے کوچ کیا۔

اگر وہ ایک گھر میں سب جمع ہوں تو ان سے اور ان کے ملک اور وطن سے بھی

محبت کرو۔

وہ گھوڑے پر سوار کشتی کے اگلے حصہ کی طرح ''تبراک'' سے چلی آرہی ہیں۔

کاش میں اس حقیقت کو سمجھ لیتا۔ لیکن تقدیر سب پر غالب ہوتی ہے اور آنکھ بسا اوقات غم کے مارے آنسو بہاتی ہے۔

کیا میں حوض اور وطن کے درمیان مقام شعبعب پر اپنا ہاتھ رخسار کے ساتھ لگائے رکھوں؟''

اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ حاکم سندھ مولی کندہ: صمہ، شعبعب کنواں بنوانے والے: صمہ بن عبداللہ بن ہبیرہ بن قشیر ہی ہے۔ بلکہ ہم نے محض اس وجہ سے کہ نام دونوں کا یکساں ہے اور دونوں سندھ میں رہتے تھے، یہ عبارت نقل کردی۔ تاہم ممکن ہے کہ دونوں ایک ہی ہوں، اس لیے کہ نام کی یکسانیت، سندھ پر غلبہ اور شعبعب کنواں ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ (قاضی)

صکہ ہندی

علامہ ابن ندیم تک جن علماء کی طب و نجوم کے موضوع پر کتابیں پہنچیں ان میں صکہ ہندی کا بھی نام ''الفہرست'' میں مذکور ہے۔

صنجل ہندی

ابن ندیم نے ان کا تذکرہ بھی علمائے ہند کی ضمن میں کیا اور لکھا ہے کہ ان کی دیگر کتابوں میں ایک کتاب ''اسرار المسائل'' ہے۔ ابن ابواصیبعہ ''عیون الانباء'' میں لکھتے ہیں کہ ''صنجہل'' کا شمار ان ہندوستانی علماء وفضلاء میں ہوتا ہے، جنھیں طب و نجوم میں مہارت حاصل تھی۔ ان کی ایک کتاب ''المو الید الکبیر'' ہے صنجہل ہندی کے بعد ہندوستان میں ایک پوری جماعت پیدا ہوئی جن کی طب

ونجوم وغیرہ پر معروف ومشہور تصنیفات ہیں مثلاً باکھر، راجہ، صکہ، داہر، انکو، زنکل، جبہر، اندی اور جاری، یہ سب کے سب مصنف اور ہندوستان کے اطباء وحکماء میں شمار ہوتے تھے۔ علم نجوم کی بابت انھوں نے اصول وضوابط بھی مقرر کیے، اہل ہند ان کی تصنیفات سے بہت شغل رکھتے۔ ان کی اتباع کرتے اور انھیں ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابوں کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا۔ میں نے خود امام رازی کو دیکھا کہ انھوں نے کئی ایک علمائے ہند کی کتابوں مثلاً شرک الہندی کی کتاب سے اپنی کتاب ''الحاوی'' میں جا بجا نقل کیا ہے۔ اس کتاب کو عبداللہ بن علی نے فارسی سے عربی میں منتقل کیا۔ اس لیے کہ پہلے فارسی میں اس کا ترجمہ ہوا تھا۔ نیز ''سسرد'' کی کتاب سے بھی نقل کیا ہے، جس میں دس مقالے ہیں اور امراض کی علامات، ان کی دوائیں اور علاج بتایا گیا ہے۔ یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کیے جانے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح ''بدان'' کی کتاب سے بھی نقل کیا ہے۔ جس میں چار سو علامتیں اور چار سو دوائیں مذکور ہیں، مگر طریقہ علاج درج نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ''سندھ مشان'' اور اس کی شرح ''صدرۃ التحج'' اور ایک ایسی کتاب بھی ہے جس میں گرم، بادی اور دواؤں کی تاثیر وطاقت کی بابت اہل ہند اور اہل روم کے اختلاف سے بحث کی گئی ہے، نیز اس میں سال کی تفصیل بھی درج ہے۔ ایک کتاب میں شراب کے دس ناموں کی تشریح ہے نیز ''اسانکر'' کی کتاب ''الجامع'' اور ''علاجات الحبالی'' اہل ہند کی ہیں۔ ہندوستانی جڑی بوٹیوں پر ایک مختصر سی کتاب ہے۔ ''نوفشل'' کی کتاب میں ایک سو بیماریوں اور ایک ہی سو دواؤں کا تذکرہ ہے۔ خواتین کے علاج کی بابت ''روشی ہندی'' کی ایک کتاب ہے۔ نیز ''کتاب السکر'' بھی ہے۔ رائے ہندی کی کتاب میں سانپوں کی اقسام اور ان کے زہروں سے بحث ہے اور ابو قبیل ہندی کی ایک کتاب ہے جس کا نام ''کتاب التوھم فی الامراض والعلل'' ہے۔

باب: ع

عباس بن سندھی

انھوں نے داؤد بن شعیب اور ابو الولید طیالسی سے روایت کی۔ ان سے علامہ عقیلی اور اسامہ بن علی بن علیک نے روایت کی۔ امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں یحییٰ بن عباد مدنی کے حالات میں لکھا ہے کہ عقیلی کا بیان ہے کہ ہم سے ابراہیم بن محمد اور عباس بن سندھی نے بیان کیا۔ ان دونوں کا کہنا ہے کہ ہم سے داؤد بن ش بیب نے اور ان سے یحییٰ بن عباد نے بہ روایت ابن جریح و عطا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بیان کیا ''ان رسول اللہ ﷺ امر منادیا فنادی ان صدقۃ الفطر صاع من تمر او صاع من شعیر او نصف صاع من بر، وان الولد للفراش وللعاھر الحجر'' کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے پکار کر کہا کہ صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو یا نصف صاع گیہوں ہے اور یہ کہ لڑکا شوہر (بستر والے) کا ہوگا اور زانی کو سنگ سار کیا جائے گا۔ (اس حدیث کو یحییٰ بن عباس سے خضر بن سلام نے بھی روایت کیا ہے)۔

امام ابن عبدالبر نے ''جامع بیان العلم'' میں ''باب الخیر عن العلم'' کے تحت کہ علم بہر حال اللہ تعالیٰ کی جانب لے کر جائے گا، تصریح کی ہے کہ ہم سے احمد بن عبداللہ نے، ان سے سلمہ بن قاسم نے، ان سے اسامہ بن علی بن سعید معروف بہ ابن علیک نے، ان سے عباس بن سندھی نے بیان کیا کہ میں نے ابو الولید طیالسی سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں ابن عیینہ سے ساٹھ سال قبل سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے حدیث غیر اللہ کے لیے حاصل کی تو ہمارا انجام اللہ نے کیا بنایا،

وہ تم لوگ دیکھ رہے ہو۔

عبد بن حمید بن نصر کسی سندھی

حموی نے ''معجم البلدان'' میں لکھا ہے کہ ''کس'' کاف کے کسرے اور سین کی تشدید کے ساتھ سمرقند کے قریب ایک شہر کا نام ہے۔ابن ماکولا فرماتے ہیں کہ اہل عراق ''کس'' کاف کے زیر کے ساتھ اور دوسرے لوگ کاف کے زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ بعض حضرات نے ترمیم کرکے ''کش'' لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ ''کس'' ایک شہر تھا، جس کی شہر پناہ بھی تھی۔اس کے علاوہ ایک دوسرا شہر تھا جو اس شہر پناہ سے متصل تھا۔شہر پناہ کے اندر جو حصہ تھا وہ اب عمارتوں سمیت خراب میں تبدیل ہو چکا ہے۔لیکن شہر پناہ کے باہر جو حصہ تھا وہ اب بھی آباد ہے۔کس نام کا ایک مشہور شہر ہندوستان میں بھی ہے، اس کا ذکر مغازی میں آیا ہے، ہندوستان ہی کے شہر کس (کچھ) کی جانب مسند کے مصنف اور معروف امام حدیث: عبد بن حمید بن نصر، جن کا نام عبدالحمید ہے منسوب ہیں۔انھوں نے یزید بن ہارون اور شیخ عبدالرزاق وغیرہ سے روایت کی اور ان سے امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کی۔۲۴۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(فتوح البلدان)

''کس'' کی بابت حموی نے جو کچھ بھی تحریر کیا، اس کے یہاں نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ حموی نے تصریح کی ہے کہ عبد بن حمید کسی 'ہندوستان کے مشہور شہر کس۔ کچھ۔ کے رہنے والے تھے۔(قاضی)

ان کی بابت علامہ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ''میں لکھا ہے کہ امام حافظ ابو محمد کسیؒ عبد بن حمید بن نصر، مسند کبیر اور تفسیر وغیرہ کے مصنف ہیں اور ان کا نام عبدالحمید ہے انھوں نے عہد شباب کے اندر ۲۰۰ھ میں طلب حدیث کے لیے اسفار

کئے اور یزید بن ہارون، محمد بن بشر عبدی، علی بن عاصم، ابوفدیک، حسین بن علی جعفی، ابواسامہ، عبدالرزاق اور ان کے طبقے کے دیگر محدثین سے روایت کی۔ ان سے امام مسلم، امام ترمذی، عمر بن بجیر، بکر بن مرزبان، ابراہیم بن خریم شاسی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت حدیث کی ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ''دلائل النبوة'' میں ان سے تعلیقاً روایت کی اور ان کا نام عبدالحمید لکھا ہے۔ یہ ثقات ائمہ حدیث میں تھے۔ ان کی مسند کبیر کا انتخاب ہمارے اور ہمارے بچوں کے لیے بہت عظیم ہے۔ ان کی وفات ۲۴۹ھ میں ہوئی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ''بستان المحدثین'' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ عبد بن حمید کی اولین مسند، مسند ابوبکر صدیق ہے۔ ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا، ان سے ابراہیم بن خالد نے بہ روایت قیس بن ابو حازم، حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ تم لوگ ارشاد باری ''یا ایهاالذین آمنوا علیکم أنفسکم لایضلکم من ضل اذا اهتدیتم'' کی تلاوت کرتے ہو۔ میں نے سنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ''ان الناس اذارأوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیها اوشك ان یعمهم الله بعقاب'' جب لوگ ظالم کو دیکھیں پھر بھی اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرما دیں۔ مسند ابوبکر کو ''المسند الکبیر'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تلخیص ''المسند الصغیر'' ہے۔ عبد بن حمید کی تفسیر ملک عرب میں بہت مشہور اور متناول ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات بھی ہیں۔

علامہ چلپی نے ''کشف الظنون'' میں ان کی نسبت ''کسی'' کی جگہ پر ''کیشی'' ذکر کی ہے۔(۱) (قاضی)

(۱) نوٹ: کشف الظنون کا جو نسخہ احقر کے سامنے ہے، اس میں نیز ''هدیة العارفین'' کے نام سے اسماعیل پاشا بغدادی نے، اس کا جو تکملہ لکھا ہے، دونوں میں نسبت ''کیش'' نہیں بلکہ کسّی'' ہے۔ ملاحظہ ہو: کشف ۱۶۷۹/۲، اور تکملہ کشف ۴۳۷/۱۔ (ع۔ر۔ بستوی)

عبید بن باب سندھی بصری

مسعودی نے "مروج الذہب" میں لکھا ہے کہ ان کے والد کابل کے رہنے والے تھے اور سندھ سے گرفتار کیے گئے لوگوں میں شامل تھے اور آل عرادہ بن یربوع بن مالک کے غلام تھے۔

عبداللہ بن جعفر منصوری

علامہ سمعانی نے "الانساب" میں لکھا ہے کہ ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ منصوری مجود تھے، رنگ سیاہ تھا انھوں نے حسن بن مکرم اور ان کے ہم عصر علمائے حدیث سے سماع حدیث کیا اور ان سے امام حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

عبداللہ ملتانی

عبداللہ حاکم ملتان ابوالفتح داؤد اکبر باطنی ملتانی کا نواسہ تھا۔ اہل ملتان نے اسے اپنا حاکمراں بنانا چاہا تھا جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تصریح کی ہے۔

عبداللہ بن رتن ہندی

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابۃ" کے اندر "رتن ہندی" کے حالات میں عبداللہ کا بھی ذکر کیا کہ اس نے اپنے باپ رتن کی خرافات نقل کی ہیں۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن مالاباری سندھی، دمشقی

ملیبار کا تذکرہ کرتے ہوئے حموی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ میں نے "تاریخ دمشق" میں پڑھا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن ملیباری معروف بہ

سندھی نے دمشق کے ساحلی شہر ''صیداء'' کے زیر انتظام شہر ''عذبون'' میں احمد بن عبدالواحد بن احمد خشاب شیرازی کی روایت سے حدیث بیان کی۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے ابوعبداللہ صوری نے روایت کی۔

عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بہاری: حاکم سندھ

عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن ھبار بن اسود قبیلہ قریش کی شاخ بن اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اپنے والد: عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد ۲۷۰ھ کے آس پاس سریر آرائے حکومت سندھ ہوئے۔ شہر ''بانیہ'' سے منتقل ہوکر ''منصورہ'' میں سکونت اختیار کی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ گورنر سندھ: عمر بن حفص ہزار مرد کے ہمراہ، ابوصمہ مولی ابوکندہ ۲۷۹ھ میں سندھ آیا اور اس نے منصورہ پر قبضہ کرلیا۔ بعد میں عبداللہ بن عمر نے اسے منصورہ سے بے دخل کر کے وہاں مستقل طور پر سکونت کر لی۔ ۲۷۰ھ میں سندھ کے ایک غیر مسلم راجہ: مہروق بن رائک نے عبداللہ بن عمر کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ مذہب اسلام کی بابت آگاہ کرے۔ اس کی اس درخواست پر عبداللہ نے ایک عراقی عالم کو اس کے پاس بھیجا۔ یہ عراقی عالم منصورہ ہی میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے اور کئی ایک زبانوں سے واقف تھے۔ ان کے حالات تفصیل کے ساتھ اسی کتاب میں مہروق بن رائک کے حالات میں مذکور ہیں۔ عبداللہ بن عمر ہی کے عہد حکومت میں ۲۸۰ھ میں ''دیبل'' میں شدید زلزلہ آیا۔ منصورہ پر اس نے تقریباً تیس سال تک حکومت کی اسی کے عہد حکومت میں ۲۸۳ھ میں قاضی محمد بن ابوالشوارب بغداد سے آئے اور منصورہ کے قاضی بنائے گئے۔ یہ نہایت ذی علم، صاحب فضل وکمال عالم تھے۔ منصورہ تشریف آوری کے چھ ماہ بعد ہی شوال ۲۸۳ھ میں منصورہ میں ان کی وفات ہوگئی۔ مسعودی کے بیان کے مطابق ان کی اولاد منصورہ ہی میں قیام پذیر رہی۔

عبداللہ بن محمد داوری سندھی

مقام ''داور'' کی بابت حموی نے لکھا ہے کہ اس کی طرف شیخ عبداللہ بن محمد داوری منسوب ہیں۔ انھوں نے ابوبکر حسین بن علی بن احمد بن محمد بن عبدالملک بن زیات سے سماع حدیث کیا۔

عبداللہ بن مبارک مروزی ہندی

ان کے والد: مبارک ''مرو'' کے ایک صاحب ثروت شخص کے غلام تھے۔ یہ ہندی نژاد تھے۔ اس کے باغ کی دیکھ ریکھ بڑی صدق دلی، اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ کی۔ اس سے خوش ہو کر اس مال دار آدمی نے ان سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیا، جس سے صاحب تذکرہ عبداللہ بن مبارک ہندی مروزی پیدا ہوئے۔ یہ اپنے دور کے سب سے زیادہ با کمال، عبادت گزار بہادر اور فائق فقیہ تھے۔ فقہاء، مجاہدین اور زہّاد ان پر فخر کرتے تھے۔ یہ سب کچھ ان کے والد کی حسن نیت اور دیانت و امانت کی برکت کا نتیجہ تھا۔ ان کا تذکرہ ان کے والد کے حالات کے ضمن میں آیندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

حاکم اوچھ: عبدالحمید بن جعفر بن محمد

عبدالحمید بن جعفر بن محمد بن عمر بن حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ، سندھ کے شہر ''اوچھ'' کے حاکم تھے۔ ان کے والد: جعفر کو لوگ ''مؤید من السماء'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ ان کے والد ''ملتان'' آنے والے پہلے عرب شخص ہیں۔ انھوں نے ملتان میں سکونت بھی اختیار کی اور ان کے پچاس صاحب زادے ہوئے، جو ہندوستان، کرمان اور فارس کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ انھی

میں سے ایک لڑکے کا نام عبدالحمید تھا جو ''اوچھ'' کا حاکم ہوا اور عرصہ دراز تک حکومت کی۔ عبدالحمید ذی علم اور بڑا باکمال شخص تھا۔ (تحفة الکرام)

عبدالرحیم بن حماد سندھی بصری

امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں لکھا ہے کہ عبدالرحیم بن حماد ثقفی نے امام اعمش اور دوسرے لوگوں سے روایت کی ہے۔ یہ سندھی سے مشہور تھے اور بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ علامہ عقیلی نے بتایا کہ مجھ سے میرے دادا نے فرمایا کہ ہمارے یہاں سندھ سے ایک بڑے عالم آئے جو امام اعمش اور عمرو بن عبید کی روایت سے حدیث بیان کرتے تھے۔ نیز بتایا کہ ہم سے میرے دادا نے بیان کیا، ان سے عبدالرحیم بن حماد نے اور ان سے امام شعبی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے امام اعمش نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا اے خدا کے نبی! اس نے کہا تم خدا کے نبی نہیں ہو بلکہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ نیز اسی طریق سے شعبی عن علقمہ عن ابن عباس، امام اعمش نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''أن النبی ﷺ مرّ بامرأة زمنةٍ لا تقدر أن تمتنع ممن أرآدها وراها عظیمة البطن فقال لها ممن؟ فذکرت رجلاً اضعف منها فجیئ به فاعترف، فقال خذوا أثاکیل مائة فاضربوه بها مرة واحدة'' حضور اکرم ﷺ کا گزر ایک ایسی عورت کے پاس سے ہوا جو کسی بھی بدنیت شخص کو روکنے پر قادر نہ تھی۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کا پیٹ بڑھا ہوا ہے (امید سے ہے) فرمایا کس شخص سے ہوا؟ عورت نے اپنے سے بھی کمزور مرد کا نام لیا، چناں چہ اس شخص کو لایا گیا تو اس نے اقرار کیا تب آپ ﷺ نے فرمایا سو شاخیں لے کر یکبارگی ان سے اس کو مارو۔

اسی طرح عبدالرحیم بن حماد سندھی نے بہ روایت زہری، اعمش سے ''حدیث سفینہ'' بھی روایت کی۔ مگر بہ روایت امام اعمش ان احادیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علاوہ ازیں صاحب تذکرہ نے دوسری سند سے ''حدیث ہمزا النبی'' روایت کی ہے۔
یہ دوسری سند جید، مرسل ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ عبدالرحیم بن حماد واہیات قسم کے عالم تھے، محدثین نے ان کی بابت کوئی گفتگو نہیں کی ہے، جو ایک حیرت انگیز بات ہے۔ ان کی روایت سے حدیث ''معجم ابن جمیع'' میں بہ سند عالی مذکور ہے۔

عبدالرحیم بن حماد سندھی بصری، دوسری صدی ہجری کے رہنے والے تھے۔ (قاضی)

عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری

سمعانی نے ''الانساب'' میں لکھا ہے کہ ابوالفتح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشعثی لاہوری، سمرقند میں رہتے تھے۔ ان کی وفات لاہور میں ۴۲۹ھ میں ہوئی۔

عبدالعزیز بن حمیدالدین سوالی ناگوری

''کرامات الاولیاء'' میں مذکور ہے کہ عبدالعزیز بن حضرت شیخ حمید بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن سعید سوالی ناگوری نہایت نیک اور متقی تھے۔ جواں سالی ہی میں وفات ہوگئی تھی۔ جس کا پس منظر یہ ہے کہ مجلس سماع میں ایک قوال کہہ رہا تھا جان بدہ جان بدہ جان بدہ: جان دو، جان دو جان دو۔ یہ سنتے ہی چیخ نکلی، وجد طاری ہوگیا اور کہنے لگے ''اعطیت' اعطیت'' میں نے جان دے دی، میں نے جان دے دی'۔ اور یہ کہتے ہوئے روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ یہ ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام اوزاعی عبدالرحمٰن بن عمرو سندھی

امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ اوزاعی حافظ حدیث شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن بن عمر بن محمد دمشق میں ۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔

انھوں نے حضرت عطاء بن ابورباح، قاسم بن مخیمر، شداد بن ابوعما، ربیعہ بن یزید، امام زہری، محمد بن ابراہیم تیمی، یحییٰ بن ابوکثیر اوران کے علاوہ بہت سے تابعین سے روایت حدیث کی۔ مشہور تابعی امام محمد بن سیرین کو مرض الموت میں دیکھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے سماع حدیث بھی کیا۔

امام اوزاعی سے امام شعبہ، ابن المبارک، ولید بن مسلم، ہقل بن زیاد، یحییٰ بن حمزہ، یحییٰ قطان، ابوعاصم، ابومغیرہ، محمد بن یوسف فریابی اور دیگر بہت سے محدثین نے حدیث کا سماع کیا۔ اخیر عمر میں ''بیروت'' میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہیں ان کی وفات ہوئی۔ یہ اصلاً سندھ کے قیدیوں سے تعلق رکھتے تھے۔

ابوزرعہ دمشقی لکھتے ہیں کہ امام اوزاعی کا پیشہ خطوط نویسی اورکتابت تھا۔ ان کے خطوط اب تک منقول ہیں۔ فقہ پر ان کی دست رس اضافی اور مستزاد خصوصیت تھی۔ ولید بن مرثد فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی کی ولادت ''بعلبك'' میں ہوئی اور پرورش یتیمی کی حالت میں ماں کی گود میں ہوئی۔ مگر انھوں نے خود اپنے آپ کو جس طرح کی تعلیم وتہذیب سے سنوارا، بادشاہ کاہے کو اپنی اولاد کے لیے ایسی تعلیم وتربیت کا نظم کرسکتے ہیں۔ میں نے کبھی ان سے کوئی زائد لفظ نہ سنا، مگر سامعین کو محسوس ہوتا کہ ہاں اس کی ضرورت تھی، نہ ہی قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے پایا۔ جب وہ یوم آخرت کا ذکر کرتے تو تمام حاضرین مجلس رونے لگتے۔ ایوب بن سوید کا بیان ہے کہ امام اوزاعی ایک وفد کے ساتھ ''یمامہ'' گئے تو ان سے یحیی بن ابوکثیر نے فرمایا بہ عجلت تمام ''بصرہ'' چلے جاؤ کہ حسن بصری اور ابن سیرین سے ملاقات ہوجائے گی۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے فوراً بصرہ کی راہ لی، لیکن جب وہاں پہنچا تو حضرت حسن بصری کی وفات ہوچکی تھی اور امام ابن سیرین مرض الموت میں تھے اور میں نے ان کی عیادت کی۔

ہقل بن زیاد کا بیان ہے کہ امام اوزاعی نے ستر ہزار مسائل کا جواب دیا۔

اسماعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے ۱۴۰ھ میں تمام لوگوں کو یہ کہتے ہوئے

سنا کہ اس وقت امام اوزاعی امت مسلمہ کے واحد عالم ہیں۔ جب کہ حزینی فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی اپنے دور میں سب سے افضل اور منصب خلافت کے لائق تھے۔ ابواسحاق فزاری کا بیان ہے کہ اگر اس وقت کے لیے مجھے انتخاب کا حق دیا جائے تو میں امت مسلمہ کے لیے امام اوزاعی کا انتخاب کروں گا۔ بشر بن منذر فرماتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی کو دیکھا کثرت خشوع وخضوع کے سبب لگ رہا تھا کہ وہ نابینا ہو گئے ہیں۔ ولید بن مرثد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام اوزاعی سے زیادہ، اجتہاد کرنے والا کسی کو نہ دیکھا۔ امام ابومسہر فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی رات نماز، تلاوت قرآن اور گریہ وزاری میں بسر کیا کرتے تھے۔ ولید بن مرثد نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے سنا امام اوزاعی فرمارہے تھے کہ اللہ تعالی کو کسی قوم کے ساتھ برائی منظور ہوتی ہے تو بحث وتکرار کا دروازہ کھول دیتے اور عمل سے محروم کر دیتے ہیں۔ عمرو بن ابوسلمہ کا بیان ہے کہ میں نے امام اوزاعی سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے مجھے لے کر اللہ رب العزت کی خدمت میں گئے اور بارگاہ ایزدی میں مجھے کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالی نے فرمایا تم ہی میرے بندے: عبدالرحمٰن ہو، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو؟ میں نے عرض کیا پروردگار! تیری عزت کی قسم میں ہی ہوں۔ پھر مجھے زمین پر واپس لوٹا دیا گیا۔

محمد بن کثیر مصیصی فرماتے ہیں کہ میں نے سنا امام اوزاعی فرمارہے تھے کہ ہم لوگ نیز بہت بڑی تعداد میں حضرات تابعین کرام یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی اپنے عرش کے اوپر ہیں اور ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالی کی ان صفات پر جن کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ حکم کا بیان ہے کہ امام اوازاعی اپنے دور کے بالعموم اور اہل شام کے بالخصوص امام تھے۔ ولید بن مرثد کا بیان ہے کہ امام اوزاعی کی پیدائش ''بعلبک'' میں اور نشو ونما ''بقاع'' کے مضافات میں واقع ''کرک'' نامی گاؤں میں ہوئی۔ پھر ان کی والدہ انہیں لے کر ''بیروت'' آ گئیں۔

نیز کہتے ہیں کہ میں نے سنا امام اوزاعی نے فرمایا کہ اسلاف کے آثار و اقوال کو لازم پکڑے رہنا، خواہ لوگ تمہیں مسترد کر دیں اور عصر حاضر کے لوگوں کے خیالات اختیار مت کرنا، اگر چہ انہیں چکنی چپڑی باتوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کریں۔ کیوں کہ بات ظاہر ہو کر رہے گی اور تم ہی صراط مستقیم پر ہو گے۔ عامر بن یساف کا بیان ہے کہ امام اوزاعی نے فرمایا جب حضور اکرم ﷺ کی کوئی حدیث تم کو پہنچے تو اس کے سوا دوسری بات ہرگز مت کہنا، اس لیے کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کی جانب سے پیغام بر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ امام اوزاعی کے حوالے سے ابواسحاق فزاری نے بتایا کہ امام موصوف فرمایا کرتے تھے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین پانچ چیزوں پر مکمل طور سے قائم تھے۔ ۱۔ جماعت مسلمین کی حمایت۔ ۲۔ اتباع سنت رسول۔ ۳۔ مسجدوں کو آباد رکھنا۔ ۴۔ تلاوت قرآن۔ ۵۔ جہاد فی سبیل اللہ۔ ابن سابور کا بیان ہے کہ امام اوزاعی نے فرمایا کہ جو شخص علماء کی نادر اور شاذ باتوں کو اختیار کرے وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ امام موصوف کے حوالے سے یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ جس نے بھی کوئی بدعت ایجاد کی، اسے ورع و تقوی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ولید بن مرثد نے کہا کہ امام اوزاعی فرمایا کرتے تھے کہ ہلاکت ہو ان کے لیے جو علم فقہ، عبادت کے سوا کسی اور غرض سے حاصل کرتے ہیں اور جو شبہ کی بنیاد پر محرمات کو حلال سمجھتے ہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ امام ذہبی نے تفصیل سے امام اوزاعی کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر چوں کہ امام موصوف کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور ان کے مناقب بہت مشہور ہیں؛ اس لیے میں نے مناقب کے تفصیلی تذکرے کو نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ''خلاصة تهذيب الكمال''میں مذکور ہے کہ امام ابوزرعہ نے فرمایا کہ امام اوزاعی اصلاً سندھ سے گرفتار شدہ قیدیوں میں سے تھے۔ ان کے اصلی وطن کی بابت ان اقوال کے علاوہ

دوسرے متعدد علمائے تاریخ وانساب کے اقوال ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام اوزاعی سندھی الاصل نہ تھے۔

ایک عرصہ دراز تک شام اور اندلس کے مسلمان امام اوزاعی کے مسلک کے پیروکار رہے، بعد میں ان کے جاننے والے اور ماننے والے ختم ہوئے اور صرف فقہ کی اختلافی مسائل پر لکھی گئی کتابوں میں ان کی آراء ملتی ہیں۔ ان کی وفات بہتر سال کی عمر میں ۱۵۷ھ میں ہوئی۔

علم حدیث میں امام موصوف نے کئی ایک مجموعے تالیف کیے، جن میں صحیح احادیث، حضرات صحابہ کے آثار اور تابعین نیز اپنے شیوخ کے اقوال جمع کیے اور اپنے فقہی مسلک کے مطابق ان سے شرعی احکام کا استنباط کیا۔ ان کی اس طرح کی تالیف کا ایک قلمی نسخہ مراکش کی ''جامع القرویین'' کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے سوا کتاب ہذا کا دوسرا نسخہ کسی جگہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہ نسخہ نہایت باریک قلم سے لکھا ہوا، ایک ضخیم جلد پر مشتمل ہے۔ اگر عام خط میں لکھا جائے تو چار ضخیم جلدوں میں آئے گا۔ یہ بات جمہوریہ لبنان کے سکریٹری فتویٰ: علامہ محمد عربی عزوزی نے اپنی کتاب ''اتحاف ذوی العنایة'' میں لکھی ہے علاوہ ازیں امام اوزاعی کی علم فقہ میں دو کتابیں: کتاب السنن اور کتاب المسائل بھی ہیں جیسا کہ ابن ندیم نے ''الفھرست'' میں لکھا ہے۔

عبدالرحمٰن بن سندھی

انھوں نے ابوضحاک عراک بن خالد بن یزید بن صالح بن صبیح مری دمشقی سے علم حاصل کیا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''تھذیب التھذیب'' میں عراک بن خالد دمشقی کے تذکرے میں تصریح کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن سندھی دوسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

عثمان سندھی بغدادی

علامہ ابن الجوزی نے "المنتظم" میں قاضی ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج کے حالات کے ضمن میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ابوعبداللہ محمد بن عبید فقیہ تک اپنی سند سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا میں نے عثمان سندھی سے سنا، وہ فرمار ہے تھے کہ مجھ سے ابوعباس بن سریج نے اپنے مرض الموت میں بیان کیا کہ گزشتہ شب میں نے خواب دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ اللہ رب العزت ہیں تم سے مخاطب ہیں۔ ابوعباس نے بتایا کہ میں نے "بما ذا اجبتم المرسلین؟" سنا، تو میرے دل میں آیا "بالایمان و التصدیق" کہتے ہیں کہ پھر وہی بات سنی، تب مجھے خیال آیا کہ شاید جواب میں کچھ اور بھی مطلوب ہے؛ لہٰذا میں نے عرض کیا ایمان اور تصدیق سے مگر یہ کہ ہم فلاں فلاں گناہ میں مبتلا ہوگئے اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا سن لو! میں نے تمہارے گناہ معاف کردیے۔

شیخ عثمان سندھی چوتھی صدی ہجری کے تھے اور اس صدی کے ابتدائی دس سالوں میں بہ قید حیات تھے۔ مذکورہ بالا واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا شمار بڑے علماء وصلحاء میں ہوتا تھا۔ (قاضی)

علی بن احمد بن محمد دیبلی

علامہ سبکیؒ "طبقات الشافعیۃ الکبری" میں لکھتے ہیں کہ علی بن احمد بن محمد زیبلی (دیبلی) "ادب القضاء" کے مصنف ہیں۔ میں نے کتاب ہذا کے ایک نسخہ پر ان کی کنیت ابواسحاق دیکھی، جب کہ دوسرے پر ابوالحسن۔ مگر میں اس کی حقیقت حال کی بابت تذبذب میں مبتلا رہا۔ لوگوں کی زبانوں پر عموماً ان کی نسبت "زیبلی" ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں اس نسبت میں شبہ ہے اور ان کی

رائے میں یہ ''دیبلی'' ہے۔ چناں چہ اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ میں نے کتاب مذکور کے ایک نسخے میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ یہ ''سبط المقری'' ہیں۔ المقری سے مراد لوگوں کے نزدیک مقری شام: ابوعبداللہ دیبلی (دیبلی) اور احمد بن محمد رازی ہوتے ہیں اور یہ دونوں ہی تیسری صدی ہجری کے آس پاس کے ہیں۔ لیکن صاحب تذکرہ علی بن احمد غالباً ان میں سے پہلے یعنی ابوعبداللہ کے پوتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ صاحب تذکرہ کا تعلق بھی اسی صدی سے تھا۔ کیوں کہ انھوں نے ''ادب القضاء'' میں امام اصم کے بعض تلامذہ سے روایت کی ہے۔ چناں چہ مسند امام شافعی سے بہ روایت ابوالحسن عن ابن ہارون بن بندار جوینی، عن ابن عباس الاصم، بہت سی احادیث وارد ہیں۔ اسی طرح بہ روایت عبداللہ بن احمد بن موسیٰ وتّار دیبلی (دیبلی) اور دوسرے لوگوں سے بھی احادیث منقول ہیں۔

یہی وہ کتاب ہے، جس سے ابن رفعہ نے یہ بات نقل کی ہے کہ مجلس قضاء میں موکل اپنے وکیل کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ میں نے خود بھی یہ بات اس کتاب میں دیکھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

> ''وإن کان أحد الخصمين وکّل وکيلا يتکلم عنه وحضر مجلس القاضی، فيجب أن يکون الوکيل والموکل والخصم يجلسون بين يديه، ولايجوز أن يجلس الموکل بجنب القاضی ويقول وکيلی جالس مع خصمی''.
>
> ''اور اگر فریقین میں سے ایک کسی کو اپنا وکیل (نمایندہ) بنادے کہ وہ اس کی طرف سے گفتگو کرے اور وہ قاضی کی مجلس میں موجود ہو تو ضروری ہے کہ وکیل، موکل اور دوسرا فریق قاضی کے سامنے بیٹھیں۔ یہ جائز نہیں ہے کہ موکل تو قاضی کے پہلو میں بیٹھے اور یہ کہے کہ میرا وکیل فریق مخاطب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے''۔

اس کے بعد مصنف نے امام شعبی تک اپنی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ

حضرت عمر بن خطابؓ اپنے دور خلافت میں اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ اپنا ایک معاملہ قاضی کے پاس لے کر گئے۔ تو قاضی نے ایسا فیصلہ بیان کیا جوان کے مطلب کے لیے واضح نہ تھا، مگر وہ فیصلہ دونوں کے حق میں برابر کا تھا اور برابری کی بنیاد پر ہونا بھی ضروری تھا۔ یہ نہایت عمدہ فقہ ہے، جس کے خلاف مذہب میں کوئی بات معروف نہیں ہے اور والد صاحب نے بھی اسے منظوری دے دی۔ صاحب کتاب ''ادب القضاء'' نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ موکل محکوم لہ یا محکوم علیہ ہوگا، اسی سے قسم لی جائے گی اور اسی سے حق بھی لیا جائے گا۔ میں (علامہ سبکی) کہتا ہوں کہ اس سے قریب یہ بات ہے کہ فریقین میں سے ایک کم حیثیت لوگوں میں سے ہو، جن کی عادت قاضی کے سامنے بیٹھنے کے بجائے، کھڑے رہنے کی ہو۔ اس کی بابت حکام کا معمول یہ رہا ہے کہ جب کسی رئیس کبیر اور معزز آدمی کے ساتھ وہ معاملہ لے کر قاضی کے پاس آئے تو اسے بھی رئیس کے ساتھ بیٹھاتے ہیں۔ اس کی بابت یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہی بہتر بات ہے۔ کیوں کہ جب شریعت کی نظر میں دونوں برابر ہیں تو حاکم کی مجلس میں بھی دونوں برابر ہونے چاہئیں اور لوگوں کا یہ کہنا کہ اس میں نقصان یہ ہے کہ اگر مقدمہ نہ ہوتا تو ان کے درمیان مساوات نہ ہوتی نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے، بلکہ کہا جانا چاہیے بھی کہ ایسی صورت میں بے حیثیت شخص کے ساتھ رئیس کو بھی کھڑا ہی رکھا جانا طے ہے، اس لیے کہ کم درجے والے آدمی کے ساتھ باحیثیت شخص کو بھی بٹھانا درحقیقت اس رئیس کے ساتھ توہین ہوتی ہے۔ الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ کھڑا ہونا اصلاً بدعت ہے تو یہ فرض ہوا۔ دو رئیس آدمیوں کی بابت، ایک حاکم سے دور اور دوسرا مجلس ریاست میں اور اس طرح کیا جائے تاہم میری طبیعت میں محکوم کو بٹھانے کے وقت تکدر ہوتا ہے اور اس کا میلان رئیس و حاکم کو کھڑا رکھنے یا ماتحت کی مجلس کی جانب ہے۔ اس بابت غور کرنا چاہیے، کیوں کہ مجھے نہ تو عقل سے اور نہ ہی نقل سے کوئی ایسی بات سمجھ میں آئی، جس سے پیاسے کو

تسلی دی جا سکے۔ (طبقات الشافعیۃ)

شیخ زبیلی (دیبلی) نے مزید لکھا ہے کہ اگر قاضی کے پاس کوئی عورت آئے اور اس کا ولی، قصر کی مسافت کے بہ قدر دور ہو اور وہ کسی متعین شخص سے اپنی شادی کیے جانے کی اجازت دے دے اور وہ شخص منظور بھی کر لے تو اس شخص کو اس کا حق حاصل ہے۔ اس سے کفو کی بابت بھی معلوم نہ کیا جائے گا کیوں کہ یہ حق عورت کا تھا جو پہلے ہی اس سے شادی پر تیار ہو چکی ہے۔ اگر اس کا ولی آ جائے اور اب تک شوہر نے ہم بستری نہ کی ہو تو ولی کو فسخ نکاح کا حق ہوگا۔ مصنف نے مشہور مسئلے کے مطابق لکھا ہے کہ قاضی نے اگر فسق کا ارتکاب کیا، پھر اس نے توبہ کر لی تو بغیر تجدید ولایت کے، سابقہ حالت پر لوٹ جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حالت خاص ہے اس کے ساتھ جب دوسرے کو ولایت قضاء نہ دی گئی ہو، جس کے سبب اس کی ولایت قضاء ختم ہو جائے۔ یہ سب سے اچھی بات ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش بھی نہ رہے گی، مگر جب کہ دوسرے کو ولایت حاصل نہ ہو، جیسا کہ علماء کا مقصد گفتگو ہے، اگر چہ انھوں نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ صاحب تذکرہ زبیلی (دیبلی) فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کو قاضی کے فسق کا علم ہو تو اس کے فیصلے باطل و فاسد ہوں گے اور بہ مشکل ہی درست ہوں گے۔ تاہم یہ فی نفسہٖ گناہ ہے۔ مصنف نے ایک دوسری شکل بھی نقل کی ہے کہ اگر اس نے ''ثرید'' سے شراب بنا کر اسے پی لی، تو اس پر حد شرب خمر واجب نہ ہوگی۔ جب کہ ''رافعی'' وغیرہ میں وجوب حد کی بات کہی گئی ہے۔ اور صراحت ہے کہ اصل اختلاف اس بات میں ہے کہ نابالغ بچے اور مجنون کا عمد ان جنایات میں جن میں دیت واجب ہوتی ہے، عمد شمار ہوگا یا خطاء؟ اس وجہ سے اگر یہ دونوں کوئی چیز تلف کر دیں تو ان پر تاوان واجب ہوتا ہے، یہ بات اختلاف سے خارج نہیں ہے۔ میں (سبکی) کہتا ہوں کہ یہ اختلاف کہ ان دونوں کا عمد خطا ہے، صرف ان جنایات کے ساتھ خاص نہیں ہے جن میں دیت

لازم ہوتی ہے۔اس لیے کہ فقہاء نے اسے اس شکل میں بھی جاری کیا ہے جب نابالغ بچہ یا مجنون حالت احرام میں خوشبو استعمال کرلیں، سلا ہوا کپڑا پہن لیں، جماع کرلیں، حلق کرالیں، قصر کرالیں یا عمداً کسی شکار کو قتل کردیں۔ جب کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان صورتوں میں عمد اور سہو کے احکام الگ الگ ہیں حال آں کہ ان میں سے کسی بھی شکل میں دیت کی گنجائش نہیں ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ اختلاف اس میں ہے کہ ان دونوں کا عمد، عمد سمجھا جائے گا اور یہ اس شکل کو بھی عام ہوگا، جس میں عمد اور خطا میں حکم مختلف ہے۔ نہ کہ شیخ زبیلی کی ذکر کردہ بات کی وجہ سے، ان دونوں کے مال میں سے تلف کردہ اشیاء کا ضمان دینا واجب ہوگا۔

شیخ علی بن احمد دیبلی، تیسری صدی ہجری کے تھے۔ یہ نہ تو زیبلی تھے نہ ہی دبیلی، بلکہ یہ دیبلی تھے۔ان کے جد محترم قاری ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ ''دیبل'' کے رہنے والے تھے۔چناں چہ ''کشف الظنون'' میں امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ''ادب قاضی'' کے موضوع پر تالیف کردہ کتابوں کے بیان میں تصریح ہے کہ اس موضوع پر ابوالحسن علی بن احمد بن محمد ''ریبلی'' نے بھی کتاب لکھی ہے، سبکی نے ''راء'' کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے، مگر جیسا کہ واضح ہے کہ یہ کوئی نسبت نہیں ہے، بلکہ غلط ہے۔

علی بن اسماعیل شیعی سندھی

علامہ کشی نے ''معرفۃ علم الرجال'' میں لکھا ہے کہ نصر بن صباح نے فرمایا کہ علی بن اسماعیل ثقہ ہیں۔ یہ درحقیقت علی بن سندھی ہیں، جن کا لقب اسماعیل سندھی ہے۔

علی بن بنان بن سندھی عاقولی بغدادی

خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں لکھا ہے کہ علی بن بنان بن سندھی عاقولی نے ابواشعث عجلی اور یعقوب دورقی سے حدیث کا سماع کیا اور عاقولی سے محمد بن ابراہیم بن نیطر عاقولی نے روایت کی۔ نیز لکھا ہے کہ مجھ سے علامہ ازہری نے، ان سے

قاضی محمد ابراہیم بن حمدان نے، ان سے علی بن بنان سندھی عاقولی نے، ان سے ابواشعث احمد بن مقدام نے، ان سے زہیر بن علاء نے، ان سے ثابت بنانی نے، عمر بن ابوسلمہ سے بہ روایت حضرت ام سلمہؓ بیان کیا کہ ام سلمہؓ نے کہا:

"قال رسول اللہ ﷺ: إذا أصابت أحدكم مصيبة، فليقل: إنّا للّه وإنّا إليه راجعون، اَللّٰهم احتسب مصيبتي فأجرني فيها، وأبدلني بها خيراً منها"

"حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی پریشانی آئے تو پڑھے انا للہ وانا الیہ راجعون اے اللہ! میری پریشانی کو دیکھ اور مجھے اس پر اجر عطا فرما اور اس کے بدلے کوئی خیر عطا فرما"۔

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابوسلمہ کی جاں کنی کا وقت آیا تو انھوں نے دعا کی خدایا! میرے پیچھے میرے اہل کو بہتر جانشین عطا فرما۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے یہ دعا کی خدایا! تو میری مصیبت کو دیکھ اور مجھے اس پر اجر عطا فرما اور جب میں "ابدلني بها خيرا" پڑھنا چاہتی تو یہ سوچتی کہ بھلا ابوسلمہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ میری یہی کیفیت رہی بالآخر میں نے یہ دعا پڑھ ہی دی۔ جب ان کی عدت ختم ہو گئی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے مجھے پیغام نکاح دیا، مگر اسے واپس کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے پیغام بھجوایا، اسے بھی لوٹا دیا، بعد ازاں حضور اکرم ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے اس کا خیر مقدم کیا۔

علی بن بنان سندھی تیسری صدی ہجری یا اس کے قریبی دور کے ہیں۔ عاقولی اور دیر عاقولی، دریائے دجلہ کے ساحل پر بغداد سے پندرہ فرسخ کی مسافت پر، مدائن کسریٰ اور نعمانیہ کے درمیان واقع مقام "دیر العاقول" کی طرف منسوب ہے۔ (قاضی)

علی بن عبداللہ سندھی بغدادی

"تاریخ بغداد" میں ابوبکر تمیمی محمد بن عیسیٰ بن عبدالکریم بن حبیش بن طباخ

بن طرطوسی کے حالات میں تحریر ہے کہ یہ ۴۲٦ھ میں بغداد آئے اور علی بن عبداللہ سندھی سے ''طرطوس'' کے فضائل ومناقب سے متعلق بہت سی باتیں روایت کیں۔

علی بن سندھی پانچویں صدی ہجری کے ہیں اور مذکورہ بات کے علاوہ ان کی بابت مجھے کسی طرح کی مزید معلومات نہ ہو سکیں۔ان کے پاس انھیں کا یا ان کے کسی استاذ کا مرتب کردہ طرطوس کے مناقب پر ایک مجموعہ تھا۔(قاضی)

علی بن ابومنذر عمر بن عبداللہ ہباری، حاکم منصورہ

ان کا ذکر مسعودی نے ''مروج الذهب'' میں کیا ہے اور اس نے انھیں ۳۰۰ھ کے بعد کے ابتدائی دس سالوں کے اندر منصورہ میں دیکھا بھی ہے۔مزید تفصیل ان کے والد عمر بن عبداللہ ہباری کے تذکرے میں آرہی ہے۔

علی بن عمرو بن حکم لاہوری

سمعانی نے ''الانساب'' میں لکھا ہے کہ ابوالحسن علی بن عمرو بن حکم لوہوری (لاہوری) عالم، ادیب، شاعر تھے، ان کی یادداشت بہت اچھی تھی اور ان کے الفاظ بڑے شیریں ہوا کرتے تھے۔انھوں نے حافظ ابوعلی مظفر بن یاس بن سعید سعیدی سے سماع کیا اور ان کی روایت سے ہمارے لیے حافظ ابوالفضل محمد بن ناظر سلامی بغدادی نے روایت کی۔

علی بن عمرو لاہوری چھٹی صدی ہجری کے تھے۔(قاضی)

علی بن محمد سندھی کوفی

یہ مورخ ابان بن محمد سندھی کوفی کے حقیقی بھائی اور علی بن سندھی کے نام سے مشہور تھے۔مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابان بن محمد سندھی کا تذکرہ۔

علی بن موسی دیبلی بغدادی

خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں خلف بن محمد موازینی دیبلی کے حالات کے تحت لکھا ہے کہ یہ بغداد آئے جہاں علی بن موسی دیبلی سے حدیث کی روایت کی۔ نیز تحریر فرمایا کہ خلف بن محمد دیبلی نے بیان کیا کہ ہم سے علی بن موسی دیبلی نے ''دیبل'' میں بیان کیا۔الخ......

صاحب تذکرہ: علی بن موسی دیبلی چوتھی صدی ہجری کے تھے۔ احقر کو ان کے مزید حالات دست یاب نہ ہو سکے۔ (قاضی)

سلطان مالدیپ: علی

''تحفۃ الأدیب'' میں مذکورہ ہے کہ تاریخ میں علی کے والد کی بابت کچھ مذکور نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور مشہور ہے کہ علی کی ماں کا نام ''رکھریاماواکلع'' تھا۔ علی ۵۸۰ھ سے ۵۸۸ھ تک پورے آٹھ سال تخت سلطنت پر متمکن رہا۔ اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری بون ابارن مہارون'' تھا۔

سلطان مالدیپ: علی کلمنجا

''تحفۃ الأدیب'' ہی میں مذکور ہے کہ یہ سلطان علی ثانی بن سلطان محمد اودکلمنجا بن سلطان وطبی کلمنجا ہے۔ یہ ۶۷۶ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور دس سال ۶۸۶ھ تک حکومت کی۔ اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری اریدی سورمہاردن'' تھا۔

عمر بن اسحاق واشی لاہوری

''نزھۃ الخواطر'' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ شیخ امام ابوجعفر عمر بن اسحاق

واشی لاہوری اپنے دور کے مشہور عالم اور نہایت عمدہ شاعر تھے۔ ان کی نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

دوش درسودائے دلبر بودہ ام ❁ بالب خشک ورخ ترؔ بودہ ام
درخمار عبہر مخمور او ❁ دیدہ باز ازغم چوں عبہر بودہ ام
وزنم چشم وتف دل ہر زباں ❁ گوئی اندر آب وآذر بودہ ام
ہم چوں بحر وکان زآب وخون اشک ❁ پرزدرو پرزگوہر بودہ ام

عمر ابن اسحاق لاہوری چھٹی صدی ہجری کے عالم تھے۔ (قاضی)

حاکم منصورہ: عمر بن عبدالعزیز بن منذر ہباری

ان کا نام ونسب یہ ہے: عمر بن عبدالعزیز بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن ہبار بن اسود۔ ان کا تعلق قبیلہ قریش کے خاندان بنو اسد سے تھا۔ ان کے جد امجد: ہبار بن اسود نے ۸۰ھ میں اسلام قبول کیا۔ منذر بن زبیر کی اولاد میں سے کوئی حکم بن عوانہ کلبی کے ساتھ سندھ آیا اور منصورہ کے قریب جانب جنوب میں واقع ''بانیہ'' میں سکونت اختیار کی۔ یہ خاندان پہلے تو اموی حکومت کے ساتھ رہا۔ مگر بعد میں عباسی خلافت کا وفادار بن گیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز بن منذر کو ۲۴۰ھ میں والیٔ سندھ بنایا گیا تو اس نے وہاں خود مختار حکومت قائم کر لی، تاہم اس حد تک خلافتِ بغداد کا مطیع رہا کہ خطبہ خلیفۂ عباسی ہی کے نام کا پڑھتا تھا۔

بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وفات ۲۷۰ھ سے پہلے ہوئی ہے، اس لیے کہ اس کا لڑکا عبداللہ بن عمر، ۲۷۰ھ کے بعد سندھ کا حکمراں ہوا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے پہلے تو منصورہ کے تخت حکومت پر قبضہ کیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد پورے سندھ پر قابض ہو کر ٹیکس وخراج نافذ کر دیا۔ تاہم خطبہ عباسی خلیفہ کے نام کا ہی دیتا رہا۔ اس مناسبت سے سندھ کو خلافت عباسیہ کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کا

دارالحکومت تو منصورہ تھا مگر اس کا قیام ''بانیہ'' میں رہتا تھا۔

علامہ احمد بن یعقوب بن جعفر یعقوبی نے ''تاریخ یعقوبی'' میں لکھا ہے کہ جب سندھ پر ایتاخ کے عامل عنبسہ بن اسحاق کو ''ایتاخ'' کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ عراق چلا گیا اور خلیفہ متوکل باللہ عباسی نے اس کی جگہ ہارون بن ابو خالد کو سندھ کا عامل مقرر کر دیا جس کی ۲۴۰ھ میں وفات ہوگئی۔ عمر بن عبدالعزیز سامی جس کی نسبت سامہ بن لوی کی جانب ہے اور جو ملتان کا حاکم تھا، نے لکھا کہ اگر اسے اس شہر کا گورنر نامزد کر دیا جائے اور وہاں قیام کرے تو اس پر کنٹرول کر لے گا۔ متوکل باللہ نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی اور متوکل کے دور خلافت میں وہاں مقیم رہا۔

سامہ بن لوی بن غالب کی جانب جس شخص کی نسبت ہے، اس سے مراد: حاکم ملتان منبہ بن اسد ہے، نہ کہ حاکم منصورہ: عمر بن عبدالعزیز ہباری۔ (قاضی)

ابن حوقل بغدادی نے اپنی مشہور جغرافیہ کی کتاب ''صورۃ الارض'' کے اندر شہر منصورہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے مسلمان اور حاکم قبیلہ قریش سے تعلق رکھنے والے ہبار بن اسود کے خاندان کا ایک شخص ہے۔ منصورہ پر اس کے آباء واجداد نے قبضہ کیا اور اتنے اچھے انداز میں حکومت کی کہ عوام ان کے دل دادہ ہو گئے اور دوسروں پر انھیں ترجیح دیتے تھے۔ مگر خطبۂ جمعہ خلفائے عباسی کے نام کا ہی پڑھا جاتا ہے۔

اصطخری کا بیان ہے کہ ''بانیہ'' ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، جہاں منصورہ پر قابض حکمرانوں کے جدامجد: عمر بن عبدالعزیز ہباری قریشی رہائش پذیر رہے۔ (المسالک والممالک)

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ نزاریوں اور یمانیوں کے درمیان عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی تو عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی نے جسے معتصم باللہ عباسی نے سرحدی علاقوں کا گورنر بنایا تھا، یمانیوں کی حمایت کی۔ اس پر عمر بن عبدالعزیز ہباری نے اس کا رخ کیا اور قتل کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری کے دادا: حکم بن عوانہ کلبی کے ہم راہ سندھ آئے تھے۔

عمر بن عبداللہ ہباری: حاکم منصورہ

مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں تحریر کیا ہے کہ میں ''منصورہ'' ۳۰۰ھ کے بعد آیا۔ اس وقت منصورہ کا حاکم ابومنذر عمر بن عبداللہ تھا۔ منصورہ میں، میں نے اس کے وزیر: اباح اور دونوں لڑکوں: محمد اور علی، سادات عرب سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نیز ''حمزہ'' کے نام سے مشہور ایک عرب امیر کو دیکھا۔ یہاں حضرت علی بن ابو طالبؓ، عمر بن علی اور محمد بن علی کی اولاد سے تعلق رکھنے والے بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ حاکم منصورہ اور قاضی ابوالشوارب کے آل اولاد میں عزیز داری، اچھے مراسم اور خاندانی رشتہ داریاں ہیں۔ اس لیے کہ والیان منصورہ جن میں سے اس وقت کا حاکم بھی ہے ہبار بن اسود کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں اور بنوعمر بن عبدالعزیز قرشی سے مشہور ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز سے اموی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز مراد نہیں ہیں۔

قاضی ابوالشوارب کی آل اولاد کا تعلق ایسے گھرانے سے ہے جس میں ایک عرصہ سے امارت و ریاست رہی ہے۔ چناں چہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا والی مقرر کیا اور آل ابوالشوارب کے جد امجد: حضرت خالد بن اسید کو بھی۔ اس خاندان کے اولین شخص کا نام، جسے خلافت عباسیہ میں قضاء کا منصب عطا کیا گیا، حسن بن محمد بن عبدالملک بن قاضی ابوالشوارب تھا۔ انھیں شہر ''سُرّ من رأی'' کا قاضی القضاۃ: حضرت جعفر بن عبدالواحد بن سلیمان بن علی نے بنایا تھا اور یہ متوکل باللہ عباسی کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی اسی منصب پر فائز رہے۔ یہ فقیہ، سخی، شریف اور انسانیت نواز تھے۔ ان کی وفات ۲٦۱ھ میں ہوئی۔

قاضی ابوالشوارب کی نسل میں ایک عرصہ دراز تک منصب قضا رہا۔ انہی میں محمد بن ابوالشوارب بھی ہیں، جو پہلے بغداد کے قاضی رہے اور پھر ۲۸۳ھ میں منصورہ

کے قاضی ہوئے۔ مورخ ابن اثیر "تاریخ الکامل" میں ۲۸۳ھ میں پیش آمدہ اہم واقعات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اسی سال، ماہ شوال میں قاضی محمد بن ابوالشوارب کی وفات ہوئی۔ یہ شہر منصورہ کے چھ ماہ تک قاضی رہے۔ ان کا خاندان منصورہ ہی میں رہا۔ اس خاندان کی بڑی شہرت اور عزت تھی اور اس کا شمار سر بر آوردہ اور معزز خاندانوں میں ہوتا تھا۔ (قاضی)

مسعودی نے لکھا ہے کہ منصورہ کے تحت کل تین لاکھ بستیاں تھیں۔ یہ سب ہری بھری، درخت بہ کثرت اور ان کی عمارتیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ سندھ کی ایک قوم "میدؤ" اور سندھ کی سرحدی بستیوں کے باشندوں میں بڑی لڑائیاں ہوا کرتی ہیں۔ ملتان بھی سندھ کا سرحدی شہر ہے۔ منصورہ کا نام خلافت بنوامیہ کے نامزد گورنر: منصور بن جمہور کے نام پر رکھا گیا ہے۔ حاکم منصورہ کے پاس اسّی ہاتھیوں پر مشتمل جنگی ہاتھیوں کا ایک دستہ ہے۔ ہر ہاتھی کے آس پاس، جیسا کہ مجھ سے بتایا گیا پانچ سو پیدل فوج ہوتی ہے اور یہ کئی ہزار گھوڑوں سے برسر پیکار ہوجاتے ہیں۔ حاکم منصورہ کے دو بھاری بھرکم ہاتھی میں نے دیکھے۔ جو سندھ و ہند کے حکم رانوں کے یہاں اپنی پکڑ، دفاع اور دشمن کے لشکر کے دستوں پر حملہ کرنے میں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام "منفرقلس" اور دوسرے کا "حیدرہ" ہے۔ منفرقلس نامی ہاتھی کے بہت سے حیرت انگیز واقعات اور قابل تعریف اعمال اس دیار اور دوسرے علاقوں میں مشہور ہیں۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ اس کا پیل بان مر گیا تو اس نے کئی روز تک نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا اور اسی طرح سے روتا اور اظہار ماتم کرتا رہا، جیسے کوئی غم زدہ انسان کرتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے۔ دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز یہ اپنے باڑے سے نکلا، حیدرہ نامی ہاتھی اس کے پیچھے اور دوسرے تمام اسّی ہاتھی حیدرہ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ چلتے چلتے "منفرقلس" منصورہ کی ایک تنگ

سڑک پر پہنچ گیا۔ اسی سڑک پر ایک عورت بھی چل رہی تھی۔ جب اچانک اس کی نظر ہاتھیوں پر پڑی تو وہ دہشت زدہ ہو کر پشت کے بل زمین پر لیٹ گئی اور بیچ راستے میں ہی اس کے پوشیدہ اجزائے بدن کھل گئے۔ یہ صورت حال ''منفر قلس'' نے دیکھی تو دوسرے ہاتھیوں کی جانب اپنا دایاں پہلو کر کے سڑک کے بیچوں بیچ کھڑا ہو گیا، تا کہ انھیں اس عورت تک جانے سے روکے اور اپنے سونڈ سے عورت کو اٹھنے کا اشارہ کرنے لگا، ساتھ ہی اس کے کپڑے سمیٹ کر اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں کو چھپا دیا۔ اس طرح وہ اس وقت تک کر رہا جب تک وہ عورت راستے سے ہٹ نہ گئی۔ جب وہ ہٹ گئی تو وہ آگے بڑھا اور اس کے پیچھے دوسرے ہاتھی۔ علاوہ جنگ وغیرہ کے بھی ان ہاتھیوں کے دوسرے بہت سے حیرت انگیز واقعات ہیں۔

اصطخری نے اپنی کتاب ''المسالك و الممالك'' میں منصورہ کی بابت لکھا ہے کہ باشندگان منصورہ، سب کے سب مسلمان اور حاکم ایک قریشی شخص ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہبار بن اسود کی نسل سے ہے۔ اس شہر پر اس کے آباء واجداد نے قبضہ کیا تھا۔ مگر خطبہ عباسی خلیفہ کے نام کا ہی ہوتا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ یہاں اشیاء کی قیمتیں بہت کم ہیں، سر سبزی اور شادابی خوب ہے۔ ان کے سکہ ''قاہری'' کا ایک درہم، درہم کے پانچویں حصے کے بقدر ہے۔ یہاں کا ایک اور درہم بھی ہے جس کو ''طاطری'' کہا جاتا ہے۔ اس کا وزن ایک درہم دو تہائی درہم کے برابر ہے۔ یہاں دینار میں بھی لین دین ہوتا ہے۔ یہاں کے ملوک وامراء کا لباس، شاہان وراجگان ہند سے ملتا جلتا ہے۔

عمرو بن سعید لاہوری

حموی نے ''معجم البلدان'' میں لکھا ہے کہ عمرو بن سعید لہاوری (لاہوری) حافظ ابوموسیٰ مدنی اصفہانی کے شیخ ہیں۔

حاکم سندھ: عمر سومرہ

عمر سومرہ سندھ کا حاکم رہا۔ اس نے سندھ پر پینتیس سال تک حکومت کی۔ سندھ میں قلعہ عمر کوٹ، اسی کے نام سے مشہور ہے۔ ایک عورت ''ماروئی'' کے ساتھ اس کے عشق ومحبت کی داستان بہت مشہور ہے۔ یہاں تک کہ سندھی زبان کے کئی ایک شعراء نے اس پر نظمیں لکھیں اور سید محمد طاہر نسبائی تتوی نے فارسی زبان میں نظم لکھی۔ اس کے معاشقے کی نظم عوام وخواص، سارے اہل سندھ کی زبان زد ہے، جسے وہ اب بھی پڑھتے ہیں۔ صاحب تحفۃ الکرام نے یہ پوری کی پوری نظم ''تحفۃ الکرام'' میں نقل کی ہے۔

عمرو بن عبید بن باب سندھی بصری، شیخ المعتزلہ

مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں ۱۴۴ھ میں وفات پانے والی شخصیات کے ذیل میں عمرو بن عبید کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابوعثمان، نام عمرو بن عبید بن رباب مولی بنو تمیم ہے۔ ان کے دادا ''رباب'' کابل، سندھ کے رہنے والے تھے۔ اپنے زمانے میں معتزلہ کے امام اور مفتی تھے، ان کی بہت سی تقریریں اور رسائل ہیں۔

عمرو کے دادا کا نام ''باب'' تھا نہ کہ ''رباب'' مسعودی نے جو نام ذکر کیا ہے وہ جمہور مورخین کے خلاف ہے۔ (قاضی)

ابن قتیبہ نے ''کتاب المعارف'' میں لکھا ہے کہ اس کا نام عمرو بن عبید بن باب مولی اہل عرارہ بن یربوع بن مالک ہے اور کنیت ابوعثمان۔ عمرو کے والد: عبید کی بصرہ کے برے اور بدقماش لوگوں کے یہاں بہ کثرت آمد ورفت رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب لوگ عمرو کو اپنے والد کے ساتھ دیکھتے تو کہتے ''خیر الناس ابن شر الناس'' کہ عمرو تو سب سے نیک اور بہتر انسان ہیں مگر سب سے برے انسان

کے لڑکے ہیں۔ عبید یہ بات سن کر تصدیق کرتے ہوئے کہتا کہ ہاں یہ ابراہیم ہے اور میں آذر ہوں۔ عمرو قدریہ کے عقائد کا حامل اور مبلغ تھا۔ یہ اپنے چند ساتھیوں سمیت حضرت حسن بصریؒ کے حلقہ درس سے الگ ہو گیا تھا، اسی وجہ سے اس کا نام معتزلہ رکھ دیا گیا۔ نیز ابن قتیبہ نے تحریر کیا ہے کہ مجھ سے اسحاق بن ابراہیم بن حبیب بن الشہید نے عمرو بن نصر کے حوالے سے بتایا کہ ایک بار میرا گزر عمرو بن عبید کے پاس سے ہوا۔ اس نے تقدیر کی بابت کچھ کہا تو میں نے کہا کہ اسی طرح ہمارے اصحاب وعلماء بھی کہتے ہیں۔ اس پر اس نے معلوم کیا کہ تمہارے اصحاب کون کون ہیں؟ میں نے بتایا ایوب، ابن عون، یونس اور تمیمی۔ یہ سن کر کہنے لگا یہ سب گندے، نجس اور مردہ ہیں زندہ نہیں۔ عمرو کا انتقال مکہ مکرمہ جاتے ہوئے ہوا اور مکہ مکرمہ سے بصرہ کے راستے پر دو شب کی مسافت پر واقع مقام ''مران'' میں دفن کیا گیا۔ سلیمان بن علی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور خلیفہ ابوجعفر منصور نے اس کے مرثیے میں یہ اشعار کہے:

صلى الإله عليك من متوسد ۞ قبراً مررت به على مرّان

قبراً تضمن مؤمنا متحققاً ۞ صدق الإله ودان بالفرقان

فلو إن هذا الدهر يُبقى صالحاً ۞ أبقى لناحقاً أبا عثمان

''اے قبر سے ٹیک لگانے والے اللہ تجھ پر رحمت نازل کرے میرا گزر مقام مران میں اس قبر کے پاس سے ہوا۔ اس قبر میں وہ مومن کامل ہے جس نے خدا سے سچا تعلق قائم کیا اور وہ مذہب اپنایا جو حق و باطل میں امتیاز رکھنے والا ہے۔ اگر زمانہ کسی نیک شخص کو باقی رکھتا تو بلاشبہ ابو عثمان کو بقاء اور دوام سے نوازتا''۔

ابن رستہ نے ''الاعلاق النفیسۃ'' کے اندر ''قدریہ'' کے بیان میں لکھا ہے کہ عمرو بن عبید بن باب مولی آل عرادہ بن یربوع بن مالک کی کنیت: ابوعثمان تھی۔ اس کے والد: عبید کی بصرہ کے بدقماش لوگوں کے یہاں بہ کثرت آمد و رفت

رہتی تھی۔ اس لیے جب لوگ عمرو کو اپنے والد کے ساتھ دیکھتے تو کہتے ''خیر الناس ابن شر الناس'' اور عبیدان کی تصدیق میں کہتا ہاں یہ ابراہیم ہے اور میں آذر۔

ابن قتیبہ اور ابن رستہ کی ان دونوں روایتوں میں الفاظ کی یکسانیت کے باوجود کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً ابن قتیبہ نے عرارہ بن یربوع لکھا ہے اور ابن رستہ نے عرادہ بن یربوع۔ اسی طرح ابن قتیبہ نے عبید کی بابت ''یختلف الی اصحاب الشر'' لکھا ہے اور ابن رستہ نے ''یحلف الی اصحاب الشر'' کے الفاظ لکھے ہیں۔ (قاضی)

''الأغانی'' میں ابوالفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ بصرہ میں چھ علمائے کلام تھے: عمرو بن عبید، واصل بن عطاء، بشار اعمی، صالح بن عبدالقدوس، عبدالکریم بن ابوعوجاء اور قبیلہ ازد کا ایک شخص۔ ابواحمد کہتے ہیں کہ اس سے مراد جریر بن حازم ازدی ہیں۔ یہ سب جریر ازدی کے گھر پر اکٹھا ہوتے اور بحث و مباحثہ کرتے۔ ان میں سے عمرو اور واصل تو معتزلی ہو گئے، عبدالکریم اور صالح نے صحیح اور سچی توبہ کر لی، بشار علی گومگو کی کیفیت میں مبتلا رہا اور ازدی ذہناً فرقہ سمنیہ کی طرف مائل ہو گا۔ لیکن بہ ظاہر پہلے کی طرح رہا۔

سمنیہ ہندوستان میں مندروں کے سب سے بڑے شہر ''سومنات'' کی جانب منسوب ہندوؤں کا ایک فرقہ تھا۔ اس فرقے کی وجہ سے اسلام، اس کے عقیدۂ خالص اور دوسرے عقائد کی بابت بڑا فتنہ برپا ہوا اور شدید نقصان پہنچا۔ مثلاً فرقۂ جہمیہ کا بانی ''جہم بن صفوان'' جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں تصریح کی ہے، دریائے ''زابل'' کی ''ترمذ شہر'' کے قریب واقع ایک گزرگاہ کا افسر و حاکم تھا۔ ہندوستانی تاجر، بلخ اور سمرقند جاتے ہوئے ''نوید'' کے پاس دریائے ''زابل'' کو عبور کرتے تھے اور جہم بن صفوان ان سے ٹیکس وصول کرتا تھا۔ فرقۂ سمنیہ سے تعلق رکھنے والے کچھ ہندوستانی تاجروں نے ایک بار اس سے گفتگو کی اور کہا کہ تم اپنے

خدا کی بابت کچھ بتاؤ۔ جہم بن صفوان نہ تو خود عالم تھا اور نہ ہی اہل علم کی صحبت حاصل تھی، اس لیے کوئی جواب دیے بغیر گھر میں چلا گیا اور عرصے تک باہر نکلا ہی نہیں۔

امام بخاری نے بھی اپنی کتاب ''افعال العباد'' میں تصریح کی ہے کہ فرقۂ سمنیہ سے تعلق رکھنے والے کچھ ہندوؤں نے جہم بن صفوان سے بحث کی تو اس نے چالیس روز تک نماز ہی نہ پڑھی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا کہ اللہ تعالی تو یہی ہوا ہے، اللہ ہر چیز میں ہے اور اس سے کوئی بھی چیز خالی نہیں۔

ابن قتیبہ نے ''تأویل مختلف الحدیث'' میں لکھا ہے کہ مجھ سے اسحاق بن ابراہیم بن حبیب بن الشہید نے بتایا کہ ہم سے قریش بن انس نے بیان کیا کہ میں نے عمرو بن عبید سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ قیامت کے روز جب مجھے اللہ رب العزت کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ مجھ سے سوال کرے گا کہ تم نے کیوں کہا کہ قاتل جہنمی ہے؟ تو میں عرض کروں گا کہ آپ نے ہی تو فرمایا پھر یہ آیت پڑھی ''ومن قتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداًفیھا'' قریش بن انس کا بیان ہے کہ اس پر میں نے اس سے کہا اچھا بتاؤ اگر اللہ تعالی تم سے یوں کہیں کہ میں نے تو یہ فرمایا تھا ''إن اللّٰہ لایغفر أن یشرك به ویغفر مادون ذٰلك لمن یشاء'' پھر تم نے کہاں سے سمجھ لیا کہ میں مغفرت کرنے کو نہیں چاہتا؟ قریش بن انس کہتے ہیں کہ میری اس بات کا اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔

ابن رجب حنبلی نے ''شذرات الذھب'' میں لکھا ہے کہ ۱۴۲ھ میں عابد و زاہد، معتزلی اور قدری: عمرو بن عبید بصری کی وفات ہوئی۔ یہ حسن بصری کا شاگرد رہا۔ پھر ان کی مخالفت کی اور اپنا الگ حلقہ درس قائم کر لیا، اس لیے اسے ''معتزلہ'' کہا جاتا ہے''العبر فی من غبر'' میں مذکور ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ عمرو بن عبید سورج کو سجدہ کر رہا ہے۔ ابن الاہدل کا بیان ہے کہ جب واصل بن عطاء حسن بصری کی مجلس سے الگ ہوا یا اسے

بھگا دیا گیا تو وہ عمرو بن عبید کے پاس چلا گیا، لہٰذا ان کو ''معتزلہ'' کہا جانے لگا۔ اس کی وفات مکہ مکرمہ کے راستے پر مقام ''مرّان'' میں ہوئی۔ خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور نے اس کا مرثیہ لکھا اور زندگی میں بھی اس کی خدمت کی۔ اس کی بابت لوگوں کے خیالات مختلف ہیں ''مغنی'' میں ہے کہ عمرو بن عبید، معتزلہ کا امام ہے۔ اس نے حضرت حسن بصری سے سماع حدیث کیا۔ محدث ایوب اور یونس نے اسے کذاب قرار دیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے متروک قرار دیا ہے۔ یہ بہت بے باک تھا۔ چناں چہ اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بابت کہا کہ وہ ''حشوی'' اور بکواس گو ہیں۔ اس سے اس کی جسارت اور افتراء پردازی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

علامہ ذہبی نے ''دول الاسلام'' میں لکھا ہے کہ شیخ المعتزلہ، عابد، قدری: عمرو بن عبید بصری کا انتقال ۱۴۲ھ میں یا اس کے بعد ہوا۔

جاحظ نے ''البیان والتبیین'' میں لکھا ہے کہ عمر شمری کا بیان ہے کہ عمرو بن عبید گفتگو پر قادر نہیں تھا۔ اگر بات کرتا بھی تو دیر تک نہیں کر سکتا تھا اور کہتا تھا کہ بات کرنے والے میں کوئی خیر نہیں۔ اگر اس کی بات اپنی نہ ہو اور اگر بات لمبی ہو جائے تو متکلم کو تکلف کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس چیز میں کوئی اچھائی نہیں، جو تکلف کے ساتھ کی جائے۔ علامہ شہرستانی نے ''کتاب الملل والنحل'' میں لکھا ہے کہ جہاں تک اصول وعقائد کا تعلق ہے تو عہد صحابہ کے آخر میں تقدیر کی بابت قیل وقال اور خیر وشر کی نسبت تقدیر کی جانب کرنے سے انکار کی بابت غیلان دمشقی، یونس اسواری اور معبد جہنی کی بدعت رونما ہو گئی تھی۔ پھر واصل بن عطاء غزال بھی ان کے نقش قدم پر چلا۔ یہ حضرت حسن بصری کا شاگرد تھا اور اس کا شاگرد عمرو بن عبید تھا جس نے تقدیر کے مسائل میں اس سے زیادہ ہرزہ سرائی کی۔ یہ بنو امیہ کے عہد میں ''یزید'' کا بڑا حامی اور مؤید تھا پھر منصور کی جانب میلان ہو گیا اور منصور کی امامت کا فتویٰ صادر کیا۔ ایک روز منصور نے اس کی تعریف کی تو اس نے کہا لوگوں کے لیے

محبت میں نے بکھیری، مگر انھوں نے عمرو کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنایا۔

ابوحنفیہ دینوری نے ''الاخبار الطوال'' میں لکھا ہے کہ لوگوں کا بیان ہے کہ عمرو بن عبید، خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس گیا۔ ابوجعفر نے جب اسے دیکھا تو اس سے مصافحہ کیا اور اپنے برابر میں بٹھایا۔ عمرو بن عبید نے گفتگو کی اور کہا امیر المومنین! اللہ تعالی نے آپ کو دنیا پوری کی پوری عنایت کی ہے؛ اس لیے آپ کو چاہیے کہ کچھ حصے کے ذریعے اپنے نفس کو اللہ سے خرید لیں۔ اور یاد رکھیں کہ اللہ تعالی کو بھی وہی بات پسند ہے جو آپ پسند کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی جانب سے آپ اس کو پسند کرتے ہیں کہ وہ عدل وانصاف کا معاملہ فرمائے، اسی طرح اللہ تعالی کو بھی یہی بات پسند ہے کہ آپ رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کریں۔ امیر المومنین! آپ کے دروازے کے باہر ظلم وجبر کی آگ بھڑک رہی ہے اور باہر نہ تو کتاب اللہ پر عمل ہو رہا ہے نہ ہی سنت رسول پر۔ امیر المومنین! اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ''الم تر کیف فعل ربك بعاد إرم ذات العماد'' اس نے پوری سورت پڑھ کر سنائی پھر کہا بخدا! یہ سورت ان کے متعلق بھی ہے جو عاد جیسا عمل کریں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اتنا سن کر ابوجعفر رونے لگا۔ یہ دیکھ کر ابن مجالد نے کہا عمرو! اب بس کرو۔ آپ نے آج امیر المومنین کو سخت تکلیف پہنچائی۔ عمرو نے پوچھا امیر المومنین! یہ کون شخص ہے؟ اس نے بتایا تمہارے بھائی ابن مجالد ہیں۔ عمرو نے کہا امیر المومنین! ابن مجالد سے بڑھ کر آپ کا کوئی دشمن نہیں ہے۔ کیا یہ نصیحت کا دروازہ آپ کے اوپر بند اور آپ کو اپنے ہمدرد وخیر خواہ سے روکنا چاہتا ہے؟ حالاں کہ ذرہ برابر بھی پیش آنے والی اچھائی اور برائی کے آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ علامہ دینوری لکھتے ہیں کہ یہ سن کر ابوجعفر نے اپنی انگوٹھی عمرو بن عبید کی جانب پھینک دی اور کہا اپنے دروازے کے باہر کا میں نے تمھیں والی وحاکم بنایا، اب آپ اپنے اصحاب وتلامذہ کو بلا کر انھیں یہ ذمہ داری تقسیم کر دیں۔ اس پر عمرو نے کہا کہ میرے اصحاب آپ کے پاس صرف

اس وقت آسکتے ہیں جب وہ دیکھ لیں کہ جس طرح آپ نے دیانت کے ساتھ بات کی ہے اسی طرح عمل بھی کریں۔ یہ کہہ کر عمرو بن عبید واپس چلا گیا۔

ابن عبدربہ اندلسی نے ''العقد الفرید'' میں تصریح کی ہے کہ عمرو بن عبید، ابوجعفر منصور کے پاس آیا۔ اس وقت منصور کا لڑکا: مہدی بھی وہیں تھا۔ ابوجعفر نے عمرو سے بتایا کہ یہ امیر المومنین کے ولی عہد اور میری امید ہے، آپ اس کے لیے دعا کریں۔ اس پر عمرو نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے اس سے یک سر چشم پوشی کر کے، تمام معاملات کا اسے ذمے دار بنا دیا ہے۔ یہ سن کر ابوجعفر کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور اس نے کہا ابوعثمان! آپ مجھے کچھ نصیحت کریں۔ عمرو بن کہا امیر المومنین! اللہ تعالی نے آپ کو ساری دنیا کی دولت عطا فرمائی، اس میں سے تھوڑے حصے سے اپنے نفس کو خرید لیں۔ یہ دولت وسلطنت جو آج آپ کے پاس ہے اگر آپ کے پیش رو کے قبضے میں رہتی تو آپ کو ہرگز نصیب نہ ہوتی۔ اس پر خلیفہ نے کہا ابوعثمان! آپ اپنے اصحاب کے ذریعے میری مدد کریں۔ عمرو نے کہا آپ حق وصداقت کا جھنڈا بلند کریں، سارے حق پرست آپ کا ساتھ دیں گے۔ یہ کہہ کر عمرو دربار سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے ابوجعفر نے درہم ودینار سے بھرا ہوا تھیلہ بھیجا، مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا:

''کلکم خاتل صید کلکم یمشی رویدا غیر عمرو بن عبید''

''تم میں سے ہر ایک شکار کو دھوکہ دینے والا، ہر ایک آہستہ آہستہ چلنے والا ہے سوائے عمرو بن عبید کے''۔

علامہ ابن عبدربہؒ نے مزید لکھا ہے کہ واصل بن عطاء نے عمرو بن عبید کو لکھا:

اما بعد! بندے کے قبضے سے نعمت کا چھن جانا اور جلد از جلد سزا دینا، یہ اللہ تعالی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جو بھی ایسا ہو تو گناہ بھرپور کرنے اور بحث وتکرار لازم پکڑنے سے ہوتا ہے۔ یہ بحث وتکرار، انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل

ہوجاتی ہے۔ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تمھیں کس طرح مطعون اور تمہاری جانب کیا کچھ منسوب کیا جاتا تھا جب کہ ہم حضرت حسن بن ابوالحسن کے پاس رہتے تھے، اس لیے کہ ہم اور حضرت بصری کے تلامذہ ہمارے دیگر ساتھی، جن سے تم واقف ہو، تمھارے مسلک کو بہت برا سمجھتے تھے۔ خدا کی قسم! کتنی بڑی جماعت، کیسے معزز اور حافظ مشائخ نے سب سے زیادہ نیک طبیعت، سب سے زیادہ باوقار مجلس کے مالک، سب سے نمایاں زاہد اور راست گو کی اقتداء کی۔ بخدا ان لوگوں کی اقتداء کی جن کا ستارہ چمکا، انھوں نے اپنے اور میرے عہد و پیمان اور بخدا حسن بصری کے عہد و پیمان کا پاس کیا۔ کل ان کے ساتھ مسجد نبوی کے مشرقی حصے میں ملاقات ہوئی۔ انھوں نے جو آخری حدیث ہم سے بیان کی، اس میں موت اور اس کی ہولناکی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اوپر اظہار افسوس کیا اور اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ اس کے بعد واللہ انھوں نے روتے ہوئے دائیں بائیں مڑ کر دیکھا، مجھے اب بھی ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے میں اپنے چہرے سے آنسو کی جھڑی پونچھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا تھا خدایا! میں نے اپنی سواری کی زین کس لی ہے اور قبر اور معافی کے فرش گاہ کے سفر کی تیاری شروع کر دی ہے۔ خدایا! میرے بعد لوگ میری جانب، جو بات منسوب کریں اس پر گرفت نہ فرمانا۔ خدایا! تیرے رسول سے جو کچھ بھی مجھ تک پہنچا، میں نے اسے دوسروں تک پہنچا دیا اور تیرے نبی کی احادیث نے جس کی تصدیق کی، اس کی میں نے تیری کتاب کے متعلق وضاحت کی۔ مجھے عمرو سے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے رب سے کھلم کھلا شکایت کرے گا۔ واصل نے لکھا مجھے ایسی بہت سی باتیں معلوم ہوئیں، جو تم نے قرآن شریف کی تفسیر کے تعلق سے اپنے نفس کے کہنے پر کہیں۔ پھر میں نے تیری کتابوں اور تیرے ناقلین کے معانی میں کتر بیونت اور نصوص میں تفریق و تقسیم پر غور کیا تو تمھارے خلاف حسن بصری کی شکایت کی تحقیق ہوگئی اور یہ کہ تم نے جو بدعت ایجاد کی۔ وہ بالکل عیاں ہے

اور جو کچھ تم نے کیا، اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔ اس لیے تمہیں اپنے اعوان اور انصار کی کثرت اور ان کے اثر ورسوخ سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اور نہ اس سے کہ وہ تیری عظمت واحترام میں اپنی نگاہیں جھکا لیتے ہیں۔ اس لیے کہ کل روز قیامت یہ سارا غرور وفخر ہوا ہو جائے گا اور ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ تمھارے نام میں نے یہ خط اس لیے لکھا اور اس لیے یہ جرات کی تاکہ تمھیں، حضرت حسن بصری کی اس حدیث کی یاددہانی کراؤں، جو انھوں نے سب سے آخر میں ہم سے بیان کی تھی۔ لہٰذا تم سنی ہوئی حدیث کو اچھی طرح محفوظ کرلو۔ ضروری اور فرض بات زبان سے کہو اور ان احادیث کی غلط تشریح کرنی چھوڑ دو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو۔

عمرو بن عبید ''فرقہ عمریہ'' کا بانی ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے واقعات وحالات ہیں۔ علامہ عبدالقادر بغدادی نے ''الفرق بین الفرق'' میں فرقہ عمریہ کی بابت لکھا ہے کہ یہ لوگ عمرو بن عبید بن باب کے پیروکار ہیں۔

''شرح مواقف'' میں تصریح ہے کہ فرقہ عمریہ، عمرو بن عبید کے ماننے والوں کو کہا جاتا ہے۔

حاکم سندھ: عمران بن موسی بن خالد برمکی

بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ غسّان بن عبّاد کوفہ کے دیہات کا رہنے والا تھا۔ مامون رشید نے ۲۱۸ھ میں اسے والی سندھ: بشر بن داؤد جس نے بغاوت کر کے سرکشی دکھائی تھی، کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور اس بعد کے سندھ کا والی موسی بن یحییٰ بن خالد بن برمک کو بنایا گیا۔ اس نے مشرقی سندھ کے راجہ ''پال'' کو قتل کر دیا، حالاں کہ اس نے زندہ چھوڑ دیے جانے کے عوض پانچ لاکھ درہم دینے کی پیش کش کی۔ قبل ازیں اس نے غسان بن عباد کے لیے پریشانی کھڑی کر دی تھی، اپنی فوج، نیز بعض راجگان ہند کی موجودگی میں غسّان کے نام خط بھی بھیجا تھا، مگر اس نے

اپنے لڑکے عمران کو اپنا جانشین نامزد کر دیا اور ۲۲۷ھ میں خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے سرحدی علاقوں کی گورنری کی تحریر اس کے نام لکھ دی۔ اس نے ''قیقان'' جا کر وہاں کے زوطیوں۔جاٹوں۔ سے جنگ کی اور فتح یاب ہوا۔ ''البیضاء'' کے نام سے ایک شہر بسایا اور وہاں اسلامی افواج کو آباد کیا۔ پھر منصورہ آیا، وہاں سے پہاڑی کے اوپر واقع شہر کے سربرآوردہ افراد کو ''قصدار'' بھیج دیا۔ پھر ''مید'' برادری پر حملہ کیا اور ان میں سے تین ہزار کو قتل کر دیا نیز ایک بیراج تعمیر کیا جو ''مید بیراج'' کے نام سے مشہور ہے۔ عمران نے دریائے ''الور'' پر فوج کشی کی اور وہاں کے زوط قبیلے کے لوگوں کو بلایا۔ جب وہ آئے تو ان کے ہاتھ پر مہر لگوائی اور ان سے جزیہ وصول کیا۔ نیز انھیں حکم دیا کہ وہ جب بھی اس کے سامنے آئیں تو ان کے ساتھ ایک کتا ضرور رہنا چاہیے۔ نتیجتاً ایک کتے کی قیمت پچاس درہم ہوگئی۔ بعد ازاں سردارانِ زوط کو لے کر ''مید'' لوگوں پر حملہ کیا۔ سمندر سے ایک نہر کھدوائی اور اسے ''مید'' کے نالے میں گرا دیا جس سے نالے کا پانی کھارا ہو گیا اور ان پر ہلہ بول دیا۔

اس کے بعد نزاریوں اور یمانیوں میں تعصب کی آگ بھڑک اٹھی اور عمران ''یمانیوں'' کی جانب داری کرنے لگا۔ اس کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز ہباری نے اس پر فوج کشی کی اور اسے قتل کر دیا۔ عمر ہباری کے دادا: حکم بن عوانہ کلبی کے ساتھ سندھ آئے تھے۔

عمران بن موسی برمکی کی پیدائش اور پرورش اس کے والد کے دورِ امارت میں سندھ کے اندر ہوئی۔ بعد میں یہ اپنے والد کا جانشین بن گیا اور معتصم باللہ عباسی نے والد کی جگہ اسے گورنر سندھ برقرار رکھا۔ (قاضی)

حاکم مکران: عیسیٰ بن معدان مہاراج

علامہ اصطخری جو ۳۴۰ھ میں سندھ آئے نے ''المسالك والممالك'' میں مکران کے بیان میں لکھا ہے کہ عیسیٰ بن معدان نامی ایک شخص قابض وحکم راں

ہے۔ اہل مکران کی زبان میں اسے ''مہاراج'' کہا جاتا ہے اس کا قیام شہر ''کیز'' میں رہتا ہے، جو آبادی میں ''ملتان'' کے نصف کے برابر ہے۔

حموی نے بھی ''معجم البلدان'' میں اصطخری کی یہی بات معمولی سی تبدیلی کے ساتھ نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ۳۴۰ھ کے آس پاس مکران کا حاکم عیسیٰ بن معدان تھا، جسے ان کی زبان میں ''مہراج'' کہا جاتا ہے، اس کا دارالسلطنت ملتان کی نصف آبادی پر مشتمل ایک بڑا شہر ہے۔

❀❀❀
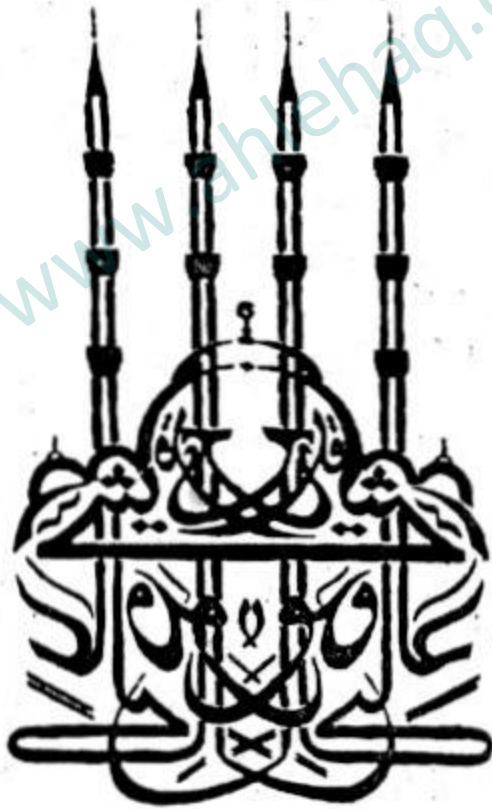
باب: ف

فتح بن عبداللہ سندھی

علامہ سمعانیؒ نے ''کتاب الانساب'' میں لکھا ہے کہ ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی، فقیہ اور متکلم تھے۔ ابتداءً آل حکم کے غلام رہے پھر آزاد کردیے گئے۔ فقہ اور علم کلام شیخ ابوعلی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے پڑھا۔ علاوہ ازیں حسن بن سفیان وغیرہ سے بھی روایت کی۔

نیز لکھا ہے کہ ہم سے ابوالعلاء احمد بن محمد بن فضل نے اصبہان میں، ان سے حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی مقدسی نے، ان سے ابوبکر احمد بن علی ادیب نے، ان سے حافظ ابوعبداللہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا مجھ سے عبداللہ بن حسین نے بتایا کہ ایک روز ہم ابونصر سندھی کے ہمراہ تھے، ان کے اردگرد ہم لوگ بہ کثرت تھے اور کیچڑ میں چل رہے تھے۔ راستے میں ہم نے شریف مکران کو دیکھا کہ کیچڑ میں پڑا ہوا ہے۔ جب اس کی نظر ہم پر پڑی تو ابونصر نے بھی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے کہا غلام! تونے نفاق کیا۔ میں جس حال میں ہوں تو خود دیکھ رہا ہے، جب کہ تم اس شان سے چل رہے ہو کہ تمھارے پیچھے اتنے لوگ ہیں۔ اس پر ابونصر نے جواب دیا شریف مکران! تمھیں معلوم ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تمھارے جد امجد (نبی اکرم ﷺ) کے نقوش قدم کی اتباع کی اور تم نے میرے جد امجد کی

مورخ حموی نے ''معجم البلدان'' میں تصریح کی ہے کہ ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی، فقیہ و متکلم، آل حسن بن حکم کے غلام تھے بعد میں آزاد ہو گئے۔ فقہ و کلام ابوعلی ثقفی سے پڑھی۔

فتح بن عبداللہ چوتھی صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

فخر الدین صغیر بن عز الدین سندھی

ان کا نسب یوں ہے: شیخ فخر الدین صغیر بن شیخ عز الدین بن شیخ فخر الدین ثانی بن شیخ ابوبکر کتابی بن شیخ اسماعیل بن شیخ عبداللہ بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سراج الدین بن حضرت ابوالنجیب ضیاء الدین عبدالقادر سہروردی، سندھی، دفین ''ہالہ کندی'' (سندھ) شیخ فخر الدین صغیر کا سندھ کے قدیم ترین اور اصحاب سلوک و معرفت بزرگوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حضرت مخدوم شیخ نوح بن نعمۃ اللہ بن اسحاق بن شہاب الدین بن سرور کے پانچویں جد امجد ہیں۔ ان کی وفات ۹۹۸ھ میں ہوئی۔ (تحفۃ الکرام)

فخر الدین ثانی بن ابوبکر سندھی

ان کا مکمل نام و نسب درج ذیل ہے:

شیخ فخر الدین ثانی بن شیخ ابوبکر کتابی بن شیخ اسماعیل بن شیخ عبداللہ بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سراج الدین بن حضرت عبدالقادر سہروردی سندھی۔ سندھ کے معروف و مشہور بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا اور یہ شیخ نوح بن نعمۃ اللہ کے چھٹے جد امجد ہیں۔ (تحفۃ الکرام)

فضل بن سکین سندھی بغدادی

خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں لکھا ہے کہ ابوالعباس قطیعی فضل بن سکین بن لحیت معروف بہ سندھی کا رنگ سیاہ تھا۔ انھوں نے صالح بن بیان ساحلی اور احمد بن محمد رملی سے سماع حدیث کیا اور ان سے محمد بن موسیٰ بن حماد بربری، ابویعلیٰ موصلی، ابراہیم بن عبداللہ مخزومی اور محمد بن محمد باغندی نے روایت کی۔

نیز خطیب نے لکھا ہے کہ ہم سے ابوالحسن محمد بن عبدالواحد نے، ان سے عمر بن محمد بن علی ناقد نے، ان سے ابراہیم بن عبداللہ بن ایوب مخرمی نے، ان سے فضل بن سحیت قطیعی نے، ان سے صالح بن بیّان نے، ان سے مسعودی نے، ان سے قاسم بن عبدالرحمٰن نے، ان سے ان کے والد عبدالرحمٰن نے اور ان سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے:

"دخلت المسجد ورسول الله ﷺ جالس، فسلمت وجلست، فقلت: لاحول ولا قوة الا بالله، فقال لي النبي ﷺ: ألا أخبرك بتفسيرها؟ فقلت: بلى يا رسول الله! فقال: لاحول عن معصية الله إلا بعصمة الله، ولا قوة على طاعة الله إلا بعون الله، وضرب منكبي، وقال لي هكذا أخبرني جبرئيل يا ابن أم معبد".

"میں مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کیا میں تمھیں اس کا مطلب نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول! تو فرمایا کوئی قدرت نہیں معصیت سے بچنے کی، مگر اللہ کی حفاظت سے اور اللہ کی طاعت کی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد سے۔ پھر آپ ﷺ نے میرے شانے پر دست اقدس مارا اور فرمایا ام معبد کے لڑکے! جبرئیل نے مجھے اسی طرح بتایا ہے"۔

مزید لکھا ہے کہ ہم نے بہ روایت محمد بن عباس جوہری سے پڑھا کہ ابن عباس نے کہا کہ ہم سے محمد بن قاسم کوکبی نے، ان سے ابراہیم بن عبداللہ بن جنید نے بیان کیا کہ میں نے سنا جب ابوالعباس فضل بن سحیت کا تذکرہ لوگوں نے یحییٰ بن معین کے سامنے کیا تو انھوں نے فرمایا یہ کذاب ہے، اس نے عبدالرزاق سے کچھ بھی نہیں سنا۔ جب تلامذہ نے یہ کہا کہ وہ حدیث بیان کرتا ہے، تو فرمایا اللہ کی لعنت ہو ہر ایسے شخص پر خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، جو اس سے حدیث لکھے الا یہ کہ وہ اسے جانتا ہو۔

حاکم سندان: فضل بن ماہان

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ مجھ سے منصور بن حاتم نے بیان کیا کہ فضل بن ماہان، بنو سامہ کا غلام تھا۔ اس نے ''سندان'' فتح کرکے اس پر قبضہ کرلیا اور مامون رشید کی خدمت میں ہاتھی بھیجا اور اس سے خط وکتابت کی۔ نیز سندان میں اپنی تعمیر کردہ جامع مسجد میں اس کے لیے دعاء کرائی۔

زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ فضل بن ماہان، بنو سامہ بن لوی بن غالب کا غلام تھا، اس لیے کہ ''ملتان'' میں انہی کی حکومت تھی۔ حاکم ملتان ابولہاب منبہ بن اسد قرشی بھی انہی میں سے تھا۔ فضل بن ماہان نے ملتان کے کسی حاکم کو سندان بھیجا تھا، جس نے اسے فتح کیا، اس پر قابض ہوکر خود مختار حکمراں بن بیٹھا۔ تفصیل اس کے بیٹوں: ماہان اور محمد کے تذکرے میں آرہی ہے۔

فضل اللہ بن محمد بوقانی سندھی

ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد بوقانی سندھی کا تذکرہ امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں صاحب مصابیح: امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ کے ذیل میں کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ امام بغوی سے اجازت حدیث کے ساتھ سب سے آخر میں ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد نے روایت کی۔ یہ ۶۰۰ھ کے آس پاس بقید حیات تھے۔

❀❀❀

باب: ک

کشاجم بن حسن بن شاہک سندھی رملی

کشاجم اوران کے والد: دونوں کے نام کی بابت اختلاف ہے۔ بعض لوگ ان کا نام محمد اور والد کا حسن اور بعض مورخین ان کا نام محمود اور والد کا نام حسین بتاتے ہیں۔ پورا نام اس طرح ہے: محمد ابوالفتح بن حسن، یا محمود بن حسین بن شاہک سندھی رملی۔ بعض لوگ کنیت ابوالفتح کی جگہ ابوالحسن لکھتے ہیں۔ یہ نہایت بلند پایہ اور سحر آفریں شاعر، متعدد فطری صلاحیتوں کے حامل اور بہت باکمال صاحب قلم تھے۔ اپنے دور میں ''ریحانۃ الادب'' سمجھے جاتے تھے۔ مصر میں ایک عرصے تک قیام رہا کیوں کہ مصر انھیں بہت اچھا لگا۔ ان کا مکان ''رملہ'' میں تھا(۱)۔ ان کی کئی ایک کتابیں ہیں۔ ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔

علامہ ابن الندیم نے ''الفہرست'' میں بادشاہوں، نثر نگاروں، مقررین، نامہ برداروں، خراج وٹیکس کے افسران اور شاہی دربار کے وزراء کے تذکرے میں لکھا ہے: کشاجم کی کنیت ابوالفتح اور نام محمود بن حسین ہے۔ یہ عربی زبان وادب اور شعر وشاعری میں بہت مشہور تھے۔ ان کی چند کتابیں یہ ہیں: کتاب ادب الندیم، کتاب الرسائل اور ان کے اشعار کا ایک دیوان۔

نیز کشاجم کا تذکرہ ۳۰۰ھ کے بعد کے غیر نثر نگار جدید شعراء کی جماعت کے اسمائے گرامی میں بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ سندھی بن شاہک کے لڑکے: کشاجم کا ایک سو اوراق پر مشتمل شعری دیوان اور کتاب ادب الندیم ہیں۔

(۱) فی زمانہ ''رملہ''، فلسطین کا ایک شہر ہے۔ کبھی فلسطین مصر ہی کا حصہ ہوا کرتا تھا۔ ع۔ ر۔ بستوی۔

علامہ ابن الندیم کی عبارت میں ورق سے ورق سلیمانی مراد ہے، جس کے ہر صفحے میں بیس سطریں ہوتی تھیں۔ (قاضی)

سمعانی نے "الانساب" میں لکھا ہے کہ سندھی بن شاہک مشہور شاعر، کشاجم کے دادا ہیں، انھیں سندھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ خلیفہ ہارون رشید کے دور میں، جسر فرات، بغداد کے نگراں: سندھی بن شاہک کی اولاد میں سے ہیں۔

مسعودی "مروج الذهب" میں فرماتے ہیں کہ ابوالفتح محمد بن حسن سندھی بن شاہک کاتب معروف بہ "کشاجم" روایت ودرایت اور علم وادب کی ممتاز شخصیات میں سے تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوالفتح محمد بن حسن سندھی ابن شاہک کاتب معروف بہ کشاجم نے بتایا کہ انھوں نے اپنے ایک دوست کے نام، جو "نرد"-چوسر-کھیل میں شہرت یافتہ تھا، نرد کی مذمت میں اشعار پر مشتمل ایک خط بھیجا۔ پہلا شعر درج ذیل ہے:

ایھا المعجب الفاخر بالنرد ۞ ویزھو بھا علی الاخوان

"اے چوسر کے گرویدہ اور اس پر نازاں! تاکہ اس کے ذریعہ دوسروں پر اظہار فخر کرے"۔

ابن العماد حنبلی "شذرات الذهب" کے اندر ۳۶۰ھ میں وفات یافتہ شخصیات کے ذیل میں لکھتے ہیں: کشاجم ممتاز اور عظیم شعراء میں سے ایک، ان کا نام محمود بن حسین ہے۔ یہ نہایت بلند پایہ شعراء اور بہت عظیم المرتبت اہل علم وفضل میں سے تھے۔ بعض حضرات کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ "کشاجم" نام ان علوم وفنون کا شارٹ ہے، جن میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ مثلاً "کاف" ان کی کتابت کا اختصار ہے "شین" شعروسخن کا، "الف" انشاء پردازی کا۔ "جیم" علم وجدل ومناظرے کا اور "میم" منطق کا۔ یہ اتنے حسین وملیح تھے کہ اس میں ضرب المثل بن گئے چناں چہ لوگ کہتے تھے "أملح من کشاجم" کشاجم سے بھی زیادہ ملیح وخوب صورت۔ انھوں نے "أسود" کی ظلم وزیادتی پر درج ذیل شعر کہا:

یا مشبها فی لونه فعله ۞ لم تعد ما أرجیت القسمة
فعلك من لونك مستنبط ۞ والظلم مشتق من الظلمة

''اے وہ شخص جس کا کردار اس کے رنگ سے ہم آہنگ ہے۔ شاید تیری ذات میں تیرے رنگ کا خمیر ہے اور ظلم بھی ظلمت (تاریکی) ہی سے ماخوذ ہے''۔

بعض سوانح نگاروں نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابوالحسن اورابوالفتح ہے، سندھی کے لڑکے ہیں، ''کشاجم'' کے نام سے مشہور ہیں، فلسطین کے نواحی شہر ''رملہ'' کے رہنے والے تھے۔ کتابت وانشاء پردازی میں سردار، فصاحت وزور بیان میں سب سے آگے تھے۔ اپنی تحقیق میں اپنے معاصرین سے نمایاں اور ممتاز اور نکتہ رسی میں اپنے پایے کے علماء سے فائق تھے۔ تعلیم وتدریس کے علوم میں بہت ذہین وطباع اور نہایت ذہین وفطین تھے۔ یہ بے مثال شاعر اور چمکتے دمکتے ستارے تھے۔ انھوں نے اپنا لقب ''کشاجم'' رکھا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ اس لقب کی وجہ کیا ہے؟ کہا کاف کاتب کا، شین شاعر کا، الف ادیب کا، جیم جواد کا اور میم منجم (نجومی) کا اختصار ہے۔ مشہور ہجو گو عربی شاعر اور سیف الدولہ کے والد: ابوالہجاء عبداللہ بن حمدان کے درباری شعراء میں تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ سیف الدولہ کے طباخ اور باورچی تھے۔ ان کا شعر بہت نفیس اور ان کی تصنیفات کی خوش بو بڑی تیز تھی۔ انہی میں سے ایک کتاب ''المصائد والمطارد'' ہے۔

''تثقیف اللسان'' میں مذکور ہے کہ ان کے لقب ''کشاجم'' میں جتنے حروف ہیں ہر حرف کسی نہ کسی علم وفن کا غماز ہے۔ بعد میں جب علم طب پڑھ لیا اس میں بھی ماہر ہوگئے اور یہ ان کے علوم میں سب سے بھاری اور فائق ہوگیا تو ان کے اس لقب میں ''طبیب'' کی جانب اشارہ کرنے کے لیے ''ط'' کا اضافہ کرکے ''طکشاجم'' کہا گیا، مگر اس اضافہ کے ساتھ لقب کو شہرت نہ ملی۔

علامہ ثعالبی نے صاحب تذکرہ: کشاجم بن حسن کے اشعار دو صفحات میں ذکر کیے

ہیں اور صاحب ''کشف الظنون'' نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''کتاب المصائد و المطارد'' ابوالفتح محمد بن حسن منشی کشاجم رملی متوفی ۳۵۰ھ کی ہے۔ (قاضی)

تاریخ آداب اللغة العربیة میں مذکور ہے کہ کشاجم متوفی ۳۶۰ھ سے مراد ابوالفتح محمود بن حسین بن شاہک ہیں۔ اصلا ہندی ہیں اور سندھی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا قیام ''رملہ'' میں رہا اس لیے ''رملی'' کہے جانے لگے۔ حروف معجم کی ترتیب پر ان کا ایک شعری دیوان ہے جو ۱۳۱۳ھ میں بیروت سے شائع ہوا۔ ان کی ایک کتاب ''کتاب ادب الندیم'' ہے یہ مختصر سی کتاب ہے، جس میں بادشاہوں کے ندیم و وزیر کے فرائض و واجبات، ان کے کمالات، اخلاق و عادات اور منادمت، سماع اور بات چیت کے لیے بلائے جانے کے وقت کیا ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، ان سے بحث کی گئی ہے۔ ان امور کے تذکرے کے ضمن میں مختلف واقعات اور اشعار بھی مذکور ہیں۔ یہ کتاب مصر میں ۱۲۱۸ھ میں طبع ہوئی۔ علاوہ ازیں شکار سے متعلق ایک کتاب ''البیزرۃ'' بھی ان کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ''غوطا'' کی لائبریری میں موجود ہے۔

سلطان مالدیپ: ہلی کلمنجا

''تحفة الادیب'' میں مذکور ہے کہ ہلی کلمنجا ۶۳۰ھ سے ۶۵۵ھ تک پورے پچیس سال ''مالدیپ'' کا حکم راں رہا۔ اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری راوسورمہاردن'' تھا۔

سلطان مالدیپ: کلمنجا

''تحفة الادیب'' ہی میں اس کی بابت بھی تحریر ہے کہ اس کی ماں کا نام ''ایدع ماوا کلع'' تھا۔ تاریخ سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ مذکورۃ الصدر ''ہلی کلمنجا'' کا حقیقی بھائی تھا یا نہیں اس نے ۶۶۶ھ سے ۶۶۷ھ تک حکومت کی۔ اس کی مدت حکم رانی صرف نو ماہ

رہی۔ اہل مالدیپ اسے ''سری مدینی مہاردن'' کے لقب سے جانتے تھے۔

سلطان مالدیپ: کلمنجا بن سلطان یوسف

کتاب مذکور میں اس کا نام یوں لکھا ہے: سلطان کلمنجا بن سلطان یوسف بن محمد اود کلمنجا بن سلطان وطبی کلمنجا۔ یہ ۶۹۳ھ میں مالدیپ کا بادشاہ بنا اور اس کی مدت بادشاہت سات برس رہی۔ اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری میسود مہاردن'' تھا۔

کنکہ ہندی

علامہ ابن ندیم اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الفہرست'' کے اندر اصحاب تعلیم، انجینئروں نقشہ سازوں، ماہرین موسیقی، حساب دان، نجومی، آلات اور مشینوں کے صانعین اور اصحاب حیل وحرکات کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ کنکہ ہندی کی متعدد کتابیں ہیں۔ اس کی چند کتابیں یہ ہیں: کتاب النودار فی الاعمار، کتاب اسرار المو الید، کتاب القرانات الکبیر اور کتاب القرانات الصغیر۔ ''کشف الظنون'' میں مذکور ہے کہ ''کتاب منازل القمر'' کنکہ کی ہے اس میں اس نے بیان کیا ہے کہ میں نے اس کتاب میں ''ہرمس'' کے ابواب سے مدد لی ہے۔ کنکہ نے اس کتاب میں ستاروں کے روحانی نظام اور ان کی گردش وتاثیر کا ذکر کیا ہے اور ''اشنوطاس'' کے اسلوب ومنہج کے برخلاف لکھا ہے۔ نیز کشف الظنون میں یہ بھی ہے کہ ''کتاب الموت'' بھی کنکہ ہی کی ہے۔ وزیر جمال الدین قفطی نے ''أخبار الحکماء'' میں لکھا ہے کہ ابومعشر نے اپنی کتاب ''الألوف'' میں کنکہ ہندی کے تعارف کے تحت لکھا ہے کہ قدیم ہندوستان کے تمام ارباب علم ودانش کے نزدیک علم نجوم میں ''کنکہ'' کا مقام ومرتبہ نہایت ممتاز اور بلند ہے۔ ہمیں نہ تو اس کے دور کی تاریخ کا کچھ علم ہوسکا اور نہ ہی اس کے حالات؛ کیوں کہ وہ بہت دور دراز علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہمارے ملک نیز اس کے ملک کے درمیان، متعدد

دیگر ممالک حائل ہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اہل ہند، وہ اوّلین قوم ہیں جن کی سلطنت وحکومت بہت عرصے سے ہے اور ان کا ملک نہایت وسیع وعریض ہے، ان کی حکمت ودانائی مسلم ہے۔ علاوہ ازیں علم ومعرفت کے حوالے سے تمام گزشتہ بادشاہوں پر ان کی فوقیت کا اعتراف ''تبریز'' میں کیا گیا ہے۔

چین کے بادشاہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بادشاہ کل پانچ ہیں اور باقی تمام لوگ ان کی رعیت اور تابع فرمان۔ ان میں شاہ چین، ہندوستان، ترک، فارس اور روم کے بادشاہ کا ذکر کرتے۔ نیز وہ شاہ چین کو انسانوں کا بادشاہ کہتے، کیوں کہ اہل چین، دنیا میں سب سے زیادہ اپنی سلطنت کے اطاعت شعار اور ملکی سیاست کے پیروکار ہوتے ہیں۔ بادشاہ ہندوستان کو علم وحکمت کا بادشاہ بتاتے تھے، کیوں کہ علوم وفنون سے انھیں بے پناہ دل چسپی ہوتی تھی۔ ترک بادشاہ کو، ترکوں کی بہادری اور جرأت مندی کے سبب درندوں کا بادشاہ کہتے تھے۔ شاہ فارس کو شہنشاہ کہتے تھے، کیوں کہ سلطنت فارس بہت وسیع وعریض تھی، ان سب سلطنتوں میں سب سے عظیم اور زیادہ خطرناک بھی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کائنات ارضی کے بالکل بیچوں بیچ فارس کی سلطنت تھی اور دنیا کے سب سے اہم اور عمدہ علاقوں پر مشتمل تھی۔ جب کہ شاہِ روم کو ''ملك الرجال'' -انسانوں کا بادشاہ- کہتے تھے۔ کیوں کہ رومی سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے پرکشش جسم کے مالک اور سب سے مضبوط ہوتے ہیں۔

غرض یہ کہ ہندوستان، ہر زمانے میں اور تمام قوموں کے نزدیک حکمت ودانائی کا معدن اور عدل گستری وسیاست ملکی کا سرچشمہ مانا جاتا رہا ہے۔ لیکن چوں کہ ہندوستان، ہمارے یہاں سے بہت فاصلے پر واقع ہے اس لیے اہل ہند کی بہت کم تصانیف ہم تک پہنچیں، ان کے علوم ومعارف کے معمولی حصے ہی سے ہم واقف ہو سکے اور معدودے چند دانش وران ہند کی بابت ہمیں معلومات ہوئیں۔ علم نجوم سے متعلق تینوں مشہور ''مسلک'' اہل ہند ہی کے ہیں، یعنی: سند ہند کا موقف، ارجبھر کا مسلک اور ارکند کا نقطہ نظر۔ مگر تفصیل کے ساتھ صرف ''سند ہند'' کا موقف

ہی ہم تک پہنچا۔ اسی موقف کو محمد بن موسیٰ خوارزمی اور حسین بن حمید معروف بہ ابن الآدمی وغیرہ نے اختیار کیا۔ سند ہند کی تشریح دہر الداہر ہے، جیسا کہ حسین بن آدمی نے علم ہیئت پر اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

موسیقی سے متعلق اہل ہند کے جو علوم و معارف ہم تک پہنچے ان میں ایک وہ کتاب ہے جس کا ہندوستانی زبان میں ''بیافر'' نام ہے۔ اس کی تشریح ''ثمار الحکمۃ'' ہے جس میں لحن کے قواعد وضوابط اور سُر ملانے کے اصول وکلیات مذکور ہیں۔ اصلاح اخلاق اور تہذیب نفوس کی بابت ان کی ایک کتاب ''کلیلہ و دمنہ'' ہم تک پہنچی۔ یہ کتاب بہت مشہور ومعروف ہے۔ اہل ہند کے جو علوم ہم تک پہنچ سکے، انہی میں اعداد کا حساب بھی ہے، جس کی تفصیل وتشریح ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے کی۔ یہ حساب دیگر تمام حسابات کی بہ نسبت مختصر، قریب الفہم اور سہل الحصول ہے۔ اس سے اہل ہند کی ذہانت، طباعی، انتاج اور عمدہ امتخاب واختراع کا اندازہ ہوتا ہے۔ کنکہ ہندی کی مشہور کتابوں میں: کتاب النوادر فی الاعمار، کتاب اسرار الموالید، کتاب القرانات الکبیر اور کتاب القرانات الصغیر شامل ہیں۔

ابن اصیبعہ نے ''طبقات الأطباء'' میں لکھا ہے کہ کنکہ ہندی، متقدمین اور بڑے دانش وران ہند میں نہایت باکمال دانش ور تھا۔ علم طب، ادویات کی تاثیر، بچوں کی نفسیات اور موجودات کے خواص پر اس کی بڑی گہری نظر تھی۔ دنیا کے نقشے، آسمانوں کی ترکیب اور ستاروں کی رفتار کا سب سے بڑا عالم تھا۔ ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی نے اپنی کتاب ''الالوف'' میں تحریر کیا ہے کہ کنکہ، قدیم زمانے میں تمام دانش وران ہند کے نزدیک علم نجوم میں سب پر فائق تھا، کنکہ کی چند ایک تصنیفات بھی ہیں: کتاب النودار فی الاعمار، کتاب الموالید، کتاب القرانات الکبیر، کتاب القرانات الصغیر۔ علم طب میں بھی ایک کتاب ہے جس میں اس نے ''کناش'' کے انداز کو اختیار کیا ہے، کتاب فی التوہم اور اسی طرح اسی کی تالیف کتاب فی احداث العالم والدور فی القرآن کے نام سے بھی ہے۔

باب: م

ماشاءاللہ ہندی

قاضی صاعد بن احمد اندلسی نے ''طبقات الأمم'' میں لکھا ہے کہ ماشاءاللہ ہندی کا شماران اہل علم میں ہوتا ہے، جنہیں علم نجوم طبعی سے خصوصی اعتناء تھا۔علم نجوم کہتے ہیں ستاروں کی رفتاراور دنیامیں ان کے اثرات کے جاننے کو۔عہد اسلام میں ماشاءاللہ ہندی اس میں مشہور ہوئے۔یہ بہت سی اہم کتابوں کے مصنف ہیں۔

غالب گمان یہ ہے کہ صاحب تذکرہ: ماشاءاللہ ہندی تیسری صدی ہجری کے ہیں۔جہاں تک ماشاءاللہ ابن اثری کا تعلق ہے جس کا نام میثی۔بہ معنی تیز رو۔تھا تو یہ یہودی تھا۔خلیفہ منصوراور مامون کے زمانے میں رہا۔جیسا کہ ابن الندیم نے تذکرہ کیا ہے۔(قاضی)

حاکم سندان: ماہان بن فضل بن ماہان

ان کے والد فضل بن ماہان، بنوسامہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔مامون رشید کے زمانے میں سندان کو فتح کر کے اس پر قابض ہو گئے تھے۔ماہان کی وفات کے بعد اس کا بھائی، محمد بن فضل اس کا جانشین ہوا۔جب محمد بن فضل نے ماہان بن فضل کے بعض مفتوحہ علاقوں کا رخ کیا تو ماہان نے سندان پر قبضہ کرلیا اور خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے پاس ''ساگوان'' کی ایسی لکڑی بھیجی، جیسی اس نے کبھی نہ دیکھی تھی۔اس کی مکمل تفصیل، محمد بن فضل بن ماہان کے تذکرے میں آرہی ہے۔

مبارک ہندی مروزی

شیخ ابو جعفر محمد بن عمر شعیبی اپنی مشہور کتاب ''الکفایۃ الشعبیۃ'' میں لکھتے ہیں کہ شہر ''مرو'' میں ایک شخص نہایت صاحب ثروت تھا۔ اس کا ایک ہندوستانی غلام تھا جس کا نام ''مبارک'' تھا، جسے اس نے معمولی پیسوں میں خریدا تھا۔ اس غلام کو اس نے حکم دیا کہ وہ اس کے باغ کی دیکھ بھال کرے۔ ایک مدت کے بعد وہ شخص اپنے باغ میں آیا اور غلام سے کہا کوئی میٹھا سا انار توڑ کر لاؤ۔ چناں چہ وہ ایک نہایت سرخ انار لے آیا۔ لیکن جب اس شخص نے اسے توڑا اور چکھا تو بہت ترش معلوم ہوا۔ اس پر غلام سے کہا کہ میں نے تم سے میٹھا انار لانے کو کہا تھا، مگر تو ترش اور کھٹا لے کر آ گیا۔ غلام دوبارہ بہت تلاش کر کے بزعم خود شیریں انار توڑ کر لایا۔ لیکن جب اسے چکھا تو وہ بھی ترش نکلا۔ تب آقا نے غلام سے کہا تم اتنے دنوں سے باغ کی دیکھ بھال کر رہے ہو مگر شاید تم نے بھی اب تک جتنے انار کھائے ہوں، وہ سب ترش رہے۔ تم نے میٹھا سمجھ کر توڑا۔ غلام نے کہا میرے آقا! نہ تو میں نے اب تک انار ہی کھایا اور نہ کوئی دوسرا پھل۔ جب آقا نے اس کی وجہ معلوم کی تو کہا آپ نے باغ کی دیکھ بھال کرنے کے لیے کہا تھا، پھل کھانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لیے میں نے اب تک ایک بھی پھل نہیں کھایا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے سوال کریں کہ تم نے دوسرے کا مال، اس کی اجازت کے بغیر کیوں کھایا تو مجھ سے کوئی جواب نہ بن سکے گا۔ یہ سن کر تعجب سے آقا نے کہا اچھا تو تم نے اس حد تک احتیاط سے کام لیا؟ غلام نے جواب دیا ہاں۔ چناں چہ وہ شخص اسی آن غلام کو لے کر گھر آیا۔ لمبی چوڑی ضیافت کا انتظام کیا، مرو کے تمام رؤساء، حکام اور اصحاب ثروت کو جمع کیا۔ ایک کرسی لا کر ان کے بالکل بیچوں بیچ رکھی اور اس غلام کو نہایت زرق و برق لباس پہنایا اور کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر ان سر برآوردہ باشندگان ''مرو'' سے مخاطب ہو کر کہا آپ حضرات میں سے کچھ لوگ اس شخص کو جانتے

ہوں گے اور جو نہیں جانتے وہ بھی جان لیں کہ یہ میرا غلام ہے، اس کا نام "مبارک" ہے۔ اسے میں نے نہایت معمولی پیسوں میں خریدنے کے بعد اپنے باغ کی دیکھ بھال پر لگا دیا تھا۔ پھر اس نے انار کا پورا واقعہ بیان کیا اور تمام حاضرین سے کہا آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے نیز اپنی لڑکی کی شادی بھی اس سے کر دی اور اپنی نصف جائیداد بھی اسے ہبہ کر رہا ہوں۔

شیخ ابو جعفر کا بیان ہے کہ اس روز سے نکاح کے وقت دولہے کو کرسیوں پر بٹھانے کا رواج ہو گیا۔ نیز لکھا ہے کہ اس غلام کے اس کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام "عبداللہ" رکھا گیا۔ یہ لڑکا عہد و پیمان کا سب سے زیادہ پکا، سب سے زیادہ عبادت گزار، سب سے بڑھ کر بہادر اور سب سے برتر عالم وفقیہ ہوا۔ اس کے علم وتفقہ پر اگر علماء وفقہاء کو ناز تھا تو زہد وعبادت پر عبّاد وزہّاد نازاں تھے۔ یہ سب اس کے والد کی حسن نیت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

صاحب تذکرہ کے سلسلے میں مزید معلومات نہ مل سکیں۔ (قاضی)

متی کلمنجا: سلطان مالدیپ

"تحفۃ الادیب" میں تحریر ہے کہ سلطان متی کلمنجا کے باپ کی جانب سے نسب کی بابت تاریخ میں کوئی بات نہیں ملتی۔ البتہ اس کی ماں کی بابت معلوم ہے کہ وہ سلطان محمد اوّل کی خالہ تھی۔ اس نے ۵۶۱ھ سے ۵۸۰ھ تک کل انیس سال حکومت کی۔ اہل مالدیپ اسے "سری بون ابارن مہاردن" کہتے تھے۔

مخلص بن عبداللہ ہندی بغدادی

علامہ سمعانی نے "الانساب" میں لکھا ہے کہ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی مہذبی، مہذب الدولہ ابو جعفر دامغانی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اسی کی جانب نسبت

کرتے ہوئے انھیں ''مہذبی'' کہا جاتا ہے۔ یہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بغداد میں ابوالغنائم محمد بن علی بن میمون نرسی، ابوالقاسم بزاراور ابوالفضل حنبلی وغیرہ سے سماع حدیث کیا۔ میں نے بھی بغداد ہی میں ان سے بعض احادیث قلم بند کیں۔

مخلص بن عبداللہ چھٹی صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

مسعود بن سلیمان، فریدالدین اجودھنی

''نزهة الخواطر'' میں ان کی بابت مذکور ہے کہ شیخ کبیر مشہور بزرگ امام فریدالدین مسعود بن سلیمان بن شعیب بن احمد بن یوسف بن محمد بن فرخ شاہ عمری چشتی اجودھنی۔ ان کے دادا: شعیب بن احمد تاتاری فتنے کے دور میں ہندوستان آئے اور ''ملتان'' کے زیر انتظام ''کھتوال'' کے قاضی بنائے گئے، انھوں نے قضاء کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی۔ یہیں شیخ فریدالدین مسعود کی ۵۶۹ھ میں پیدائش ہوئی اور کم سنی ہی میں ''ملتان'' جاکر اپنے دور کے مشہور اساتذہ علم وفن سے حصول علم میں مشغول ہوگئے۔ مولانا منہاج الدین ترمذی سے ''النافع'' کتاب پڑھی، ملتان ہی میں حضرت قطب الدین بختیار اوچھی سے ۵۸۴ھ میں ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ دہلی آ گئے اور ایک عرصۂ دراز تک ان کی خدمت میں رہ کر طریقت کے علوم ومعارف حاصل کیے۔

اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ جب ان کی شیخ مذکور سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن شیخ نے انھیں منع کردیا اور تکمیل علوم کا مشورہ دیا۔ چناں چہ حضرت فریدالدین نے ''قندھار'' کا سفر کیا اور وہاں پانچ سال رہ کر حصول علم میں مشغول رہے۔ پھر ملتان واپس آئے اور وہاں حضرت شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی، حضرت سیف الدین باخرزی،

شیخ سعد الدین حموی، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور دیگر متعدد مشائخ واولیاء کی شرف صحبت سے بہرہ ور ہوئے۔ بعد میں دہلی آکر شیخ قطب الدین کی صحبت میں رہنے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد شہر ''ہانسی'' چلے گئے، جہاں بارہ برس تک سخت ریاضت ومجاہدے مشغول رہے، جس کے نتیجے میں ان سے خوارق عادات امور، کرامات اور حیرت انگیز روحانی تصرفات کا ظہور ہوا اور عوام الناس جوق دور جوق ان کی خدمت میں آنے لگے۔ اس کے باعث اپنی جائے قیام ''ہانسی'' کو خیر باد کہا اور ''کھتوال'' چلے گئے، جہاں ایک مدت تک قیام پذیر رہے۔ جب یہاں بھی ان کے کشف وکرامات کا حال منکشف ہوگیا اور لوگوں کا سیلاب امڈ آیا تو وہاں سے ہجرت کر کے ''اجودھن'' چلے گئے۔ یہاں اقامت پذیر ہوکر مریدین وسالکین کی تربیت وتزکیہ میں مصروف ہوگئے۔ ان کا شمار کبار اولیاء اور بزرگان امت میں ہوتا ہے۔ عجیب وغریب روحانی تصرف اور بے پناہ عالم جذب کے مالک تھے۔ اصحاب کشف وکرامات بزرگوں میں، باطنی حالات میں ان کا بڑا امتیاز مقام تھا، جو بہت مشہور ومعروف اور کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان سے خلق خدا کی ایک بڑی تعداد نے اکتساب فیض کیا جن میں حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی، حضرت شیخ علاء الدین صابر کلیری، حضرت جمال الدین خطیب ہانسوی، حضرت بدرالدین اسحاق دہلوی، رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

شیخ محمد بن مبارک حسین کرمانی نے اپنی کتاب ''سیر الأولیاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے ان سے قرآن شریف کے چھ سپارے، ''عوارف المعارف'' کا کچھ حصہ اور شیخ ابوشکور سالمی کی ''کتاب التمھید'' پڑھی۔ ان کے چند ایک ملفوظات یہ ہیں: اللہ رب العزت کو بڑی شرم آتی ہے کہ بندہ دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور وہ انھیں ناکام واپس کردے، صوفی کو ہر چیز

صاف شفاف نظر آتی ہے اور کوئی بھی چیز اسے مکدر نہیں بناتی۔ صوفی اسے کہتے ہیں جو اس پر خوش ہو جو اس کے پاس ہے اور جو نہیں ہے، اس کی کوشش نہ کرے۔

محمد بن ابراہیم دیبلی مکی

علامہ سمعانی نے ''الأنساب'' میں لکھا ہے کہ ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی نے ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی سے ''کتاب التفسیر''، ابن مبارک کی ''کتاب البر والصلة'' خود مصنف کی روایت سے ابوعبداللہ حسین بن حسن سے روایت کی ہے۔ علاوہ ازیں عبدالحمید بن صبیح سے بھی روایت کرتے ہیں اور خود ان سے ابوالحسن احمد بن ابراہیم بن فراس مکی اور ابوبکر زخزذ بن ابراہیم بن علی بن مقری نے روایت کی ہے۔ مشتبہ النسبۃ میں مذکور ہے کہ ''دیبلی'' سے محمد بن ابراہیم دیبلی کی جانب اشارہ ہے۔ انھوں نے ابوعبداللہ مخزومی حسین بن حسن مروزی اور عبدالحمید بن صبیح سے روایت کی ہے۔ موسیٰ بن ہارون اور محمد بن علی الصائغ صغیر سے روایت حدیث کرنے والے: ابراہیم بن محمد دیبلی کے والد ہیں۔

علامہ حموی نے ''معجم البلدان'' میں ''دیبلی'' کی بابت لکھا ہے کہ راویان حدیث کی ایک بڑی تعداد اس مقام کی جانب نسبت رکھتی ہے، انہی رواۃ میں ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی بھی شامل ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے۔ انھوں نے ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور حسین بن حسن مروزی سے روایت کی۔

''شذرات الذھب'' میں ۳۲۲ھ میں وفات یافتہ شخصیات کے ذیل میں امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں کہ اسی سال محدث مکہ: شیخ ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی کی بھی وفات ہوئی۔ دیبلی سندھ کے نزدیک مقام ''دیبل'' کی طرف نسبت ہے، ان کی وفات ماہ جمادی الاولیٰ میں ہوئی۔ انھیں محمد بن زنبور اور دیگر بہت سے محدثین سے روایت حدیث حاصل ہے۔

''کتاب المؤتلف والمختلف''میں''حرثان وخربان'' کے باب کے تحت مرقوم ہے کہ قاضی ابوعبداللہ اسحاق بن احمد بن خربان نہاوندی نے محمد بن ابراہیم دیبلی وغیرہ سے روایت کی ہے۔

علاوہ ازیں امام ذہبی''تذکرۃ الحفاظ'' کے اندر حافظ ابن حباب قرطبی متوفی ۳۲۲ھ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ اسی سال ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی مکی کی وفات ہوئی۔ نیز حافظ اعمش ہمدانی متوفی ۵۱۲ھ کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ مجھ سے فاطمہ بنت جوہر نے، ان سے ابوزبیدی نے، ان سے ابوالفتح طائی نے، ان سے زین الحفاظ احمد بن نصر نے، ان سے عبدالرحمٰن بن عمرو عطار نے، ان سے مکہ مکرمہ میں احمد بن فراس نے، ان سے محمد بن ابراہیم دیبلی نے، ان سے حسین بن حسن مروزی نے، ان سے محمد بن عدی نے ان سے شعبہ نے اوران سے ابواسحاق نے یہ روایت حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ حضرت براء نے فرمایا:

''أهديت لرسول الله ﷺ حلة من حرير فجعل أصحابه يلمسونها ويتعجبون من لينها، فقال رسول الله ﷺ:مناديل سعد بن معاذ فی الجنة أفضل أوخير مماترون''.

''حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی جوڑا ہدیۃً بھیجا گیا۔ اسے اصحاب رسول چھوکر دیکھنے لگے اوراس کی نرمی اور گداز پن پر حیرت کرنے لگے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں سعد بن معاذ کو جو تولیے دیے گئے ہیں وہ اس جوڑے سے بدرجہا بہتر ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

امام ابن عبدالبر اندلسی نے''جامع بیان العلم'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ہم سے سعید بن نصر اور سعید بن عثمان نے بتایا، ان سے احمد بن دحیم نے، ان سے محمد بن ابراہیم دیبلی نے، ان سے ابوعبداللہ مخزومی نے، ان سے سفیان بن عیینہ نے، ان سے عمرو بن دینار نے اوران سے سعید بن جبیر نے کہ میں نے حضرت عبداللہ

بن عباسؓ سے عرض کیا کہ نوقا بکالی کا کہنا ہے کہ حضرت خضر کے ساتھ جن موسیٰ کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے ان سے بنی اسرائیل کے مشہور نبی حضرت موسیٰ مراد نہیں ہیں۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ جھوٹ کہتا ہے اور کہا کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعبؓ نے حضور اکرم ﷺ کی جانب سے بیان کیا، پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔

محمد بن ابراہیم بیلمانی ہندی

ان سے عبید اللہ بن عباس بن ربیع بحرانی نے روایت حدیث کی ہے، جیسا کہ علامہ حموی نے ''بحران'' کی بابت عبید اللہ بن عباس کے تذکرے میں لکھا ہے۔

محمد بن احمد بن محمد بوقانی سندھی

علامہ سبکیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' میں رقم طراز ہیں کہ ان کا مکمل نام یہ ہے: محمد بن احمد بن محمد بن خلیل بن احمد ابوسعید خلیلی بوقانی۔ ۴۶۷ھ میں ان کی پیدائش ہوئی۔ انھوں نے ابوبکر بن خلف شیرازی سے سماع حدیث کیا اور ان سے عبد الرحیم بن سمعانی نے روایت حدیث کی اور بتایا کہ ان کی وفات اواخر ماہ محرم ۵۴۸ھ کو ''بوقان'' میں ہوئی۔

محمد بن احمد بن منصور بوقانی

انھوں نے حاتم بن محمد بن حبان بُستی متوفی شوال ۳۵۴ھ سے روایت کی ہے؛ چناں چہ امام ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' کے اندر حافظ ابو حاتم ابن حبان بُستی کے حالات میں تصریح کی ہے کہ حافظ ابو حاتم سے حاکم، منصور بن عبد اللہ خالدی، ابو معاذ عبد الرحمٰن بن محمد بن رزق اللہ، ابو الحسن محمد بن احمد بن ہارون زوزنی اور محمد بن احمد بن منصور بوقانی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت حدیث کی۔

محمد بن اسعد بوقانی سندھی

طبقات الشافعیة میں میں علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ ابوسعید محمد بن اسعد بن محمد بوقانی نے فقہ حضرت امام غزالی سے حاصل کی اور واقعۂ غدر ۵۵۶ھ میں حضرت علی بن موسی رضا کے ساتھ شہید کیے گئے۔ ان کا لقب ''سدید'' تھا۔ ابن باطیش نے ان کے حالات قلم بند کیے ہیں۔

ابن باطیش سے مشہور فقیہ، محدث اور لغوی عماد الدین ابوالمجد بن باطیش اسماعیل بن ابوالبرکات ہبت اللہ مراد ہیں۔ یہ کبار علماء و محدثین میں سے تھے اور ''طبقات الفقهاء'' نیز دوسری کتابیں تصنیف کیں۔ جمادی الآخر ۶۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (قاضی)

محمد بن ایوب بن سلیمان کلہی بغدادی

علامہ سمعانی ''الانساب'' میں ''کلہی'' کی بابت لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ابو عبداللہ محمد بن ایوب بن سلیمان بن یوسف بن اشرو سنبذ از عودی کلہی ہیں۔ یہ بغداد آئے جہاں بہ روایت ابومہلب، سلیمان بن محمد بن حسن حسنی بن اعمش سے ایک منکر حدیث بیان کی۔ ان سے ابوبکر محمد بن ابراہیم بن حسن بن شادان بزار نے روایت کی۔

یہ تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ''عودی'' کی نسبت سے عود فروحت کرنے والے کی جانب اشارہ ہے۔ (قاضی)

محمد بن احمد بیرونی سندھی خوارزمی

حموی نے ''معجم البلدان'' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ ان کا پورا نام محمد بن احمد، ابوالریحان البیرونی الخوارزمی ہے۔ بیرون کا مفہوم ''برانی'' آبادی کے باہر رہنے والا ہے کیوں کہ فارسی میں ''بیرون'' ''بر'' کو کہا جاتا ہے۔ حموی نے مزید لکھا ہے کہ میں نے اس نسبت کی بابت بعض اصحاب علم سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ

بیرونی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خوارزم میں بہت کم رہتے تھے اور اہل خوارزم پردیس میں رہنے والے کو "بیرونی" کہا کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ ایک عرصہ تک شہر خوارزم کے بیرون میں رہتے رہے۔ ۴۲۲ھ میں جس وقت سلطان محمود بن سبکتگین غزنوی کی وفات ہوئی اس وقت "بیرونی" شہر غزنہ ہی میں تھے۔ میں نے بیرونی کی کتاب "تقاسیم الاقالیم" اور ایک خط دیکھا ہے جو بیرونی نے اسی سال لکھا تھا۔ محمد بن محمود نیساپوری نے بیرونی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ علوم ریاضی میں بیرونی کو بڑا درک اور کمال حاصل تھا اور وہ سب پر فائق تھا۔ اس سلسلے میں اس کی ہمسری نہ تو تیز رو گھوڑے کر سکتے ہیں اور نہ ہی عمدہ نسل کے دبلے پتلے گھوڑے اس کو پا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی چاروں سمتوں کو اس کے زیر نگیں کر دیا تھا۔ زمین کی بارش کی اونٹنیاں اس کے سبب بلند ہو گئیں اور اس کی پختہ فصلیں اور پھل جھوم اٹھے۔ ستاروں کی پر بہار جگھوں پر اس کا سایہ فگن ہے اور آسمان کے بیچوں بیچ اس کا بادل لہرا رہا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب اس نے "القانون المسعودی" تصنیف کی تو سلطان مسعود بن محمود نے اسے اجازت دی کہ ہاتھی پر چاندی کے سکے لاد کر لے جائے، مگر اس نے عدم احتیاج کا عذر کر کے وہ ساری رقم سرکاری خزانے کو واپس کر دی۔

البیرونی کا گھر نہایت عالی شان تھا، عوام الناس کی نظر میں اس کی عزت وحیثیت مسلم تھی، اس کے باوجود وہ حصول علم میں ہمہ وقت منہمک اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہتا تھا۔ کتابوں کے دروازے کھولتا، ان کی چھوٹی راہوں اور دقیق گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھوں سے قلم کبھی الگ نہ رہتا، اس کی نگاہیں ہمیشہ پڑھنے اور دل غور وفکر میں مشغول رہتیں۔ سوائے نیروز اور مہرجان کے ایام کے، جن میں بیرونی ضروری سامان اور اشیائے خورد کی خریداری میں مصروف ہوتا۔ اس کے علاوہ سال بھر اس کا شعار اور لگاؤ تمام تر علم سے رہتا جس سے مشکل بحثوں کی گرہ کشائی ہوئی اور بہت سے پے چیدہ مسائل کا عقدہ کھلا۔

قاضی کثیر بن یعقوب بغدادی نحوی نے اپنی کتاب ''الستور'' میں یہ روایت فقیہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ الوالجی ذکر کیا ہے کہ فقیہ ابوالحسن نے بیان کیا کہ ایک روز میں ابوریحان بیرونی کے پاس گیا، اس وقت وہ جاں کنی کے عالم میں تھا۔ سانس غرغرارہا تھا اور سینے میں گھٹن ہورہی تھی۔ لیکن اس حال میں بھی اس نے مجھ سے کہا کہ ''جدّات فاسدہ'' کے حصے کی بابت ایک روز آپ نے کیا مسئلہ بتایا تھا، ذرا پھر سے بتا دیجئے۔ میں اس پر ترس کھاتے ہوئے کہا اس حال میں بھی مسئلہ معلوم کرنے کی فکر ہورہی ہے؟ اس پر بیرونی نے جواب میں کہا اگر میں دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ مجھے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا، کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ میں اس سے جاہل رہ کر جاؤں؟ یہ سن کر میں نے وہ مسئلہ دوبارہ بیان کیا، جسے اس نے یاد کرلیا اور مجھے بھی ایک بات بتائی، جس کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد میں اس کے یہاں سے باہر آگیا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ مجھے چیخ سنائی پڑی۔ معلوم ہوا کہ البیرونی کی وفات ہوگئی۔

جہاں تک شاہان عالم کے یہاں اس کی قدر و منزلت اور اہمیت کی بات ہے تو اس سلسلے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ شمس المعالی سلطان قابوس بن وشمیکر نے چاہا کہ البیرونی کو اپنی صحبت و ہم نشینی کے لیے مختص کرلے اور اپنے ہی محل میں اس کی رہائش کا انتظام کردے، نیز یہ بھی کہا کہ میری سلطنت کی حدود جہاں تک ہیں، وہاں تک البیرونی کو مکمل اثر و رسوخ اور اقتدار حاصل ہوگا، مگر البیرونی نے انکار کردیا اور اس کی بات نہ مانی۔ لیکن جب اس کی طبیعت نے اس کو منظور کرلیا تو سلطان قابوس نے اپنے شاہی محل میں اس کی رہائش کا نظم کیا اور اپنے ہمراہ ہی محل میں رکھا۔ ایک روز خوارزم شاہ، اس کے پاس گیا۔ اس وقت وہ گھوڑے پر بیٹھ کر شراب پی رہا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ البیرونی کو اس کے حجرے میں بلایا جائے، البیرونی کو آنے میں ذرا سی دیر ہوگئی تو اس نے کچھ دوسری بات سمجھ کر گھوڑے کی لگام اس کی طرف موڑ دی اور کمرے پر پہنچ کر اترنا ہی چاہتا تھا کہ البیرونی اس سے پہلے ہی کمرے سے باہر نکل آیا اور اس کو خدا کا

واسطہ دے کر کہا جو وہ کرنا چاہتا ہے، نہ کرے اس پر خوارزم شاہ نے درج ذیل شعر پڑھا:

العلم من اشرف الولایات ❁ یاتیه کل الوری و لا یاتی

"علم تمام حکومتوں اور امارتوں سے کہیں بڑھ کر معزز ہے، تمام مخلوق علم کے پاس آتی ہے، وہ خود کسی کے پاس نہیں جایا کرتا"۔

اس کے بعد البیرونی سے کہا کہ اگر دنیا کے رسوم وآداب نہ ہوتے تو میں تمھیں ہرگز نہ بلواتا، اس لیے کہ علم کی شان رفعت و بلندی ہے، نہ کہ پستی و فروتنی۔ ایسا لگتا ہے کہ خوارزم شاہ نے خلیفہ معتضد باللہ عباسی کا وہ واقعہ سن رکھا تھا، جس میں آتا ہے کہ ایک روز معتضد، ثابت بن قرہ حرانی کا ہاتھ پکڑے ہوئے باغ کی سیر کررہا تھا کہ اچانک اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر ثابت نے معلوم کیا کہ امیر المومنین! کیا ہوا؟ معتضد نے جواب دیا کہ میرا ہاتھ تو آپ کے ہاتھ کے اوپر تھا، جب کہ علم کی شان یہ ہے کہ وہ بلند رہے، اس کے اوپر کوئی چیز نہ ہو۔

نیز قاضی کثیر بن یعقوب نے لکھا ہے کہ جب سلطان پیش آمدہ حالات اور اپنی دلی ضروریات کی بابت اپنے مشیران خاص سے گفتگو سے فارغ ہوجاتا تو آسمان اور کواکب کے متعلق اپنے خیالات کے سلسلے میں البیرونی سے تبادلہ خیالات کرتا۔ قاضی موصوف نے اس ذیل میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بلاد ترک کے آخری سرے سے ایک قاصد سلطان محمود غزنوی کے پاس آیا اور سلطان سے بیان کیا کہ اس نے قطب شمالی کی سمت میں سمندر کے عقب میں سورج کے مختلف ہالے بالکل نمایاں اور واضح دیکھے ہیں، یہ سارے ہالے زمین کے اوپر اس طرح سے تھے جیسے رات ختم ہوجاتی ہے۔ یہ سنتے ہی سلطان محمود غزنوی نے حسب معمول دین کی بابت تشدد کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ یہ شخص ملحد اور قرمطی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ابونصر بن مشکان نے کہا قاصد نے یہ بات اس لیے نہیں کہی ہے کہ اس کا یہی عقیدہ ہے، بلکہ اس نے تو اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے اور ارشاد باری پڑھا: "وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا

سِتْرا'' سلطان نے اس کی بابت البیرونی سے معلوم کیا تو اس نے سلطان کو قائل کرنے کی غرض سے اختصار کے ساتھ اس معاملہ کی وضاحت کی۔ اس دوران کبھی کبھار سلطان البیرونی کی بات بڑی توجہ سے سنتا اور انصاف پسندی کا اظہار کرتا۔ الغرض سلطان نے اس کی بات مان لی اور اس وقت سلطان اور البیرونی کی بات ختم ہوگئی۔

لیکن محمود غزنوی کے برعکس اس کے لڑکے مسعود کو علم نجوم سے بڑی دل چسپی اور علوم ومعارف کے حقائق سے بڑا لگاؤ تھا۔ ایک روز سلطان مسعود نے البیرونی کے ساتھ اس مسئلے نیز کائنات میں شب وروز کے اوقات میں اختلاف کے اسباب پر بات چیت کی اور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جب تک مشاہدے کے ذریعہ اس کی صحت ثابت نہیں ہوجاتی، کوئی واضح دلیل اسے معلوم ہوجائے۔ البیرونی نے اس سے کہا اس وقت آپ روئے زمین کے تن تنہا مالک ہیں اور بجا طور پر شہنشاہ کائنات کہے جانے کے حق دار ہیں۔ اس عظیم مرتبے کے ساتھ یہ بات آپ کو زیب بھی دیتی ہے کہ آپ گردش حالات کے اسباب، شب وروز کے احوال اور آبادی وصحرا میں ان کی مقدار میں تبدیلیوں سے علم وواقفیت رکھنے کو ترجیح دیں۔ البیرونی نے مسعود کے لیے شب وروز کے مقدار کی بابت ایک کتاب تصنیف کردی۔ اس کتاب میں اس نے علمائے نجوم کے اصول واصطلاحات سے اجتناب کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کیا ہے جس سے وہ شخص بھی علمائے نجوم کے خیالات کو سمجھ سکے، جو نہ ان اصطلاحات واصول سے مطمئن ہوا اور نہ ہی انھیں کسی خاطر میں لاتا ہو۔ سلطان مسعود بن محمود غزنوی چوں کہ عربی زبان کا ماہر تھا، اس لیے اس نے بڑی آسانی سے اس مسئلے کو سمجھ لیا پھر البیرونی پر خوب خوب نوازشات کیں۔ اسی طرح البیرونی نے سلطان مسعود ہی حکم سے شب وروز کی حرکت وگردش کے لوازم پر بھی ایک کتاب رقم کی۔ یہ کتاب نہایت اہم اور اس فن میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں قرآنی آیات سے بہ کثرت استشہاد کیا ہے۔ علاوہ ازیں ''القانون المسعودی'' نے تو علم نجوم وحساب پر تصنیف کردہ تمام کتابوں کا نام

ونشان مٹادیا۔ ''الدستور'' کے نام سے بیرونی کی ایک اور کتاب ہے، جسے اس نے جامع المحاسن شہاب الدولہ ابوالفتح مودود بن سلطان مسعود شہید کے نام پر لکھا۔

''الستور'' کے مصنف جن کا تذکرہ محمد بن محمود نے کیا ہے، نے لکھا ہے کہ میں نے البیرونی کا ذکر اس موقع سے اس وجہ سے کیا کہ وہ بہت بڑا ادیب اور لغوی تھا۔ اس سلسلے میں اس نے متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً دیوان ابوتمام کی عربی شرح، یہ شرح میں نے اس کے قلم سے لکھی ہوئی دیکھی ہے، مگر ناتمام ہے، **كتاب التعلل باحالة الوهم في معاني نظم اولي الفضل، كتاب تاريخ أيام السلطان محمود واخبار ابيه**، خوارزم شاہ کے حالات پر مشتمل: ''**كتاب المسامرة** اور **كتاب مختار الاشعار والآثار**'' جب کہ علم نجوم، ہیئت، منطق اور حکمت وفلسفہ پر اس کی تصنیفات کا کوئی شمار وقطار نہیں ہے۔ میں نے ''مرو'' کی جامع مسجد میں اس کی کتابوں کی فہرست دیکھی ہے، جو باریک قلم سے ساٹھ صفحات پر محیط تھی۔

نیز قاضی بغدادی نے لکھا ہے کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بتایا کہ البیرونی کے ''غزنہ'' آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلطان محمود غزنوی نے جب خوارزم پر قبضہ کیا تو البیرونی اور اس کے استاذ مشہور فلسفی: عبدالصمد اول بن عبدالصمد دونوں کو گرفتار کرلیا اور عبدالصمد پر قرمطی اور ملحد ہونے کا الزام لگا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی کے ساتھ البیرونی چوں کہ اپنے دور میں علم نجوم کا امام تھا اور بادشاہوں کو اس طرح کے لوگوں کی ضرورت رہتی ہے، اس لیے محمود غزنوی نے اسے قتل نہ کیا اور اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ بعد میں البیرونی ہندوستان آیا اور اہل ہند کے ساتھ رہ کر ان کی زبان بھی سیکھی اور ان کے علوم بھی حاصل کیے۔ بعد ازاں ''غزنہ'' میں سکونت پذیر ہوگیا، جہاں میرے اندازے کے مطابق لمبی عمر پانے کے بعد ۴۰۳ھ کے آس پاس اس کی وفات ہوئی۔ البیرونی نہایت خوش اخلاق اور پاکیزہ خصلت کا مالک تھا، زبان کا پھوہڑ البتہ کردار وعمل کا بہت پاک صاف تھا۔ علم وفہم میں اب تک اس جیسا

کوئی پیدا نہ ہوا۔ شعر بھی کہتا تھا، خواہ شعراء کے طبقہ علیا میں شامل نہ رہا ہو، تاہم بہت اچھا شاعر تھا اور وہ بھی بادشاہوں کی صحبت میں رہ کر۔ چناں چہ البیرونی نے ابوالفتح مودود بن سلطان مسعود غزنوی کی بابت ''کتاب سر السرور'' میں طویل قصیدہ کہا ہے جس کے ابتدائی تین اشعار یوں ہیں:

قضى أكثر الأيام فى ظل نعمة ۞ على رتب فيها علوت كراسيا
فآل عراق قد غذونى بدرهم ۞ ومنصور منهم قد تولّى غراسيا
وشمس المعالى كان يرتاد خدمتى ۞ على نضرة منى وقد كان قاسيا

''میرا اکثر زمانہ حسب مرتبہ عہدوں پر فائز رہ کر عیش وآرام کے سایہ میں گزرا آل عراق نے مجھے ایک درہم کے عوض میرے کھانے کا انتظام کیا اور ان میں منصور (شمس المعالی مجھ سے نفرت اور حقارت قلبی کے باوجود میری خدمت کا خواہاں تھا''۔

ایک شاعر نے البیرونی کو عطیہ دیا، اس پر البیرونی نے شاعر کی بابت جو اشعار کہے، وہ نہایت زور آور اور فصیح و بلیغ ہیں:

يا شاعر اجاء نى يحزى على الادب ۞ وافى ليمدحنى والذم من ادبى
وجدته منارطا فى لحيتى سفها ۞ كلا فلحيته عثنونها ذنبى

''اے وہ شاعر جو اپنے ادب کا اظہار کرنے صرف اس لیے آیا کہ میری تعریف کرے جب کہ مذمت میرا شیوہ اور طریقہ ہے۔ مجھے وہ خشخشی داڑھی والا بے وقوف محسوس ہوا، اس داڑھی کا سرا تو میری دم لگتا ہے'' (۱)۔

ابن ابواصیبعہ نے ''عیون الأنباء فى طبقات الأطباء'' میں البیرونی کی بابت لکھا ہے استاذ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی سندھ کے ایک شہر ''بیرون'' کی طرف منسوب ہیں۔ علم و حکمت میں ہمہ وقت مشغول رہتے اور علوم نجوم و ہیئت کے

---

(۱) حضرت قاضی صاحبؒ نے مختلف مواقع سے تعلق رکھنے والے بعض دوسرے اشعار بھی البیرونی کے حوالے سے نقل کئے ہیں، جنہیں ازراہ اختصار ترک کر دیا گیا ہے۔ (ع، ر، بستوی)

زبردست عالم تھے۔علاوہ ازیں طب وحکمت پر بھی اچھی نظر تھی۔شیخ رئیس بوعلی سینا کے ہم عصر تھے۔ان دونوں کے بیچ بحث ومباحثے اور مراسلت بھی ہوتی رہتی تھی۔ مجھے ان سوالات کی بابت شیخ رئیس کے جوابات ملے ہیں، جو ان سے البیرونی نے کیے تھے۔ان جوابات میں طب وحکمت کے اہم اور مفید امور زیر بحث آ گئے ہیں۔ البیرونی نے ''خوارزم'' میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

بعدازاں، ابن اصیبعه نے البیرونی کی تصنیفات کا ذکر کیا اور آخر میں لکھا ہے کہ البیرونی کی وفات ۴۳۰ھ میں ہوئی۔

تقويم البلدان میں علامہ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ ابن سعید فرماتے ہیں کہ شہر ''البیرون'' کی جانب ابوریحان بیرونی کی نسبت ہے۔یہ سندھ کا ایک بندرگاہی شہر ہے، جہاں فارس سے نکلنے والا کھارے پانی کا جھیل ہے۔

تاريخ آداب اللغة العربية میں مذکور ہے کہ ابوریحان بیرونی متوفی ۴۳۰ھ دور ثالث کا مشہور مسلمان عالم نجوم وریاضیات گزرا ہے۔اس کا نام محمد بن احمد البیرونی ہے، جو سندھ کے ایک شہر ''بیرون'' کی جانب منسوب ہے۔ چالیس سال تک ہندوستان کا سفر کرتا رہا۔اس دوران اس نے اہل ہند کے علوم وفنون پر لکھی اور ترجمہ کی گئی علمی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے علاوہ علمائے ہند کے علوم ومعارف سے بھی واقفیت حاصل کی۔خوارزم میں ایک عرصہ تک مقیم رہا۔اس کو نجوم، ریاضی اور تاریخ سے زیادہ شغف تھا،ان علوم میں اس نے اہم اور بیش قیمت کتابیں ورثے میں چھوڑی ہیں۔ان کتابوں میں، زمانے کی دست برد سے محفوظ کتابیں، جن کا ہمیں علم ہوسکا، درج ذیل ہیں:

۱-الآثار الباقية عن القرون الخاليه: یہ کتاب البیرونی نے امیر شمس المعالی کے لیے تالیف کی۔ اس میں ہر قوم کے اپنے اپنے عہد میں استعمال کرنے کی تاریخوں، تواریخ کے اصول ومبادی کی بابت پائے جانے والے اختلاف، فروع تاریخ: ماہ

وسال سے متعلق اختلافات، اس کے محرکات وعوامل، مشہور ایام جشن ومسرت، اوقات واعمال کے نمایاں ایام نیز ان رسوم سے بحث کی گئی ہے، جن سے ایک قوم اعتنا کرتی تھی، دوسری نہیں۔ گویا یہ کتاب علم توقیع وتقویم کی قبیل سے ہے، جسے فرانسیسی علم کرونو جیا کہتے ہیں۔ اس علم میں، قدیم اقوام کی اصطلاحات میں اختلاف کی بنیاد پر ماہ وسال اور دن پر بھی غور وفکر شامل ہے۔ علاوہ ازیں ماہ وسال کی بابت اشوریوں، یونانیوں کی عہد اسلام اور اس کے بعد تک کی تاریخ بھی داخل ہے۔ نیز اسلامی غزوات، پھر اس پورے عرصے میں ''تقویموں'' کے اندر وقوع پذیر تغیر وتبدیلی، عہد اور شہروں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ، قدیم فارسی مہینوں کے نقشے، اسی طرح عبرانیوں، زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں عربوں، رومیوں، ترکوں اور ہندوستانیوں کی تقویمات سے بھی تفصیل کے ساتھ بحث، ایک کا دوسرے سے تقابل اور ایک قوم کی تقویم سے دوسری قوم کی تاریخ نکالنے، بادشاہوں کے حالات اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تورات میں مذکور حکمرانوں کے عرصۂ حکومت اور اس بابت مختلف اقوال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ عیسائیت سے پہلے اشوری، کلدانی، قبطی اور یونانی بادشاہوں نیز عیسائیت کے بعد کے دور قبل از عہد اسلام کے شاہان ہند، ان شاہان عالم کے مختلف طبقات، اسلام کی آمد کے بعد وفات پانے والے شاہ فارس ''یزدجرد'' تک کے تمام بادشاہوں کی مدت بادشاہت بھی بیان کی گئی ہے۔

اسی طرح کتاب مذکور میں سالوں کے آغاز، ان کی کیفیات، یہود وغیرہ کے یہاں مدعیان نبوت کے حالات، ان کی ماننے والی بت پرست اقوام، عہد اسلام کے مبتدعین، اہل فارس کے میلوں ٹھیلوں، اہل خوارزم کے مذہب ومسلک، ماہ وسال کی بابت مصر کے قبطیوں کے حساب اور کمی بیشی، ان کی ملکیت اور عیسائیوں کے تہواروں اور ان کے مختلف طبقات کے حالات بھی مذکور ہیں۔ اسی طرح مجوسیوں، صابیوں، زمانہ جاہلیت کے عرب اور زمانہ اسلام میں لوگ جو جشن اور تہوار مناتے ہیں، ان کا

بھی تذکرہ موجود ہے، ان سب کے علاوہ ایسی بہت سی باتیں اس کتاب میں مذکور تھے، جو کہیں اور نہیں مل سکتیں۔ انہی خصوصیات کے باعث مشہور جرمن مستشرق عالم: ''سخاؤ'' نے کتاب ہذا کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اصل کتاب ''لیبسک'' میں ۱۸۷۸ھ میں اور اس کا انگریزی ترجمہ لندن میں ۱۸۷۹ھ میں طبع ہوا۔

۲-تاریخ الھند (کتاب الہند) اس موضوع پر عربی زبان میں یہ نادر و نایاب کتاب ہے۔ سخاؤ نے اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اصل کتاب لندن میں ۱۸۸۷ھ میں، جب کہ ترجمہ بھی لندن ہی سے اس کے ایک سال بعد ۱۸۸۸ھ میں شائع ہوا۔

۳-الفھیم لاوائل صناعة التفھیم: ہندسہ (انجینئر نگ) فلکیات اور علم نجوم پر یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ اس کے چند نسخے برلین، آکسفورڈ، برٹش میوزم اور ''زکی پاشا'' کی کتابوں کے ذخیرہ میں مصر میں موجود ہیں۔

۴-القانون المسعودی فی الھیئة والنجوم: البیرونی نے یہ کتاب سلطان مسعود بن محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کی، اور اسی کے نام پر کتاب کا نام بھی رکھا۔ یہ کتاب برلین، برٹش میوزیم اور آکسفورڈ میں موجود ہے۔

۵-اسطرلاب پر ایک رسالہ برلین اور پیرس میں موجود ہے۔

۶-استیعاب الوجوہ الممکنة فی صنعة الاسطرلاب: یہ کتاب برلین، لیڈن اور پیرس میں موجود ہے۔

۷- استخراج الأوتار فی الدائرة بحواص الخط المنحنی فیھا: اس میں علم ہندسہ کے کچھ مسائل مذکور ہیں۔ ان مسائل کی بابت البیرونی کے اپنے کچھ منفرد اسلوب اور طریقہ کار ہیں۔ یہ کتاب لندن میں موجود ہے۔

۸-رسالة فی راسیکات الھند: اس کا ایک نسخہ انڈیا لائبریری لندن میں موجود ہے۔

۹-مبحث فی مبادی العلوم: البیرونی نے اسے فارسی زبان میں لکھا۔ اس کا عربی ترجمہ پیرس میں موجود ہے۔

۱۰-رسالة فی سیر سهمی السعادة والغیب: آکسفورڈ میں یہ کتاب موجود ہے۔
۱۱- کتاب الجماهیر فی معرفة الجواهر: البیرونی نے یہ کتاب ملک معظم سلطان ابوالفتح مودود بن مسعود بن محمود غزنوی کے حکم سے تالیف کی تھی۔ یہ کتاب ''اسکوریال'' اور ''زکی پاشا'' کی کتابوں میں موجود ہے۔

کتاب الہند، لندن میں، القانون المسعودی تین جلدوں میں ۱۳۷۳ھ تا ۱۳۷۵ھ طبع ہوئی۔ کتاب الہند کی طباعت ۱۳۵۵ھ میں اور رسائل البیرونی کی طباعت ۱۳۶۷ھ میں عمل میں آئی۔ ان رسائل میں درج ذیل چار رسائل شامل تھے۔ ۱-رسالة استخراج الاوتار فی الدوائر۔ ۲-رسالة افراد المقال فی امر الظلال۔ ۳-تمهید المستقر لتحقیق معنی المحر۔ ۴- مقالة فی راسیکات الهند۔ یہ سارے رسائل حیدرآباد دکن سے طبع ہوئے۔ (قاضی)

محمد بن حارث بیلمانی ہندی

حافظ ابن حجرؒ نے ''تهذیب التهذیب'' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ محمد بن حارث نے اپنے والد سے اور انھوں نے ابن عمر سے روایت کی اور محمد بن حارث سے محمد بن حارث حارثی نے روایت کی۔ حالاں کہ صحیح یہ ہے کہ محمد بن حارث حارثی نے محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی سے روایت کی ہے۔

محمد بن حسن کشاجم سندھی رملی

ان کا پورا نام یہ ہے: ابوالفتح محمد بن حسن بن سندھی بن شاہک، سندھی رملی مشہور شاعر لقب کشاجم ہے۔ کاف کی تختی میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

محمد بن حسن فخر الدین بن معین الدین سجزی اجمیری

حضرت مولانا عبدالحی حسنی ''نزهة الخواطر'' میں ان کی بابت رقم طراز ہیں:

شیخ صالح محمد بن حسن سجزی فخر الدین بن معین الدین اجمیری، ہندوستان کے مشہور ترین شیخ طریقت اور بزرگ۔ ان کی ولادت اور نشو ونما شہر "اجمیر" میں ہوئی۔ علم وادب اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا اور ان کے بعد طریقت اور ارشاد وسلوک کی جلیل القدر ذمے داری سنبھالی۔ یہ نہایت قناعت پسند، پاک سیرت، دین دار اور پرہیز گار تھے۔ ریاست اجمیر کے ماتحت ایک گاؤں "مانڈل" کی بنجر زمین کو قابل کاشت بنا کر، کھیتی باڑی کی، جس سے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کرتے تھے۔ "اخبار الأخیار" کی روایت کے مطابق، اپنے والد کی وفات کے بیس سال بعد تک بہ قید حیات رہے۔ "خزینۃ الاولیاء" کے مطابق ان کی وفات ۶۵۳ھ میں ہوئی۔ جب کہ "گلزار ابرار" میں ان کی تاریخ وفات پانچ شعبان ۶۶۱ھ مذکور ہے۔

محمد بن حسین بن دیبلی شامی

علامہ ابن الجزری نے "غایۃ النہایۃ" میں لکھا ہے کہ ابو بکر محمد بن حسین بن محمد دیبلی شامی قراءت وتجوید کے عالم اور ثقہ تھے۔ انھوں نے قراءت ہارون اخفش کے دو تلامذہ: محمد بن نصیر معروف بہ ابن ابو حمزہ اور جعفر بن حمدان معروف بہ ابن ابوداؤد سے عرضاً پڑھی۔ ان سے حافظ ابو الحسن علی بن دار قطنی اور عبد الباقی بن حسن نے روایت کی۔

صاحب سوانح شیخ محمد بن حسین، چوتھی صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے ایک استاذ ابن ابوداؤد نیسا پوری مؤدب نزیل دمشق کی وفات ۳۳۹ھ میں ہوئی۔ (قاضی)

حاکم قندابیل: محمد بن خلیل

عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد بن برمک جب سندھ کا گورنر ہوا تو امیر المومنین معتصم باللہ عباسی نے سرحدی علاقوں کی گورنری کا پروانہ اس کے نام لکھ دیا۔

اس نے یہ فرمان ملتے ہی ''قیقان'' کا رخ کیا، جہاں زوطی (جاٹ) رہتے تھے۔ ان سے جنگ کی اور فتح حاصل کی۔ البیضاء کے نام سے ایک شہر بسایا اور اسے فوجی چھاؤنی بنا دیا۔ قیقان سے ''منصورہ'' اور منصورہ سے چل کر پہاڑ پر واقع شہر ''قندابیل'' پہنچا۔ اس شہر پر محمد بن خلیل قابض تھا۔ اس نے محمد بن خلیل سے جنگ کر کے یہ شہر فتح کر لیا اور شہر کے معززاور سربرآوردہ افراد کو ''قصدار'' منتقل کر دیا۔ جیسا کہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں تصریح کی ہے۔ لگتا ہے کہ عمران کی پیدائش اور نشوونما سندھ ہی میں ہوئی تھی۔

محمد بن رجاء سندھی نیساپوری

خطیبؒ نے ''تاریخ بغداد'' میں تحریر کیا ہے کہ ابوعبداللہ محمد بن رجاء سندھی نیساپوری کے والد ماجد محمد بن محمد ''اسفرائن'' کے رہنے والے تھے۔ انھیں نضر بن شمیل اور مکی بن ابراہیم سے سماع حدیث حاصل ہے۔ اور خود ان سے ان کے صاحب زادے: محمد، ابراہیم اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے روایت حدیث کی۔ حج سے واپسی میں بغداد آئے اور حدیث کا درس دیا۔ بغداد میں ان سے اہالیان بغداد بالخصوص ابوبکر بن ابوالدنیا قرشی اور احمد بن بشر مرشدی نے روایت حدیث کی۔

خطیب فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن محمد بن عبداللہ بن بشر، ان سے معدل نے، ان سے حسین بن صفوان بروعی نے، ان سے عبداللہ بن ابوالدنیا نے، ان سے محمد بن رجاء سندھی نے، ان سے نضر بن شمیل نے، ان سے شعبہ نے اور ان سے عدی بن ثابت نے بیان کیا۔ عدی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے سنا وہ بہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے تھے:

''جعل جبريل يدس الطين في فيّ فرعون من أجل قوله : لا اله إلا الله''

''حضرت جبریل فرعون کے منہ میں مٹی ٹھوس رہے تھے کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہے''۔

خطیب کہتے ہیں کہ ابن بشران نے ہم سے یہ روایت اسی طرح موقوفاً ہی بیان کیا۔ جب کہ اسحاق بن راہویہ اور حمید بن زنجویہ نے یہ روایت نضر بن شمیل اسے مرفوعاً روایت کی ہے۔ ابن بشران کی طرح وکیع نے بھی یہ روایت شعبہ موقوفاً ہی روایت کیا ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن احمد بن یعقوب نے، ان سے محمد بن نعیم ضبی نے، ان سے ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ صفار نے املاءً بیان کیا۔ ضبی اور صفار دونوں نے بتایا کہ ہم سے محمد بن رجاء سندھی نے بیان کیا کہ ان سے نضر بن شمیل نے یہ روایت ہشام بن عروہ عن أبیہ عن عائشہ رضی اللّٰہ عنہا عن النبی ﷺ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کلکم راعٍ وکلکم مسؤل عن رعیتہ" تم میں ہر ایک حاکم اور ہر ایک اپنی رعیت کا جواب دہ ہے۔

مزید لکھا ہے کہ میں نے حافظ ابوعلی سے سنا انھوں نے بتایا کہ محمد بن رجاء سندھی نے حج کیا اور حدیث مذکور بغداد میں بیان فرمائی۔ جب واپس گھر پہنچے اور اپنی یادداشت پر نظر ڈالی تو اس میں حضرت عائشہؓ کا نام تحریر نہیں تھا، اس لیے انھوں نے اہل بغداد کو تحریری طور پر اس کی اطلاع دی۔ ابراہیم نے مزید بیان کیا کہ میں نے محمد بن محمد بن احمد معدل سے یہ روایت حافظ محمد بن عبداللہ بن محمد نیساپوری پڑھا، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حافظ ابوعبداللہ محمد بن یعقوب سے سنا انھوں نے کہا کہ رجاء سندھی، ان کے لڑکے: ابوعبداللہ اور پوتے ابوبکر، تینوں ثقہ اور ثبت ہیں۔

محمد بن زکریا صدرالدین ملتانی

نزھۃ الخواطر میں ان کی بابت لکھا ہے شیخ امام زاہد، عابد قدوہ، حجت حضرت محمد بن زکریا شیخ الاسلام صدرالدین قرشی، اسدی ملتانی کا شمار مشہور اولیائے کرام میں

ہوتا ہے۔ ان کی ولادت ''ملتان'' میں ہوئی اور وہیں حد درجہ احتیاط، پاک دامنی، عبادت گزاری اور کھانے پینے میں کفایت شعاری کے ساتھ پرورش ہوئی۔ وہ آخر تک اسی روش پر قائم رہے۔ اپنے والد کے نہایت نیک وصالح جانشین پرہیز گار، عبادت گزار، بہ کثرت روزہ رکھتے، شب بیدار، ہر وقت اور ہر حال میں ذکر خداوندی میں رطب اللسان، ہر حال میں اس سے لو لگائے رکھتے، اس کی حدود، اوامر اور منہیات پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ دنیا سے ان کی بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ والد کے ترکے میں سے جو کچھ ان کے حصہ میں آیا، وہ سب راہ خدا میں لٹا دیا۔ اس ترکے میں مکانات، کپڑوں، برتنوں، ساز وسامان اور زمین جائیداد کے علاوہ ستر لاکھ اشرفیاں بھی ملی تھیں۔ مگر انھوں نے یہ سارا مال، غرباء ومساکین اور دیگر مستحقین میں تقسیم کر دیا اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھا، سوائے ان کپڑوں کے جو ان کے اور ان کے اہل خانہ کے بدن پر تھے۔ اس پر ان کے کسی مرید نے عرض کیا کہ آپ کے والد محترم نے تو سونے، چاندی، گھوڑے، گائے، بیل اور مکانات وغیرہ جمع کئے تھے، لیکن آپ ایک ہی دن میں سب کا سب گنوا بیٹھے اور کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ یہ بات سن کر آپ ہنس پڑے اور پھر کہا کہ میرے والد محترم دنیا پر غالب تھے، اس لیے دنیا ان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی تھی، لیکن مجھے ابھی یہ مقام حاصل نہیں ہوا ہے، مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں دنیا میرے اوپر نہ غالب آ جائے۔ لہٰذا سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیا۔

شیخ ضیاء الدین نے آپ کے تمام ملفوظات ایک کتاب میں جمع کر دیے ہیں، جس کا نام ''کنوز الفوائد'' ہے۔ شیخ حسن بن عالم حسینی نے ''نزهة الأرواح'' میں اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے۔ محمد بن زکریا ملتانی سے شیخ جمال الدین اچی، شیخ احمد بن محمد قندھاری، شیخ علاء الدین خجندی، شیخ حسام الدین ملتانی اور ان کے لڑکے: ابوالفتح رکن الدین نیز بہت سے دوسرے علماء ومشائخ نے اکتساب علم وفضل کیا۔

حضرت محمد بن زکریا ملتانی کی چند نصائح درج ذیل ہیں: ارشاد باری ہے ''یا ایها

الذين آمنوا اذكروا الله ذكراً كثيراً'' کے تحت فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتے اور اسے خوش قسمت بنانا چاہتے ہیں تو اسے دل کی ہم آہنگی کے ساتھ زبان سے بھی پابندی کے ساتھ ذکر کی توفیق ارزانی فرمادیتے ہیں اور ذکر باللسان سے ترقی دے کر ذکر بالقلب کے مرتبے تک پہنچادیتے ہیں، کہ اگر زبان کبھی ذکر سے خاموش ہوجائے تو دل خاموش نہیں رہتا۔ اسی ذکر کو ''ذکر کثیر'' کہا جاتا ہے۔ لیکن بندے کو یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اس نفاق خفی سے بالکل پاک صاف ہوجائے جس کی جانب حضور اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد: ''أكثر منافقي أمتي قراؤها'' میری امت کے بیشتر منافق، قراء ہوں گے سے، اشارہ فرمایا ہے۔ اس سے مراد غیر اللہ سے تعلق اور غیر اللہ سے لولگانے کا نفاق ہے۔ جب بندے کو ناجائز پھر ناپسندیدہ باتوں سے ظاہری کنارہ کشی کی توفیق دی جاتی اور گندے اخلاق اور برے خیالات سے اس کے دل کو پاک ومنزہ کردیا جاتا ہے، تب اس کے قلب میں ذکر الٰہی کا نور ضوفشاں ہوتا ہے۔ تا آں کہ اس کا ذکر اس ذات باری کے مشاہدے سے بہرہ ور ہوجاتا ہے، جس کے ذکر میں وہ مشغول رہتا ہے۔ یہی وہ مقام بلند اور نعمت عظمیٰ ہے جس کے حصول کی خاطر ہر قوم کے اصحاب بصیرت اور ارباب عزم وہمت ہمہ وقت کوشش کرتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

محمد بن زیاد، ابن الاعرابی سندھی کوفی لغوی

علامہ ابن خلکان اپنی مشہور ومعروف تاریخ میں ان کی بابت فرماتے ہیں کہ ابوعبداللہ محمد بن زیاد معروف بہ ابن الاعرابی کوفی عالم لغت، بنی ہاشم کے غلاموں میں سے تھے۔ کیوں کہ یہ عباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے غلام تھے۔ ان کے والد: زیاد سندھی غلام تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ بنو شیبان کے غلام تھے۔ مگر پہلی روایت صحت سے زیادہ قریب ہے۔ ابن الاعرابی کی

آنکھ بھینگی تھی، اشعار عرب کے معتبر راوی، انساب کے مستند عالم اور عربی زبان دانی کے حوالے سے دنیا بھر میں چند مشہور ترین علمائے لغت میں سے ایک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اہل کوفہ میں ایسا کوئی دوسرا شخص نہ تھا، جس کی روایت ابن الاعرابی کی بہ نسبت اہل بصرہ سے زیادہ ہم آہنگ و مماثل ہو۔ ابن الاعرابی، مفضل بن محمد ضبی کے پروردہ تھے۔ ان کی ماں نے مفضل سے شادی کر لی تھی۔ ابن الاعرابی نے زبان وادب کا علم، ابومعاویہ ضریر، مفضل ضبی، قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود جنھیں خلیفہ مہدی نے منصب قضاء پر فائز کیا تھا اور امام کسائی سے حاصل کیا۔ جب کہ ابن الاعرابی سے ابراہیم حربی، ابوالعباس ثعلب اور ابن السکیت وغیرہ نے پڑھا۔ ابن الاعرابی نے کئی ایک علمائے لغت سے بحث ومباحثہ کر کے انھیں لاجواب کیا اور بہت سے ناقلان لغت کی تغلیط کی۔ غریب الفاظ کی بابت ابن الاعرابی امام مانے جاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ابوعبیدہ اور اصمعی دونوں کو ہی زبان اچھی نہیں آتی۔ نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ کلام عرب میں ضاد اور ظاء کے درمیان تعقیب جائز ہے۔ لیکن کبھی کبھی ضاد کی جگہ ظاء اور ظاء کی جگہ ضاد پڑھنے کے سبب مفہوم غلط ہو جاتا ہے اور استشہاد میں یہ شعر پڑھا کرتا تھا:

إلى الله أشكو من خليل أوده ۞ ثلاث خلال كلها لي غائض

”میں اس دوست کی تین عادتوں کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں، یہ تینوں عادتیں مجھے غصہ دلانے والی ہیں“۔

ابن الاعرابی ”غائض“ ضاد سے پڑھتے اور کہتے کہ فصحائے عرب سے میں نے اسی طرح سنا ہے۔ ابن الاعرابی کی مجلس میں اکتساب علم کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی، جنھیں وہ املاء کراتے۔ ابوالعباس ثعلب کا بیان ہے کہ میں نے ابن الاعرابی کی مجلس دیکھی، اس میں کم وبیش ایک سو لوگ شریک ہوتے تھے۔ یہ لوگ اس سے پڑھتے اور دریافت کرتے تھے اور وہ بغیر کتاب کے انھیں پڑھاتے

اور جواب دیتے جاتے۔ نیز بیان کرتے ہیں کہ دس سال سے زیادہ عرصے تک میں ابن الاعرابی کی صحبت میں رہا مگر میں نے اس پورے عرصے میں کبھی بھی ان کے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھی۔ جب کہ میں نے دیکھا کہ اس نے اس عرصے میں جتنی باتیں دوسروں کو املاء کرائیں، اگر املاء کردہ ان یادداشتوں کو یک جا کیا جائے تو کئی ایک اونٹوں کے بار کے برابر ہو جائیں گی۔ اشعار کے سلسلے میں تو ان سے بڑا عالم کسی نے کبھی نہ دیکھا۔ ایک روز اس نے دیکھا کہ ان کی مجلس میں دو آدمی بحث ومباحثہ کرر ہے ہیں تو انھوں نے ایک سے معلوم کیا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے بتایا ''اسبیجاب'' کا دوسرے سے بھی یہی معلوم کیا تو اس نے کہا اندلس کا اس پر از راہ حیرت واستعجاب ابن الاعرابی نے یہ شعر پڑھا:

نزلنا علی قیسیة یمنیة ❁ لها نسب فی الصالحین هجان

فقالت وارخت جانب الستر بیننا ❁ لآیة ارض ام من الرجلان

فقلت لها: اما رفیقی فقومه ❁ تمیم واما اسرتی فیمانی

رفیقان شتی الّف الدهر بیننا ❁ وقد یلتقی الشتی فیأتلفان

''ہم لوگوں کا گزر قبیلہ قیس کی ایک خاتون کے پاس سے ہوا، جو نیکوں میں عمدہ نسب کی مالک ہے۔ اس نے ہمارے درمیان پردہ کا آڑ کر کے کہا! یہ دونوں آدمی کون ہیں اور کس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں؟ میں نے اس سے کہا رفیق سفر کی قوم کا تعلق قبیلہ تمیم سے ہے اور میرا خاندان یمنی ہے۔ دو مختلف جگہوں کے دوستوں کو زمانہ نے یک جا کر دیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مختلف چیزیں مل کر باہم مربوط ہو جاتی ہیں''۔

محمد بن زیاد ابن الاعرابی کے امالی میں سے یہ اشعار بھی ہیں، جنہیں ابوالعباس ثعلب نے روایت کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ ابن الاعرابی نے ہمیں پڑھ کر سنایا:

سقی اللّٰه حیاً دون بطنان دارهم ❁ وبورك فی مُرْدٍ هناك وشِیْبِ

وإنی وإیاهم علی بعد دارهم ❁ کخمر بماء فی الزجاج مشوب

"اللہ تعالیٰ نشیبی زمین کو چھوڑ کر سارے اور قبیلہ کو سیراب کرے، وہاں کے جوانوں اور بوڑھوں کی عمر میں برکت دے۔ وطن کی دوری کے باوجود میری ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سیشی میں پانی اور شراب"۔

ابن الاعرابی کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱- کتاب النوادر، یہ ضخیم اور بڑی کتاب ہے۔

۲- کتاب الانوار
۳- کتاب صفۃ النخل
۴- کتاب صفۃ الزرع
۵- کتاب النبات
۶- کتاب الخیل
۷- کتاب تاریخ القبائل
۸- کتاب معانی الشعر
۹- کتاب تفسیر الامثال
۱۰- کتاب الالفاظ
۱۱- کتاب نسب الخیل
۱۲- کتاب نوادر الزبیرین
۱۳- کتاب نوادر بنی فقعس
۱۴- کتاب الذباب وغیرہ

ابن الاعرابی کے حالات وواقعات، نوادر اور امالی بہت ہیں۔ ثعلب کا بیان ہے کہ میں نے ابن الاعرابی سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ جس شب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی، اسی شب میری پیدائش ہوئی۔ یعنی رجب ۱۵۰ھ میں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام اعظمؒ کی وفات جیسا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے ۱۳ر شعبان ۲۳۱ھ میں مقام "سُرّ من رأی" میں ہوئی۔ بعض روایات میں آپ کی وفات کی تاریخ ۲۳۰ھ مذکور ہے۔ مگر پہلی روایت صحیح ہے۔ نماز جنازہ قاضی احمد بن ابوداؤد ایادی نے پڑھائی۔

اعرابی، اعراب کی جانب منسوب ہے۔ ابوبکر محمد بن عزیز سجستانی معروف بہ عزیزی نے اپنی اس کتاب میں جس میں قرآن کریم کے غریب الفاظ کی تفسیر وتشریح کی ہے، لکھا ہے کہ رجل اعجم اور رجل اعجمی دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے۔ جب کہ

اس شخص کی زبان میں عجمیت ہو خواہ اس کا تعلق عربوں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح رجل عجمی، عجم کی طرف منسوب ہوتا ہے، چاہے وہ شخص فصیح و بلیغ عربی زبان پر کتنا ہی قادر ہو۔ اور اگر کوئی شخص بدوی ہو چاہے اہل عرب میں سے نہ ہو، اسے اعرابی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح رجل عربی اہل عرب کی جانب منسوب ہے چاہے، وہ بدوی نہ ہو۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں تصریح کی ہے کہ محمد بن زیادہ ابوعبداللہ مولی بنو ہاشم معروف بہ ابن الاعرابی عظیم لغوی عالم تھے، پوری دنیا میں چند گنے چنے علمائے لغت میں ان کا شمار تھا۔ لغت دانی میں مرجع و مصدر تھے، انھیں لغات بہت یاد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اہل کوفہ میں ایسا کوئی عالم نہ تھا، جو ابن الاعرابی سے زیادہ اہل بصرہ کی روایت سے قریب اور مشابہ ہو۔ ابن الاعرابی کا خیال تھا کہ اصمعی اور ابوعبیدہ کو اچھی اور فصیح عربی زبان بالکل نہیں آتی تھی۔ ابن الاعرابی نے شیخ ابو معاویہ ضریر سے راویت کی اور ابن الاعرابی سے ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق حربی، ابوالعباس ثعلب، ابوعکرمہ ضبی اور ابوشعیب حرانی نے روایت کی۔

نیز لکھا ہے کہ ابن الاعرابی ثقہ تھے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن ابوبکر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابوجعفر احمد بن یعقوب بن یوسف اصبہانی نحوی نے ذکر کیا کہ جہاں تک ابوعبداللہ محمد بن زیاد اعرابی کی بات ہے تو ان کا وہی انداز تھا جو اس سے پہلے کبار محدثین، دیگر علماء اور فقہا کا رہا ہے۔ ابن الاعرابی کو لغات، جنگوں اور انساب کا سب سے زیادہ علم تھا۔ مجھ سے ابوعبداللہ بن عرفہ اور بعض دوسرے علماء نے بتایا کہ ابوالعباس بن یحییٰ نے بیان کیا کہ مجھ سے ابن الاعرابی نے ذکر کیا اور کہا احمد! تمہارے آنے سے پہلے میں نے ان لوگوں کو ایک اونٹ کے بوجھ کے بہ قدر باتیں املاء کرائیں۔ ابوالعباس کا مزید بیان ہے کہ لغات اور حفظ لغات کا علم ابن الاعرابی پر ختم ہو گیا۔ ابوجعفر قحطبی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ابن الاعرابی کی وفات ہو گئی اور ہم ان کی کتابیں خریدنے کی غرض سے گئے تو ہم نے دیکھا

کہ ان کی ساری کتابوں میں فتحہ کے علاوہ کوئی دوسرا اعراب نظر نہ آیا۔

الگ الگ کاغذات اور بوسیدہ ٹکڑوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ کبھی ابن الاعرابی کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی، ابن الاعرابی نہایت ثقہ اور معتبر تھے۔

خطیب ہی کا بیان ہے کہ ابوداؤد نے ابن الاعرابی سے معلوم کیا کہ کیا آپ کے علم میں یہ ہے کہ ''استولیٰ'' استویٰ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے؟ کہا میرے علم میں نہیں ہے۔ ابوداؤد کے حوالے سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا ایک روز ہم ابن الاعرابی کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا ابوعبداللہ! ارشاد خداوندی ''الرحمٰنُ علی العرشِ استوی'' کا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں جیسا کہ اس نے خود ہی اس آیت میں بتایا ہے۔ اس شخص نے کہا ابوعبداللہ! ایسا نہیں ہے، بلکہ استوی کا مفہوم ''استولیٰ'' ہے۔ اس پر ابن الاعرابی نے کہا خاموش! تمھیں اس کے بارے میں کیا علم؟ اہل عرب کسی کی بابت ''استولی علی الشی'' اسی وقت کہتے ہیں جب اس کا کوئی مدمقابل بھی ہو۔ ان دونوں میں غالب آجائے اس کے لیے ''استولی علیه'' کہا جاتا ہے۔ جب کہ حق تعالیٰ کا کوئی مدمقابل حریف نہیں ہے۔ وہ تو اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اس نے خود ہی بتایا ہے۔ استیلاء کا لفظ تو ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے بعد ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن الندیم ''الفہرست'' میں رقم طراز ہیں کہ ابوالعباس ثعلب کا بیان ہے کہ میں نے ابن الاعرابی کی مجلس دیکھی ہے۔ اس میں تقریباً ایک سو لوگ شریک ہوتے تھے۔ ابن الاعرابی سے یہ لوگ پڑھتے اور سوالات بھی کرتے تھے اور وہ بغیر کسی کتاب کے دیکھے جوابات دیتے۔ میں دس سال سے زیادہ عرصے تک ابن الاعرابی کی خدمت میں رہا، مگر ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ ابن الاعرابی کا انتقال مقام ''سُرَّ من رأی'' میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال سے تجاوز کر گئی تھی۔ ابوالعباس کہتے ہیں کہ ابن الاعرابی نے لوگوں کو اتنی باتیں املاء کرائی

ہیں کہ انھیں اگر یک جا کر دیا جائے تو کئی اونٹوں کے اوپر لاد کر لے جائی جائیں گی۔ اشعار میں تو ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا نظر آیا ہی نہیں۔ انھی کا بیان ہے کہ ابن الاعرابی نے قاسم بن معن سے پڑھا اور مفضل بن محمد سے سماعاً پڑھا۔ ابن الاعرابی بیان کرتے تھے کہ وہ مفضل کے پرورش کردہ ہیں جن سے میری ماں نے بعد میں نکاح کر لیا تھا اور یہ کہ میں نے ابن الکوفی کے خط میں پڑھا۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ ثعلب نے بیان کیا کہ میں نے ۲۲۵ھ میں ابن الاعرابی سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ جس شب میں امام ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی، اسی شب میں میری پیدائش ہوئی۔ اعرابی کی وفات ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ کل عمر اکیاسی سال چار ماہ اور تین دن ہوئی۔

حموی نے ''معجم البلدان'' میں ابن الاعرابی کی بابت لکھا ہے کہ ابو عبداللہ محمد بن زیاد معروف بہ ابن الاعرابی، بنو ہاشم کے غلام تھے، کیوں کہ عباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب کے موالی میں سے تھے۔ ان کے والد: زیاد سندھی نژاد غلام تھے۔

علامہ ابن العماد حنبلی نے ابن الاعرابی کی بابت ''شذرات الذھب'' میں لکھا ہے کہ عربی زبان دانی ابن العربی پر ختم تھی۔ ابن الاہدل نے لکھا ہے کہ ابن الاعرابی بنو عباس کے غلام تھے۔ انھوں نے ابو معاویہ ضریر اور امام کسائی سے اکتساب علم کیا۔ ابن الاعرابی سے حربی، ثعلب اور ابن السکیت نے علم حاصل کیا۔ ابن الاعرابی نے متقدمین پر استدلال کیا۔ ان کی دس سے زیادہ کتابیں ہیں، انھی میں سے کتاب النوادر، کتاب الخیل، کتاب تفسیر الامثال اور کتاب معانی الشعر ہے۔ ان کی مجلس میں ایک سو اہل علم استفادے کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ ثعلب کا بیان ہے کہ میں نے اسحاق موصلی کی لغات عرب کے ایک ہزار اجزاء دیکھے، جو سب کے سب ابن الاعرابی سے انھوں نے سنے تھے اور یہ کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا، جس کے گھر میں لغت عرب، اسحاق موصلی، پھر ابن الاعرابی کے گھر سے زیادہ ہو۔

استاذ احمد امین نے ''ضحی الاسلام'' میں لکھا ہے کہ ہندی الاصل مشہور علمائے لغت میں سے ایک ابن الاعرابی ہیں۔ان کے والد زیاد سندھی غلام تھے۔ ابن الاعرابی لغت، ادب عربی اور اشعار عرب کے علمائے اعلام میں سے ایک تھے۔ انھوں نے لوگوں کو اتنی باتیں املاء کرائیں کہ اگر انھیں یک جا کیا جائے تو کئی اونٹ پر لادی جائیں گی۔علاوہ ازیں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ بہت سے اہل علم نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا۔جن میں سب سے زیادہ مشہور ثعلب اور ابن السکیت ہیں۔مگر ابن الاعرابی کی کچھ ہی کتابیں ہم تک پہنچ سکیں جو یہ ہیں: کنویں کے ناموں اور صفات پر ایک کتاب، گھوڑوں کے نالوں اور ان کے نسب پر ایک کتاب، نیز ان کی ایک کتاب ''کتاب الانوار'' ہے۔

احمد امین نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ اہل کوفہ میں طبقہ قراء سے تعلق رکھنے والوں میں ایک محمد بن زیاد معروف بہ ابن الاعرابی بھی ہیں۔ان کے والد ''اعرابی'' نہ تھے جیسا کہ ''ابن الاعرابی'' سے سمجھ میں آتا ہے، بلکہ سندھی غلام تھے۔ان کا لقب ''ابن الاعرابی'' اس لیے پڑا کہ اہل عرب کسی بھی ایسے شخص کو جو بدوی ہو خواہ عربی نہ ہو ''رجل اعرابی'' کہہ دیا کرتے ہیں۔اسی طرح ''رجل عربی'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اہل عرب میں سے ہو، خواہ بدو ہی کیوں نہ۔ ابن الاعرابی علم نحوم میں بہت مشہور ہیں یہ عربی زبان کے کبار ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ عربی اشعار کے بہت بڑے راوی تھے۔ان کا حافظہ بڑا زبردست تھا، جیسا کہ اصمعی کا بیان ہے۔

محمد بن عبداللہ سندھی بصری

ابوالحسن محمد بن عبداللہ سندھی بصری سے ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن جعفر بن محمد بصری کلائی نے روایت کی۔

حموی نے ان کا تذکرہ شہر بصرہ کے ایک محلے اور مارکیٹ ''کلاء'' کے ضمن

میں کیا ہے۔اس کے علاوہ راقم سطور کو ان کی بابت کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ اندازہ ہے کہ یہ تیسری صدی ہجری کے تھے۔ (قاضی)

محمد بن عبداللہ دیبلی شامی ابوعبداللہ زاہد

علامہ ابن الجوزی نے "صفة الصفوة" میں لکھا ہے کہ "دیبل" کے چیدہ وچنیدہ لوگوں میں سے ابوعبداللہ دیبلی بھی ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ ہم سے محمد بن ابومنصور نے، ان سے حسین بن احمد فقیہ نے، ان سے ہلال بن محمد نے، ان سے جعفر خلدی نے، ان سے احمد بن مسروق نے اور ان سے محمد بن منصور طوسی نے بیان کیا کہ میں نے سنا کہ ابوعبداللہ دیبلی فرما رہے تھے کہ مجھ سے بعض احباب نے بات کی اور کہا کہ میں اپنے اہل خانہ کے لیے کوئی گھر خرید لوں۔ چناں چہ میں نے ایک گھر خرید لیا۔ اللہ رب العزت نے مجھے "طی الأرض" کی نعمت دے رکھی تھی۔ لیکن کچھ دنوں بعد میرے بازو کاٹ دیے گئے، میرے ایک دوست نے آج شب فلاں جگہ، یہاں سے اتنی مسافت پر کھجور کا گچھا بھیجا۔ میں نے ان کے پاس یہ پیغام بھیج دیا کہ میرا بازو کاٹ دیا گیا ہے، لہٰذا میرے لیے دعا کریں۔ اس کے بعد انھوں نے کٹی ہوئی جگہ سے جوڑ بھیجا، میں نے اسے لوٹا دیا اور اسے پھاڑ دیا اور اللہ تعالی نے میری سابقہ حالت بحال کر دی۔

علامہ ابن الجزری نے "غاية النهاية في طبقات القراء" میں لکھا ہے کہ محمد بن عبداللہ ابوعبداللہ دیبلی نے علم قراءت جعفر بن محمد بن سقیط سے عرضاً وقراءۃً حاصل کیا اور حروف کی روایت، عبدالرزاق بن حسن اور سکن بن بکرویہ سے کی۔

سبکی نے "طبقات الشافعية" میں علی بن محمد دیبلی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ میں نے ان کی کتاب کے بعض نسخوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا کہ وہ "سبط المقری" ہیں جب کہ اہل دیبل کے یہاں "المقری" کے لقب سے دو آدمی مشہور ہیں: مقرئ شام ابوعبداللہ دیبلی اور احمد بن محمد رازی۔ یہ دونوں ہی تیسری صدی ہجری کے آس پاس کے

ہیں مگر شاید سبط المقری میں المقری سے ابوعبداللہ دیبلی ہی مراد ہیں۔

محمد بن سندھی مکی

محمد بن سندھی مکی، مشہور مغنی: اسحاق موصلی کے معاصر تھے اور خود بھی مغنی اور شاعر تھے۔ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب ''الأغانی'' میں درج ذیل اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اشعار محمد بن سندھی مکی کے ہیں، جنہیں اس نے اسحاق موصلی کی موجودگی میں ترنم کے ساتھ پڑھ کر سنایا تھا۔ تو اسحاق نے اس سے حاصل کیا:

يا ابا الحارث! قلبي طائر ۞ فاستمع قول رشيد موتمن

ليس حب فوق ما احببتكم ۞ غير ان اقتل او أُسْجَن

حسن الوجه، نقي لونه ۞ طيب النشر، لذيذ المحتضن

''ابوالحارث! میرا دل پرندہ ہے، سو تم ایک نیک امانت دار شخص کی بات بغور سنو۔ تمہاری محبت کے بعد میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں کہ میں قتل ہو جاؤں یا دیوانہ۔ چہرہ حسین، رنگ صاف ستھرا، خوشبو پاکیزہ اور گود الذیذ''۔

صاحب تذکرہ دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ (قاضی)

محمد بن عثمان لاہوری جوزجانی

''نزهة الخواطر'' میں ان کی بابت لکھا ہے: شیخ فاضل محمد بن عثمان بن ابراہیم بن عبدالخالق جوزجانی امام سراج الدین بن منہاج الدین فقہ اور دوسرے علوم عربیہ میں باکمال عالم تھے۔ ان کی پیدائش ''لاہور'' میں اور نشو و نما ''سمرقند'' میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے دور کے اساتذہ علم و فن سے اکتساب علم کیا۔ بعد میں امراء و حکام سے قریب ہو گئے۔ چناں چہ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۳ھ میں لاہور میں فوج کی قضا کا عہدہ انھیں دیا، جس پر یہ کئی سال تک فائز رہے ۵۸۹ھ میں بہاء الدین

سام بن محمد بامیانی نے انھیں ''بامیان'' طلب کر کے قاضی القضاۃ کا منصب تفویض کیا اور بامیان کے مدرسین کا نگراں مقرر کیا۔ نیز جملہ شرعی منصب: خطابت، احتساب اور قضاء وغیرہ انھیں تفویض کر دیے۔ ان کا تذکرہ ان کے صاحب زادے: عثمان بن محمد بن عثمان جوزجانی نے اپنی کتاب ''طبقات ناصری'' میں کیا ہے۔ اسی طرح نورالدین عوفی نے بھی اپنی کتاب ''لباب الألباب'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز ان کے علم وفضل اور شرافت ونجابت کی تعریف بھی کی ہے۔

محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے ''لباب الألباب'' پر اپنی تعلیقات میں لکھا ہے کہ تاج الدین کی جس وقت ''سیستان'' کے حاکم سے جنگ ہوئی، اس وقت اس نے محمد بن عثمان جوزجانی کو خلیفہ ناصرلدین اللہ عباسی کے پاس بغداد سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ دوسری مرتبہ غیاث الدین بلبن نے انھیں سفیر بنا کر بغداد بھیجا۔ جب یہ دوسری مرتبہ بغداد سے واپس آتے ہوئے ''مکران'' پہنچے تو وہیں اچانک ان کی وفات ہوگئی۔۔ یہ واقعہ ۵۹۰ھ کے کچھ ہی دنوں بعد پیش آیا۔

محمد اوّل بن عبداللہ سلطانِ مالدیپ

شیخ محمد سعید دیدی بن فقیہ حسین صلاح الدین بن موسیٰ دیدی ازہری مالدیپی اپنی کتاب ''تحفة الأديب بأسماء سلاطين محلديب'' میں لکھتے ہیں کہ یہ سلطان محمد اوّل بن عبداللہ ہے۔ اس نے سرپرآرائے سلطنت ہونے کے بارہ سال بعد ماہ ربیع الاوّل ۵۴۸ھ میں اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد کے حالات بالکل معلوم نہیں۔ قبول اسلام کے بعد بھی یہ بارہ سال تختِ سلطنت پر متمکن رہا، اس طرح اس کی مدتِ بادشاہت مجموعی طور پر پچیس سال ہوتی ہے۔ بارہ سال بت پرستی کے زمانے میں اور تیرہ سال قبولِ اسلام کے بعد۔ اس حساب سے یہ ۵۳۶ھ میں بادشاہ بنا ہوگا، جیسا کہ علامہ تاج الدین نے بھی ذکر کیا ہے۔

جب کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں ۵۴۸ھ میں اسلام قبول کرنے والے سلطان کا نام "احمد شنورازہ" لکھا ہے۔ مگر دونوں میں کوئی تضاد نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام تھے۔ سلطان احمد شنورازہ نہایت دین دار، صالح، جری، بارعب، رعایا میں ہر دل عزیز اور فقراء و مساکین سے محبت کرنے والا تھا۔ یہ اسی شاہی خاندان کا فرد تھا، جس میں سولہ سلطان ہوئے، آخری سلطان کا نام داؤد کلمنجا ہے۔

قاضی حسن تاج الدین کی تاریخ مالدیپ میں مذکور ہے کہ محمد بن عبداللہ نے (جسے محمد درمونت) بھی کہا جاتا ہے، اپنی سلطنت کے بارہ سال بعد مشہور عالم وصوفی حضرت شمس الدین تبریزیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ لیکن یہ بات ابن بطوطہ کی تصریح کے خلاف ہے۔ ابن بطوطہ دورانِ سیاحت مالدیپ سلطان محمد جمیل کے دورِ سلطنت میں پہنچا ہے۔

ابن بطوطہ یہاں منصب قضاء پر بھی رہا اور مالدیپ کے ایک معزز اور سر برآوردہ شخص کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی، جس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔ چند سال قیام کرنے کے بعد ابن بطوطہ مالدیپ سے روانہ ہو کر اگلی منزل کے لیے عازم سفر ہو گیا۔

اس دوران اس نے جو کچھ دیکھا، دوسروں سے سنا اور مالدیپ میں اس کی آمد سے روانگی تک جو بھی حالات رونما ہوئے، اس نے سیاحوں کی عادت کے مطابق سب کچھ قلم بند کر لیا، اس نے اس عرصے میں پیش آنے والی معمولی اور چھوٹی سے چھوٹی بات تک کو نظر انداز نہ کیا، بلکہ ساری باتیں اپنی مشہور زمانہ کتاب "سفرنامہ ابن بطوطہ" میں درج کر دیں۔ اس میں ابن بطوطہ نے سلطان محمد درمونت کے قبول اسلام کی بابت ایک عجیب وغریب واقعہ ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ مقامی لوگوں نے اس سے بتایا۔

اس نے لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے اس سلطان کا نام "احمد شنورازہ" تھا۔ اس نے شیخ ابوالبرکات بربری مالکیؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ نیز یہ کہ جس زمانے میں ابن بطوطہ مالدیپ پہنچا ہے، اس وقت تمام اہل مالدیپ مالکی مذہب ہی

کے پیرو کار تھے۔ان دونوں تاریخوں سے ایسا لگتا ہے کہ اہل مالدیپ کے یہاں ایسی کوئی مدون ومرتب تاریخ نہیں تھی جس میں مالدیپ کے حالات درج ہوتے۔ نہ تو زمانۂ شرک میں اور نہ ہی جب وہ اسلام لے آئے، اس کے بعد ہی۔اسی طرح متعدد صدیاں گذر گئیں۔البتہ سلاطین مالدیپ کے نام ضرور مدّون تھے، نیز ان کے سریر آرائے سلطنت ہونے اور وفات کی بھی تاریخیں مرتب تھیں۔ یہ اہتمام سلطان محمد درمونت کے قبول اسلام کے بعد شروع کیا گیا۔یہی وجہ ہے کہ قاضی حسن تاج الدین نے اپنی کتاب میں گزشتہ زمانوں میں پیش آمدہ کسی بات کو ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف سلاطین مالدیپ کے ناموں اور بعض ان واقعات ہی سے تعرض کیا ہے جو قاضی صاحب کے دور میں اہالیان مالدیپ کی زبان زد تھے۔ اس وقت مالدیپ میں کسی کو بھی یہ علم نہ تھا کہ ابن بطوطہ مالدیپ کب اور کس وقت پہنچا؟ اس کی بنیادی وجہ بھی ان کے یہاں مدّون تاریخ کا فقدان ہے۔

ابن بطوطہ مالدیپ دوسری مرتبہ سلطانہ ہند کیا دکلع کے شوہر: عبداللہ کلع کے دور امارت میں آیا، مگر اس وقت صرف معدودے چند دن ہی مالدیپ رہا۔ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں جو بات لکھی ہے، وہی قرین قیاس اور صحت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم) کیوں کہ مالدیپ آمد کا اس کا زمانہ، سلطان محمد درمونت کے زمانۂ قبول اسلام سے زیادہ قریب ہے۔ جب کہ قاضی حسن تاج الدین نے اپنی کتاب، ابن بطوطہ کی مالدیپ آمد کے تین سو انتالیس سال بعد اور سلطان محمد درمونت کے عہد بادشاہت کے پانچ سو پینتیس سال بعد اس وقت تالیف کی، جب مالدیپ کا حکم راں سلطان محمد بن الحاج علی تکلی بن قاضی کبیر بن قاضی محمد اطوی تھا۔انھوں نے اپنی کتاب میں اس امر کی بھی صراحت کی ہے کہ سلطان محمد جمیل کو ہی وزیر جمال الدین بھی کہا جاتا تھا۔

تحفۃ الادیب کے شروع میں جو گوشوارہ دیا گیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ محمد

الاول نے ۵۴۸ھ میں اسلام قبول کیا۔ اس وقت وہ مالدیپ کا بادشاہ تھا اور وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی۔ اس کی مدتِ حکم رانی تیرہ سال رہی۔ متقدمین اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری بون ادیت مہاردن'' تھا۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ مجھ سے کچھ ثقہ اور معزز اہالیان مالدیپ مثلاً: فقیہ عیسیٰ یمنی، فقیہ معلم علی، قاضی عبداللہ اور دیگر متعدد لوگوں نے بیان کیا کہ ان جزائر کے باشندے سارے کے سارے کافر و مشرک تھے۔ اس وقت ہر ماہ ایک دیوہیکل جن سمندر کی طرف سے آتا، ایسا لگتا جیسے وہ قندیلوں سے جگمگاتی ہوئی کوئی کشتی ہو۔ اہل مالدیپ کا معمول تھا کہ جب وہ اس عفریت کو دیکھتے تو ایک کنواری لڑکی کو بنا سنوار کے اس ''بت خانے'' میں داخل کر دیتے۔ یہ بت خانہ ساحل سمندر پر بنا ہوا تھا۔ اس میں ایک روشن دان بھی تھا۔ اس لڑکی کو بت خانے میں ہی رات کو چھوڑ دیتے، پھر جب صبح کو آتے تو وہ انھیں مردہ ملتی۔ وہ لوگ ہر ماہ قرعہ اندازی کرتے، جس کے نام کا قرعہ نکلتا، اسے اپنی لڑکی دینی ہوتی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ مراکش کا ایک شخص جس کا نام ''ابوالبرکات بربری'' تھا، مالدیپ آیا۔ یہ قرآن کریم کا حافظ تھا۔ اور ''جزیرہ مہل'' آج کل اسے ''مالے'' کہا جاتا ہے، یہی مالدیپ کی راجدھانی بھی ہے، میں ایک بوڑھیا کے مکان پر فروکش ہوا۔

ایک روز یہ شخص بوڑھیا کے گھر میں اندر گیا تو دیکھا کہ سارے اہل خانہ گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ اس نے صورت حال جاننے کی کوشش کی، مگر گھر کی عورتیں اسے سمجھا نہ سکیں۔ ایک ترجمان کو بلایا گیا۔ اس نے بتایا کہ اس ماہ قرعہ اسی بڑھیا کے نام نکلا ہے اور اس کی صرف ایک ہی لڑکی ہے جسے وہ جن یقیناً قتل کر دے گا۔ یہ ماجرا سن کر ابوالبرکات مراکشی نے اس بوڑھیا سے کہا تیری لڑکی کے عوض میں خود آج رات بت خانہ جاؤں گا۔ یہ شخص خوب صورت اور بے ریش تھا۔ چناں چہ لوگوں نے اس رات اسے بت خانے میں داخل کر دیا۔ یہ شخص پہلے سے باوضو تھا، اس لیے تلاوت

قرآن میں مشغول ہو گیا۔ بت خانہ کے روشن دان سے جن نکلا، مگر یہ علی حالہ تلاوت کرتا رہا۔ جب اتنی دوری پر جن پہنچا، جہاں سے تلاوت کی آواز سنائی دینے لگی تو سمندر میں ڈوب گیا۔ یہ مراکشی اسی طرح صبح تک تلاوت کرتا رہا۔ صبح کو بوڑھیا، اس کے اہل خانہ اور جزیرہ کے دوسرے تمام باشندے آئے تا کہ حسب معمول لڑکی کو نکال کر اسے نذر آتش کر دیں۔ جب بت خانے کے اندر گئے تو دیکھا کہ مراکشی نوجوان تلاوت کرر ہا ہے۔ یہ لوگ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے کر گئے، جس کا نام ''شنورازہ'' تھا اور سارا واقعہ اس سے بتایا۔ بادشاہ کو بہت حیرت واستعجاب ہوا۔ اس مراکشی نے بادشاہ کے سامنے اسلام کو پیش کیا اور قبول اسلام کی ترغیب دی۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ تم ہمارے یہاں ایک ماہ تک مزید رہو، جیسے تم نے اس بار کیا، اگر ایسے ہی اگلے ماہ بھی کر دکھایا اور جن سے بچ گئے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ چناں چہ نوجوان رک گیا اور اللہ نے بادشاہ کا دل اسلام کے لیے کھول دیا۔ مہینہ پورا ہونے سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کے جملہ اہل خانہ، آل اولاد اور اس کے اعوان سلطنت بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب اگلے مہینے کی وہ متعینہ تاریخ آئی تو اس مراکشی کو پھر بت خانے میں داخل کیا گیا، لیکن اس بار جن آیا ہی نہیں اور یہ صبح تک تلاوت میں مشغول رہا، صبح کو سلطان مالدیپ اور اس کے سارے لوگ آئے تو انھوں نے دیکھا کہ مراکشی تلاوت کرر ہا ہے۔ چناں چہ انھوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے بتوں کو توڑ ڈالا، بت خانے کو منہدم کر دیا۔ جزیرہ ''مالے'' کے تمام باشندوں نے اسلام قبول کر لیا اور انھوں نے دوسرے جزیرے والوں کے پاس بھی پیغام بھیجا، چناں چہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد بھی یہ مراکشی نوجوان مالدیپ میں رہا اور اس کا سب کے دلوں میں بڑا اعزاز واحترام رہا اور انھوں نے بھی اسی مسلک مالکی کو اختیار کر لیا، جو اس کا مسلک تھا۔ اس وجہ سے اہل مالدیپ تا ایں دم بقول ابن بطوطہ اہل مراکش کی بہت تعظیم

کرتے ہیں۔اس مراکشی نے ایک مسجد بھی بنائی جو مالدیپ میں بہت مشہور ہے۔ میں اس مسجد کے کنگورے پر دیکھا کہ لکڑی پر یہ تحریر کندہ ہے: سلطان احمد شنورازہ نے ابوالبرکات بربری مراکشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔قبول اسلام کے بعد سلطان احمد شنورازہ نے تمام جزیروں سے ٹیکس وخراج کی جملہ آمدنی کا ایک تہائی حصہ، مسافروں کے لیے وقف کردیا، کہ ایک مسافر کے ہاتھوں ہی اس نے اسلام قبول کیا تھا۔

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ:

اس جن کی وجہ سے قبول اسلام سے پہلے ان جزیروں کے بہت سے باشندے ہلاک و برباد ہوچکے تھے، جب میں مالدیپ گیا تو مجھے اس بات کا مطلق کوئی علم نہ تھا۔ایک شب میں کوئی کام کررہا تھا کہ میں نے سنا لوگ بہ آواز بلند تکبیر وتہلیل پڑھ رہے ہیں۔ بچے سروں پر قرآن شریف اٹھائے ہوئے اور خواتین تانبہ کے برتن بجارہی ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے کیا سمندر کی جانب نہیں دیکھا؟ جب میں نے سمندر کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے ایک بڑی کشتی ہو اور اس کے چاروں طرف قندیل اور چراغ ہی چراغ جل رہے ہوں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہی عفریت اور جن ہے۔ اس کی عادت ہے کہ ہر ماہ ایک مرتبہ باہر نکلتا ہے اور جب ہم اس طرح کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے ابھی دیکھا تو یہ ہمیں بغیر کسی طرح کا نقصان پہنچائے، لوٹ جاتا ہے۔[1]

میں نے اس کتاب کے مختلف مقامات پر سلاطین مالدیپ کا تذکرہ لکھا ہے، ذیل میں ان کے نام درج کیے جارہے ہیں، ساتھ ہی ہر ایک کا زمانہ اقتدار بھی درج ہے:

۱۔ محمد اول بن عبداللہ۔ قبول اسلام سے ۵۶۱ھ تک۔

۲۔ متی کلمنجا از ۵۶۱ھ تا ۵۸۰ھ

۳۔ علی از ۵۸۰ھ تا ۵۸۸ھ

۴۔ دھی کلمنجا از ۵۸۸ھ تا ۵۹۵ھ

۵۔ دہی کلمنجا ۵۹۵ھ تا ۶۱۰ھ

۶۔ وطبی کلمنجا ۶۱۰ھ تا ۶۳۰ھ

۷۔ کلمنجا ۶۳۰ھ تا ۶۵۵ھ

۸- ہدی کلمنجا ۶۵۵ھ تا ۶۶۲ھ	۹- ایم کلمنجا ۶۶۲ھ تا ۶۶۴ھ
۱۰- ہلی کلمنجا ۶۶۴ھ تا ۶۶۶ھ	۱۱- کلمنجا ۶۶۶ھ تا ۶۶۷ھ
۱۲- محمد اود کلمنجا ۶۶۷ھ تا ۶۷۶ھ	۱۳- علی کلمنجا ۶۷۶ھ تا ۶۸۶ھ
۱۴- یوسف کلمنجا ۶۸۶ھ تا ۶۹۳ھ	۱۵- کلمنجا ۶۹۳ھ تا ۷۰۱

سلطان مالدیپ: محمد اود کلمنجا

اس کی بابت ''تحفة الادیب'' میں تحریر ہے کہ یہ سلطان وطبی کلمنجا بن قہریاما کا لڑکا ہے۔ اس نے ۶۶۷ھ سے ۶۷۶ھ تک کل نو سال تک حکومت کی، اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری اریدسور مہاردن'' تھا۔

محمد بن علی بن احمد ابوبکر بامیانی سندھی

بامیان کے تذکرے کے ضمن میں علامہ حموی نے لکھا ہے کہ ابوبکر محمد بن علی بن احمد بامیانی محدث اور ثقہ تھے انھوں نے محدث ابوبکر خطیب اور دوسرے محدثین سے روایت کی۔ ماہ رجب کے اختتام پر ۳۹۰ھ میں وفات ہوئی۔

محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی کوفی

امام بخاری نے ۱۴۰ تا ۱۵۰ھ کے عرصے میں وفات پانے والے کبار اہل علم وفضل کے تذکرے کے ضمن میں اپنی تاریخ ''التاريخ الصغير'' میں لکھا ہے کہ اس عرصے میں وفات پانے والوں میں محمد بن عثیم ابوذر حضرمی بھی ہیں۔ انھوں نے محمد بن عبدالرحمٰن ابن البیلمانی اور محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی مولی عمر سے سماع حدیث کیا۔

امام نسائی ''كتاب الضعفاء'' میں لکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالرحمٰن عن ابیہ، منکر الحدیث ہے اور محمد بن عثیم عن محمد بن عبدالرحمٰن بن بیلمانی متروک الحدیث ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''تهذيب التهذيب'' میں صراحت کی ہے کہ محمد بن

عبدالرحمٰن بیلمانی کوفی مولی آل عمر نے اپنے والد اور والد کے ماموں سے روایت کی ہے، حالاں کہ ماموں سے سماع نہیں ہے۔ محمد بن عبدالرحمٰن سے سعید بن بشیر بخاری، عبداللہ بن عباس بن ربیع حارثی، محمد بن حارث بن زیاد حارثی، محمد بن کثیر عبدی اور ابو سلمہ موسی بن اسماعیل وغیرہم نے روایت کی ہے۔ عثمان دارمی نے یحیی بن معین کے حوالے سے یہ بات کہی ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن ناقابل اعتبار ہے۔ امام بخاری اور نسائی نے منکر الحدیث بتایا ہے۔ امام بخاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حمیدی فرماتے تھے کہ محمد بن عبدالرحمٰن ناقابل اعتبار ہے۔ امام بخاری اور نسائی نے منکر الحدیث بتایا ہے۔ امام بخاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام حمیدی فرماتے تھے کہ محمد بن عبدالرحمٰن ضعیف ہے اور یہ کہ امام ابو حاتم نے بھی اسے مضطرب الحدیث فرمایا ہے۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابن البیلمانی جو بھی حدیث روایت کرے تو اس میں آفت اس کی وجہ سے آتی ہے اور اگر اس سے محمد بن حارث روایت کرے تو یہ دونوں ضعیف ہیں۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے فرمایا کہ محمد بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے ایک ایسے نسخے کی روایت کی، جو آنے والی حدیث کے مانند ہے۔ اس نسخے کی تمام تر مرویات موضوع ہیں، نہ ان سے استدلال کرنا جائز ہے اور نہ ہی بیان کرنا الا یہ کہ از راہ تعجب ان کو بیان کیا جائے۔ امام ساجی نے فرمایا کہ محمد بن عبدالرحمٰن منکر الحدیث ہے۔ عقیلی فرماتے ہیں کہ محمد مذکور سے صالح بن عبدالجبار اور محمد بن حارث نے منکر روایات بیان کی ہیں۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ محمد مذکور نے اپنے والد کے واسطے سے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔

حموی نے ''معجم البلدان'' میں لکھا ہے کہ ''بیلمان'' کی طرف محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی کی نسبت ہے۔ انھوں نے عبیداللہ بن عباس بن ربیع النجرانی الیمنی سے حدیث روایت کی ہے۔ بلاذری کی کتاب ''فتوح البلدان'' میں مذکور ہے کہ ''بیلمان'' سندھ و ہند کے شہر کا نام ہے، جس کی طرف بیلمانی تلواریں منسوب ہیں۔

محمد بن عثمان زوطی بصری

علامہ "ابن خلدون" نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "زوط" اوباش اور غارت گر لوگوں کی ایک قوم تھی۔ انھوں نے بصرہ کے راستے پر کنٹرول کر کے بڑی تباہی مچائی اور کئی ایک علاقوں کو چھین لیا اور اپنی قوم کے ایک شخص "محمد بن عثمان" کو ان علاقوں کا والی و حاکم مقرر کر دیا۔ ان کا آخری حاکم "سماق" تھا۔ محمد بن عثمان زوطی بصری تیسری صدی ہجری کے آس پاس کا ہے۔ (قاضی)

محمد بن علی بلگرامی واسطی

نزھۃ الخواطر میں مرقوم ہے کہ سید شریف محمد بن علی بن حسین بن ابوالفرج بن ابوالفراس بن ابوالفرج حسینی واسطی بلگرامی، حضرت امام حسین السبط کی نسل سے تھے۔ ان کی ولادت اور نشو ونما دونوں ہندوستان میں ہوئی۔ طریقت کا علم شیخ قطب الدین بختیار اوچھی سے حاصل کیا۔ بعد میں ۶۱۴ھ میں اپنے تلامذہ و مریدین کے ہمراہ "بلگرام" آئے اور وہاں کے باشندوں سے جنگ کی۔ بلگرام کے راجہ "راجہ سری" کو قتل کر کے وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ سلطان شمس الدین التمش کی جانب سے "عشر" وصول کرنے کا دستخط شدہ فرمان بھی حاصل کر لیا۔ ۶۲۶ھ میں بلگرام میں ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کرایا۔ ان کا لقب "صاحب الدعوۃ الصغریٰ" تھا۔ چوں کہ یہ لقب عوام الناس کے لیے دشوار اور تلفظ مشکل تھا، اس لیے اس کو مختصر کر کے لفظ "صغریٰ" ان کے نام کا جز بنا دیا گیا۔ ان کی وفات ۶۴۵ھ میں ہوئی۔

محمد بن عبداللہ ابوالمنذر ہباری: حاکم منصورہ

محمد بن عمر کا تذکرہ مسعودی نے "مروج الذھب" میں کیا ہے اور اس نے

۳۰۰ھ کے بعد کے ابتدائی دس سالوں میں ''منصورہ'' میں اسے دیکھا بھی تھا۔ اس وقت محمد بن عمر بقید حیات تھا۔ اس کا تذکرہ اس کے والد: ابومنذر عمر بن عبداللہ حاکم منصورہ کے تذکرے میں پہلے گزر چکا ہے۔

محمد بن فضل بن ماہان: حاکم سندان

علامہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں تصریح کی ہے کہ مجھ سے منصور بن حاتم نے بیان کیا کہ فضل بن ماہان بنو سامہ کا غلام تھا۔ اس نے سندان فتح کرکے اس پر کنٹرول قائم کرلیا اور مامون رشید کی خدمت میں ایک ہاتھی بھیج کر اس سے مکاتبت کی۔ نیز اس نے سندان میں اپنی تعمیر کردہ جامع مسجد میں مامون کی بیعت کے لیے لوگوں کو دعوت بھی دی۔ جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے لڑکے: محمد بن فضل بن ماہان نے اس کی جگہ لے لی اور ستر بڑی بڑی کشتیاں لے کر عازم ہند ہوا۔ بہت سوں کو قتل کردیا اور ''فالے'' کو فتح کرلیا، پھر سندان واپس ہوا۔ اس وقت اس کا بھائی ماہان بن فضل سندان پر قابض ہوگیا تھا۔ اور اس نے خلیفہ معتصم باللہ عباسی سے مکاتبت کرلی اور اس کے پاس ''ساگوان'' کی اتنی موٹی اور لمبی لکڑی ہدیۃً بھیجی، جیسی اس نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہندوستان کا مفتوحہ علاقہ اس کے بھائی کے زیر قبضہ تھا۔ اہل ہند نے اس پر حملہ کرکے قتل کردیا۔ بعد میں 'اہل ہند'' جب سندان پر قابض ہوئے تو انھوں نے سندان کی جامع مسجد مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی جس میں وہ نماز کے لیے جمع ہوتے اور خلیفہ کے لیے دعا کرتے تھے۔

اسی انتشار اور قتل وخوں ریزی کی بابت معروف عربی شاعر ابوالعتاہیہ نے درج ذیل شعر کہا: (قاضی)

ما علی ذا کنا افترقنا بسنـــــدا ❁ ن ومـــــا ھکذا عھدنا الإخاء

تضرب الناس بالمھند البیـــــ ❁ ـض علی غدرھم وتنسی الوفاء

''ہم نے اس بنیاد پر مقام سندان میں جدائی نہیں اختیار کی تھی، ہمارا عہد خلوص ووفا ایسا نہیں تھا۔لوگ غدر کرکے ہندوستان کی چمکتی ہوئی تلواروں سے وار کرتے ہیں اور وفاداری بھول جاتے ہیں''۔

مامون رشید کی مدت خلافت ۱۹۸ھ سے ۲۱۰ھ تک رہی۔ اس کے بعد معتصم باللہ متوفی ۲۲۷ھ خلیفہ ہوا۔ سندان کی یہ ماہانی حکومت، مامون رشید کی امارت سے لے کر معتصم باللہ کے زمانے تک رہی۔ ابو العتاہیہ کی وفات ۳۱۱ھ یا ۳۱۲ھ میں ہوئی۔ ابوالعتاہیہ نے اپنے ان اشعار میں جس انتشار، بدنظمی اور قتل وغارت گری کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ ۳۰۰ھ کے بعد کے ابتدائی دس سالوں یا اس کے مابعد رونما ہوئی تھی۔ اس خود مختار ماہانی حکومت کے عباسی سلطنت کے ساتھ باضابطہ اور مستحکم تعلقات تھے۔ یہ ریاست ''بلہرا'' میں تھی، جو بہت مسلمان نواز تھی اور مسلمان بھی اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ معروف مسلم تاجر ''سلیمان'' جو ۲۳۷ھ کے آس پاس جو کہ ماہانی سلطنت سے بالکل قریبی زمانہ ہے، ہندوستان اور چین گیا، اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ شاہان ''بلہرا'' عموماً پچاس برس تک تخت حکومت پر جلوہ گر رہتے ہیں۔ اس طویل مدتِ حکومت نیز اپنے حکمرانوں کی طویل العمری کے تعلق سے اہل ''بلہرا'' کا خیال ہے کہ یہ سب مسلمانوں سے محبت اور انھیں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کے طفیل میں ہے۔ شاہان ہند میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جو حاکم بلہرا کی بہ نسبت مسلمانوں کو زیادہ چاہتا ہو، اسی طرح باشندگان بلہرہ بھی مسلمانوں سے بہت محبت رکھتے ہیں۔

ابوزید سیرافی نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ اس نے ۲۶۴ھ کے آس پاس بلہرا کا سفر کیا اور ریاست بلہرہ کی بہت سی چیزوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ یہ بات ہمیں ایک ایسے شخص نے بتائی، جو اس وقت بہت معروف ومشہور آدمی ہے اور جس کی بابت ہمیں دروغ بیانی کا شبہ بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کی بہ نسبت

ریاست بلہرہ ملک عرب سے زیادہ قریب ہے اور ہر وقت اس کی خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ علامہ اصطخری نے لکھا ہے کہ "کنبایت" سے "صیمور" تک بلہرہ کے علاقے میں کئی ایک حاکم و راجہ ہیں۔ یہ سب کافروں کی ریاستیں ہیں۔ مگر ان شہروں میں مسلمان بھی ہیں اور حکومت بلہرہ کی جانب سے مسلمانوں کا حاکم کسی مسلمان ہی کو بنایا جاتا ہے۔ یہاں کئی مساجد بھی ہیں، جن میں نماز با جماعت پڑھی جاتی ہے۔ مزید لکھا ہے کہ قامہل، سندان، صیمور اور کنبایت میں ایک ایک جامع مسجد بھی ہے۔ ان شہروں میں مسلمانوں کے احکام نافذ ہیں۔ مشہور مورخ: بزرگ بن شہر یار ناخدا رامہرمزی نے "عجائب الھند" میں لکھا ہے کہ ریاست بلہرہ کے اندر، مسلمانوں کا حاکم مسلمان ہی بنایا جاتا ہے، اس کا لقب "ہنرمن" ہوتا ہے۔ جیسے مسلم ممالک میں "قاضی" ہوا کرتا ہے۔ ہنرمن ہمیشہ مسلمان ہی ہوتا ہے، جو مذہب اسلام کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ نیز یہ کہ "صیمور" میں "سیراف" کے ایک عالم عباس بن ماہان تھے، جو شہر کے ہنرمن (قاضی) تھے۔ واضح رہے کہ سندان اہم گزرگاہ تھا۔ یہاں "قسط" ایک یونانی دوا، کھجور کے درخت اور نرکل بہ کثرت پائے جاتے تھے۔ یہ شہر ایک عظیم بندرگاہ بھی تھا۔ مقام سوپارہ اور سندان کے بیچ پانچ مرحلوں کا فاصلہ ہے، اسی طرح سندان اور صیمور کے مابین بھی اتنی ہی مسافت ہے۔ نیز "تانہ" -تھانہ- بھی سندان سے قریب ہی واقع ہے۔ اس کے علاوہ علاقہ گجرات بھی سندان سے قریب ہے۔ یہاں عرب اور دیگر مسلمان بڑی عزت اور آرام سے رہتے ہیں۔ ابن رستہ نے لکھا ہے کہ یہ جزیروں کا ملک ہے۔ اہل عرب سامان تجارت لے کر یہاں جاتے ہیں۔ یہ لوگ عرب تاجروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے اور ان کے سامان خریدتے ہیں۔ یہ خرید و فروخت سونے اور درہم سے ہوتی ہے، جسے مقامی زبان میں "طاطری" کہا جاتا ہے۔

ان دراہم پر وہاں کے حاکم وقت کی تصویر اور وزن کندہ ہوتا ہے۔ جب عرب تاجر اموال تجارت فروخت کر کے فارغ ہوتے اور واپسی کا ارادہ کرتے ہیں

تو حاکم سندان سے کہتے کہ آپ ہمارے ساتھ اپنے کچھ آدمی کر دیں، تا کہ ہم بہ حفاظت آپ کے ملک سے باہر نکل جائیں۔ اس پر حاکم کہتا کہ ہمارے یہاں ایک بھی چور نہیں ہے۔ آپ اطمینان خاطر رکھیں اور چلے جائیں۔ بالفرض اگر آپ کے مال و دولت کے ساتھ کوئی بات پیش آتی ہے تو وہ آپ مجھ سے لے لیں، میں ضامن ہوں۔ ان حالات وواقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ماہانی سلطنت اگرچہ قلیل مدت تک ہی رہی، تاہم اس نے سندان، -گوا- بمبئی اور گجرات کے اطراف میں نہایت اچھے اثرات اور نقوش چھوڑے۔

محمد بن مامون لاہوری خراسانی

حموی نے ''معجم البلدان'' میں لکھا ہے کہ ابوعبداللہ محمد بن مامون بن رشید بن ہبۃ اللہ مطوعی لہاوری (لاہوری) لاہور سے طلب علم کے لیے عازم سفر ہوئے اور خراسان میں اقامت اختیار کی۔ جہاں فقہ شافعی پڑھی اور نیساپور میں ابوبکر شیرازی اور ابونصر قشیری کے تلامذہ سے سماع حدیث کیا۔ پھر بغداد آکر ایک عرصے تک مقیم رہے۔ پھر آذربائیجان کے آخری قصبے میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے انھیں ملاحدہ نے ۶۰۳ھ میں شہید کر دیا۔

محمد بن محمد دیبلی

''الانساب'' میں علامہ سمعانیؒ لکھتے ہیں کہ ابوالعباس محمد بن احمد بن عبداللہ وراق دیبلی، زاہد و عابد، صالح اور صاحب فضل وکمال عالم تھے۔ انھوں نے ابوخلیفہ فضل بن حباب جمحی، جعفر بن محمد بن حسن فریابی، عبدان بن احمد بن موسیٰ عسکری، محمد بن عثمان بن ابوسوید بصری اور ان کے معاصر علماء ومحدثین سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے امام حاکم نے سماع حدیث کیا۔ ان کی وفات، ماہ

رمضان ۳۴۵ھ میں ہوئی۔نماز جنازہ ابوعمرو بن نجید نے پڑھائی۔

محمد بن محمد لاہوری اسفرائینی

علامہ موصوف نے ''الانساب'' میں لکھا ہے کہ ابوالقاسم محمود (محمد) بن خلف لوری (لاہوری) فقیہ اور مناظر تھے۔انھوں نے فقہ میرے دادا: امام ابوالمظفر سمعانی سے پڑھی اور حدیث کا سماع ان سے نیز دوسرے محدثین سے کیا۔میں نے بھی خود ان سے ''اسفرائین'' میں جہاں سکونت اختیار کرلی تھی چند احادیث سنی ہیں۔ان کی وفات ۵۴۰ھ کے آس پاس ہوئی۔

لہاور (لاہور) کے ضمن میں حموی نے لکھا ہے کہ محمد بن محمد بن خلف ابوالقاسم لہاوری نزیل اسفرائینی، نے علم فقہ ابوالمظفر سمعانی سے حاصل کیا اور ان سے سماع حدیث بھی کیا۔یہ علم وفضل اور عقل ودانش مندی میں مرجع خلائق تھے۔انھوں نے ابوالفتح عبدالرزاق بن حسان منیعی اور ابونصر محمد بن محمد ماہانی سے، نیساپور میں ابوبکر بن خلف شیرازی سے، بلخ میں ابواسحاق ابراہیم بن عمر بن ابراہیم اصفہانی سے اور اسفرائین میں ابوسہیل احمد بن اسماعیل بن بشر نہر جانی سے سماع حدیث کیا۔ان سے ابوسعید نے اسفرائین میں ۵۴۰ھ کے بعد احادیث قلم بند کیں۔

محمد بن محمد بن رجاء اسفرائینی جرجانی

امام سہمی ''تاریخ جرجان'' میں لکھتے ہیں کہ ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء بن سندھی جرجانی نے اسحاق بن ابراہیم اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہما سے روایت کی۔

امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے کہ حافظ امام ابوبکر محمد بن رجاء ابن السندھی اسفرائینی صحیح کے مصنف اور صحیح مسلم کے تخریج کنندہ ہیں۔ انھوں نے اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابن نمیر، ابوبکر بن ابوشیبہ اور ان

جیسے دوسرے اعلام محدثین سے سماع حدیث کیا۔ یہ کثیر الاسفار تھے۔ ان سے ابو عوانہ، ابو حامد بن شرقی، محمد بن صالح بن ہانی، ابن حزم، ابو نصر محمد بن محمد اور دوسرے حضرات نے روایت حدیث کی۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ دین دار، ثبت وثقہ اور اپنے دور کے سب سے عظیم عالم ومحدث تھے۔ انھیں اپنے دادا: رجاء سمیت ایک جماعت محدثین سے سماع حدیث کا شرف حاصل ہے۔ بشر بن احمد کا بیان ہے کہ ان کی وفات ۲۸۶ھ میں ہوئی۔ یہ ان محدثین میں شمار ہوتے ہیں، جن کی عمریں اسی برس ہوئیں۔

علامہ سمعانی نے ''الانساب'' میں ان کا پورا نام یوں لکھا ہے: ابوبکر محمد بن محمد بن رجاء سندھی حنظلی۔ ابن العماد حنبلی نے ''شذرات الذهب'' میں ۲۸۶ھ میں وفات پانے والے علماء ومحدثین کے تراجم کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابن ناصر الدین نے اپنی نظم میں ان کی بابت کہا ہے:

كذا الفتى محمد بن سندهي ۞ كالخشني القرطبي عدى

مزید لکھا ہے کہ محمد بن محمد بن رجاء سندھی اسفرائینی کی کنیت ابوبکر تھی۔ یہ حافظ حدیث اور ثقہ وثبت تھے۔ ان سے حجت قائم ہوتی اور استدلال بھی کیا جاتا۔ صحیح مسلم پر انھوں نے تخریج بھی کی ہے۔

استخراج حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی حافظ حدیث مثلاً صحیح مسلم کو لے۔ اس کی تمام احادیث الگ الگ اپنی سند کے ساتھ ذکر کرے، جس میں وہ ثقہ رواۃ کا التزام نہ کرے۔ مگر یہ سند امام مسلم کے طریق کے علاوہ ہو۔ پھر امام مسلم کے شیخ یا شیخ سے اوپر کسی ایک جگہ دونوں طریق مل جائیں۔ بسا اوقات استخراج کنندہ، بعض ایسی احادیث کو نظر انداز کر دیتا ہے، جس کی اسے کوئی قابل اطمینان سند نہ ملے اور کبھی کسی راوی پر معلق کر دیتا ہے۔ جب کہ بعض اوقات اصل کتاب کے مؤلف کے طریق سے ان احادیث کو ذکر کرتا ہے۔ تاریخ میں بہت سے حفاظ حدیث نے تخریج دواوین حدیث سے اعتناء کیا۔ عام طور پر صحیحین بخاری ومسلم پر ہی انھوں نے اس سلسلے میں

اکتفاء کیا، کیوں کہ یہی دونوں کتابیں علم حدیث میں سب سے عمدہ اور بہتر کتاب ہیں۔ انہی میں سے ایک، ابوبکر سندھی اسفرائینی کی یہ مستخرج بھی ہے۔

محمد بن محمد بدرالدین بھکری سندھی

صاحب ''نزھۃ الخواطر'' نے ان کی بابت لکھا ہے کہ سید شریف بدرالدین محمد بن محمد بن شجاع بن ابراہیم حسینی بھکری سندھی کا شمار صاحب علم وفضل اور صلاح وتقوی علماء میں ہوتا ہے۔ ان کی پیدائش بہ روز جمعرات، شعبان ۶۳۰ھ میں شہر ''بھکر'' میں ہوئی اور وہیں نشو ونما بھی ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد حسین بن علی حسینی نجاری سے اخذ علم کیا۔ واضح ہو کہ انھوں نے سید جلال الدین سے یکے بعد دیگرے اپنی دونوں صاحب زادیوں زہرہ پھر فاطمہ کی شادی کی تھی۔ ان کے ایک لڑکا بھی ہوا علی بن محمد جو صاحب تذکرہ یعنی اپنے والد کی وفات کے بعد ''جھونسی'' (جھانسی) منتقل ہوگیا۔ یہاں اس کی نسل اب بھی پائی جاتی ہے۔ محمد بن محمد کی وفات شہر ''بھکر'' میں ۶۸۰ھ میں ہوئی، وہیں تدفین بھی عمل میں آئی۔

محمد بن محمد صدرالدین بھکری سندھی

نزہتہ الخواطر میں ان کی بابت مذکور ہے سید شریف صدرالدین محمد بن محمد بن شجاع بن ابراہیم بن قاسم بن زید بن جعفر حسینی بھکری سندھی خطیب۔ یہ اپنے دور کے کبار علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی پیدائش بھی شہر ''بھکر'' میں دس رجب ۶۰۹ھ میں ہوئی۔ وہیں پلے بڑھے جوان ہوئے اور شادی کی۔ ہندوستان میں ان کی نسل پائی جاتی ہے، ان کی وفات ۲۱ محرم الحرام ۶۶۹ھ میں ہوئی۔ قبر قلعہ بھکر میں موجود ہے۔

محمد بن نجیح ابومعشر سندھی مدنی

خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں ذکر کیا ہے کہ محمد بن ابومعشر سندھی کے والد:

ابو معشر کا نام نجیح بن عبدالرحمٰن مدنی ہے۔ انھیں خلیفہ مہدی نے مدینہ منورہ سے بغداد رہنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ جہاں وہ سکونت پذیر ہو گئے۔ محمد بن ابو معشر کی کنیت ابو عبدالملک ہے۔ انھوں نے ابن ابی ذئب اور ابو بکر ہذلی کو دیکھا ہے اور اپنے والد سے کتاب المغازی وغیرہ سنی ہیں۔ محمد بن نجیح سے ان کے دونوں صاحب زادوں: داؤد اور حسین کے علاوہ ابو حاتم رازی، محمد بن لیث جوہری اور ابو یعلی موصلی نے روایت کی ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہیں۔

خطیب نے مزید لکھا ہے کہ ہم سے ابو احمد بن علی بن نصر نے، ان سے احمد بن جعفر بن حمدان قطیعی نے بغداد میں، ان سے محمد بن لیث جوہری نے، ان سے محمد بن ابو معشر مدنی نے اور انھوں نے کہا کہ ہم سے نافع نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : کل مسکر خمر، وان أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام"

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔ اگر کسی چیز کی زیادہ مقدار سے نشہ پیدا ہوتا ہو تو اس کی معمولی مقدار بھی حرام ہے"۔

محمد بن ابو الفوارس کا بیان ہے کہ ہم سے محمد بن حمید مخرمی نے اور ان سے علی بن حسین بن حبان نے ذکر کیا کہ میں نے اپنے والد کی خود ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر دیکھی ہے، جس میں تصریح ہے کہ میں نے ابو زکریا یحییٰ بن معین سے ابن ابو معشر ابو عبدالملک کی بابت معلوم کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ "مصیصہ" میں ہمارے پاس آئے تھے۔ جب کہ مصیصہ کی مسجد تعمیر ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی بابت حجاج سے دریافت کیا تو وہ خاموش رہے تھے، پھر مجھ سے کہنے لگے کہ میں یہ بات کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن جب آپ نے معلوم کر لیا تو میرے لیے بتانا ضروری ہو گیا سنیے! وہ میرے پاس آیا تھا اور مجھ سے وہ کتابیں مانگیں تھیں، جو میں نے اس کے والد سے سنی ہیں۔ میں نے وہ کتابیں دے دیں چناں چہ اس نے انھیں نقل

کرلیا۔ مگر مجھ سے وہ کتابیں اس نے سنی نہیں ہیں۔

خطیب لکھتے ہیں کہ مجھ سے ابو طالب یحیی بن علی بن طیب ابن الدسکری نے حلوان میں ان سے ابو بکر بن مقری نے اصبہان میں، ان سے ابو یعلی احمد بن علی بن مثنی نے بیان کیا کہ ابو یعلی نے فرمایا کہ محمد بن ابو معشر ابو عبد الملک ثقہ ہیں۔ نیز فرمایا کہ ہم سے سمسار نے، ان سے صفار نے اور ان سے ابن قانع نے بیان کیا کہ محمد بن ابو معشر مدنی کی وفات ۲۴۴ھ میں ہوئی۔

آگے رقم طراز ہیں کہ ہم سے محمد بن حسین قطان نے، ان سے قاضی احمد بن کامل نے اور ان سے داؤد بن محمد بن ابو معشر نے بتایا کہ میرے والد کی وفات ۲۴۷ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۹۹ رسال آٹھ دن تھی۔

حافظ ابن حجرؒ ''تہذیب التھذیب'' میں لکھتے ہیں کہ محمد بن نجیح ابو معشر بن عبد الرحمٰن سندھی ابو عبد الملک مولی بنی ہاشم نے امام ابن ابی ذئب کو دیکھا ہے اور امام موصوف کے علاوہ اپنے والد، نضر بن منصور عنبری اور ابو نوح انصاری سے روایت کی ہے۔ محمد بن نجیح سے امام ترمذی، یحیی بن موسی بلخی، دونوں لڑکے: داؤد وحسین، ابن ابی الدنیا، ابو حاتم رازی، ابو یعلی موصلی، ابن جریر طبری، ابو بکر بن مجذر، ابو حامد حضرمی اور دوسرے متعدد علماء نے روایت کی ہے۔

امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ان کا مقام صدق وراست بازی ہے۔ حسین بن حبان کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن نجیح کی بابت ابو زکریا یحیٰی بن معین سے معلوم کیا تو فرمایا کہ وہ ''مصیصہ'' آئے تھے۔ تب میں نے ان کے متعلق حجاج سے معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ محمد بن نجیح نے مجھ سے وہ کتابیں مانگیں، جو میں نے اس کے والد سے سنی تھیں۔ میں نے دے دیں اور اس نے انھیں نقل کرلیا، مگر مجھ سے سنا بالکل نہیں ہے۔ ابن حبان نے محمد بن نجیح کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابو یعلی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ ابن قانع کا بیان ہے کہ ان کی وفات ۲۴۴ھ میں ہوئی جب کہ ان

کے لڑکے: داؤد بن محمد نے بیان کیا کہ وفات ۲۴۷ھ میں ہوئی اور اس وقت وہ ننانوے سال اور آٹھ دن کے تھے۔ خطیب فرماتے ہیں کہ ابوالحسین بن قطان نے ان کا شمار ان لوگوں میں کیا ہے، جو غیر معروف ہیں۔ مگر یہ ابوالحسین کا اپنا تصور ہے لہٰذا معتبر نہیں۔ کیوں کہ انھوں نے بہت سے مشہور و معروف علماء و محدثین کو بھی غیر معروف قرار دیا ہے اور انہی کی روش ابو محمد ابن حزم نے بھی اختیار کی ہے۔ حالاں کہ انھیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ ہم انھیں نہیں جانتے ہاں ممکن ہے کہ اس سے ان کی مراد ایک دوسرے عالم ہوں، جن کا بھی نام محمد بن یحییٰ ہی ہے۔

محمود اعز الدین بن سلیمان بن شعیب

ان کا اسم گرامی اس طرح ہے: محمود بن سلیمان کمال الدین بن شعیب بن احمد بن یوسف بن محمد بن فرخ شاہ، اعز الدین۔ یہ بڑے نیک اور صالح عالم اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کے برادر اکبر تھے۔ ان کے والد سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں کابل سے ملتان آئے اور ملتان کے نواحی شہر کھتوال (چکوال) کے عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے۔ ان کی شادی ملا وجیہ الدین خجندی کی صاحب زادی سے ہوئی۔ جس سے کھتوال ہی میں تین نرینہ اولاد پیدا ہوئیں۔ ان میں صاحب تذکرہ محمود اعز الدین سب سے بڑے، شیخ مسعود فریدالدین منجھلے اور نجیب الدین متوکل چھوٹے تھے۔ محمود اعز الدین کی وفات کھتوال ہی میں ہوئی اور وہیں والد مرحوم کے ساتھ دفن بھی کیے گئے۔ (تاریخ فرشتہ)

مسعود بن سعد بن سلمان: شاعر لاہور

عظیم شاعر: مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری کے والد: سعد، سلاطین غزنہ

کے زمانے میں ''ہمدان'' سے لاہور آئے اور وہیں شادی کرکے آباد ہوگئے۔
صاحب تذکرہ شیخ مسعود کی ولادت اور نشو ونما لاہور ہی میں ہوئی اور وہیں کے علماء وفضلا سے کسب علم کیا۔ یہ عربی، فارسی اور ہندوستانی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔شعراء سے خاصی مناسبت بھی تھی۔ان کا ایک عربی شعر درج ذیل ہے:

ولیل كأن الشمس ضلت مجراها ۞ ولیس لها نحو المشارق مرجع
فقلت بقلبی طال لیلی ولیس لی ۞ من الهم منجاة وفی البصر مفزع

''بعض راتیں مانند سورج ہوتی ہیں جو راستے سے بھٹک کر مشرق تک نہیں لوٹ سکتا۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا رات لمبی ہوگئی،غم سے نجات کا کوئی ذریعہ نہیں اور پناہ کے لیے کوئی جگہ نہیں''۔

ان کی وفات ۳۱۵ھ میں ہوئی۔(قاضی)

حاکم مشکی: مطہر بن رجاء

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اصطخری نے اپنی کتاب ''المسالك والممالك'' میں ریاست مکران اور اس کے اطراف و جوانب کے بیان میں لکھا ہے کہ نواحی مکران سے متصل ایک جگہ ہے جس کا نام ''مشکی'' ہے۔اس پر مطہر بن رجاء نامی ایک شخص نے قبضہ کرلیا تھا۔ یہ صرف خلیفۂ وقت کے نام کا خطبہ دیتا ہے اور کسی مسئلے میں خلیفہ عباسی کی اطاعت نہیں کرتا۔ اس کی حدود حکمرانی تقریباً تین مراحل پر ہیں۔ یہاں کچھ مقدار میں کھجور پیدا ہوتی ہے۔

جب کہ مقدسی بشاری نے اس کا نام ''مشکہ'' ذکر کیا ہے اور اسے ریاست مکران کا ایک شہر قرار دیا ہے۔ حموی نے لکھا ہے کہ مشکی ''کرمان'' سے متصل ایک شہر ہے، جس پر ۳۴۰ھ کے آس پاس مظفر بن رجاء نے قبضہ کرلیا۔ بعدازاں حموی نے بھی ذراسی لفظی ترمیم کے ساتھ وہی تفصیل لکھی ہے، جو اصطخری نے ذکر کی ہے۔(قاضی)

معین الدین بیانوی

قاضی سید معین الدین کی ولادت اور انتقال دونوں ''بیانہ'' میں ہوئے۔ یہ سلطان علاء الدین غوری کے عہد میں ''بیانہ'' کے قاضی تھے۔ مردوں اور عورتوں دونوں کے معاملات اور اختلافات دیکھتے تھے۔ جب عورتوں کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تو چہرہ ڈھک لیتے اور فیصلہ فرماتے تھے۔ ان کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے ایک شخص نے ان سے شکایت کی کہ اس کی بیوی ایک دوسرے شخص کے پاس چلی گئی ہے۔ انھوں نے اس عورت کو سنگ سار کئے جانے کا حکم دیا۔ مگر شہر کے خطیب نے اس عورت کو یہ تدبیر بتائی کہ تم قاضی صاحب سے یوں کہنا کہ یہ حرکت مجھ سے بر بنائے جہالت سرزد ہوئی تھی اور میں یہ سمجھتی تھی کہ جیسے ایک مرد کے لیے چار عورتیں جائز ہیں، ایسے ہی ایک عورت کے لیے بھی چار مرد جائز ہوں گے۔ جب قاضی صاحب نے اس کی یہ بات سنی تو فرمایا کہ جس شخص نے اسے یہ تدبیر سوجھائی ہے، اس کی ناک ٹوٹ جائے۔ اتفاق دیکھئے کہ خطیب مذکور دوران خطبہ منبر سے گر پڑے، جس سے ان کی ناک ٹوٹ گئی۔ (اخبار الاصفیاء)

معروف بن زکریا ہنرمن صیموری کوکنی

مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں لکھا ہے کہ میں سلطنت بلہری (ولبھی رای) کے علاقۂ ''لار'' (ہندوستان) کے مشہور شہر صیمور (چیمور) ۳۰۴ھ میں آیا۔ اس وقت صیمور کا حاکم ''حاج'' نامی ایک شخص تھا۔ (بعض نسخوں میں اس کا نام ''جانج'' لکھا ہوا ہے) اور تقریباً دس ہزار مسلمان وہاں آباد تھے۔ ان میں کچھ وہیں پیدا ہوئے تھے، کچھ سیراف، عمان، بصرہ اور بغداد وغیرہ ممالک اسلام کے باشندے تھے، جو یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ انہی میں سے کچھ معروف و مشہور اور بڑے تاجر

بھی تھے۔ مثلاً: موسیٰ بن اسحاق چنداپوری۔ اس وقت وہاں کے ''ہنرمن'' کے عہدے پر ابوسعید معروف بن زکریا فائز تھے۔ ہنرمن سے مراد مسلمانوں کی سربراہی اور صدارت تھی۔ اس عہدے پر کوئی معزز اور سربرآوردہ مسلمان فائز ہوتا ہے، جو مسلمانوں کے تمام معاملات کا ذمے دار اور ان کا حاکم ہوتا ہے۔ ''بیاسرہ'' سے ایسے مسلمان مراد ہیں جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے۔

بزرگ بن شہریار ناخدارامہرمزی نے اپنی کتاب ''عجائب الھند'' میں تصریح کی ہے کہ ریاست ''بلہرا'' میں امور مسلمین کا حاکم و نگراں صرف مسلمان ہی ہوتا ہے۔ جو والی بلہرا کی جانب سے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کا لقب ''ہنرمن'' ہوتا ہے۔ یہ اسی قسم کا ایک عہدہ ہے، جیسے مسلم ممالک میں قاضی کا ہوا کرتا ہے۔ ہنرمن ہمیشہ مسلمان ہی ہوتا ہے، جو مذہب اسلام کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ صیمور میں سیراف کے ایک شخص تھے عباس بن ماہان یہی مسلمانان صیمور کے ہنرمن تھے۔

ہنرمن، برہمن کے وزن پر ہے۔ اصلاً یہ لفظ فارسی زبان کا ہے اور مرکب ہے ''ہنرمند'' سے۔ لیکن قاضی کے معنی میں اسے استعمال کرلیا گیا۔ برہمن کے وزن کی رعایت کرتے ہوئے کہ برہمن بھی ہندوؤں میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مذہبی عالم ہو۔ (قاضی)

حاکم طوران: مغیرہ بن احمد

علامہ اصطخری نے ''طوران'' کے متعلق ''المسالك الممالك'' میں لکھا ہے کہ اس کا مرکزی شہر ''قصدار'' ہے۔ قصدار ایک شہر کا نام ہے، جس کے تحت کئی ایک گاؤں اور شہر ہیں۔ اس وقت اس کا حاکم مغیرہ بن احمد ہے، یہ صرف خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔ اس حاکم کی جائے قیام ''کیزکانان'' نامی ایک شہر ہے۔

حموی نے ''قصدار'' کی بابت لکھا ہے کہ اصطخری رقم طراز ہیں کہ حاکم قصدار معمر بن احمد نامی ایک شخص ہے، جو خلیفہ بغداد کے ماتحت ہے اور اس کی قیام گاہ

''کیز کابان'' ہے۔

حموی نے قصدار کی بابت اصطخری کے حوالے سے جو بات لکھی ہے، لگتا ہے کہ کاتب سے اس میں سہو ہو گیا ہے۔ چناں چہ اس نے مغیرہ کی جگہ معمر اور کیز کانان کی بجائے کیز کابان لکھ دیا۔ ہوسکتا ہے کہ مغیرہ بن احمد چوتھی صدی ہجری کا ہو اور شاید اسی کا نام ابن حوقل نے ''معین بن احمد'' لکھا ہے۔ (قاضی)

مفتی بن محمد بن عبداللہ باسندی

حموی نے ''معجم البلدان'' میں لکھا ہے کہ باسند سین کے زبر اور نون و دال کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ ایک شہر کا نام ہے، جس سے مفتی بن محمد بن عبداللہ باسندی کا تعلق تھا۔ مفتی بن محمد نے ابوالحسین محمد بن حسن رہوازی کاتب سے روایت کی اور مفتی بن محمد سے ابوسعید احمد بن مالینی نے۔

علامہ مقدسی بشاری نے ''احسن التقاسیم'' کے اندر اعلام اور ان کی بابت اختلاف کے بیان کے ذیل میں لکھا ہے کہ باسند نام کے دو شہر ہیں: ایک صغانیان میں اور دوسرا سندھ میں۔ حموی نے یہ وضاحت نہیں کی باسند مذکور سے سندھ کا شہر مراد ہے یا صغانیان کا؟ بلکہ انھوں نے صرف ''مدینۃ'' کا لفظ لکھ کر چھوڑ دیا۔ اس طرح یہ ابہام دور نہ ہوسکا کہ مفتی بن محمد باسندی، ہندی ہیں یا صغانی۔ ''واسند'' نام کا بمبئی کے اطراف میں ایک ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ باء کو واو سے اسی طرح واو کو باء سے بدلنا، اہل ہند کے یہاں ایک عام سی بات ہے۔ اس لیے ''واسند'' بھی مراد ہوسکتا ہے۔ (قاضی)

مکحول بن عبداللہ سندھی شامی

ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابوعبداللہ مکحول بن عبداللہ شامی ان

لوگوں میں سے ہیں، جنہیں ''کابل'' میں قیدی بنایا گیا تھا۔ ابن عائشہ کہتے ہیں کہ مکحول، قبیلہ قیس کی ایک خاتون کے غلام تھے۔ سندھی نژاد تھے، عربی فصیح نہیں بولتے تھے۔ مورخ واقدی فرماتے ہیں کہ یہ قبیلہ ہذیل کی ایک عورت کے غلام تھے۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق یہ حضرت سعید بن عاص اور بعض کے مطابق بنولیث کے غلام تھے۔ ان کے دادا: شاذل ''ہرات'' کے تھے، جنہوں نے شاہ کابل کی لڑکی سے شادی کرلی تھی۔ بعد میں ان کی وفات ہوگئی، اس وقت ان کی بیوی امید سے تھی۔ چناں چہ وہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی، جہاں ایک لڑکا ''شہراب'' پیدا ہوا۔ یہ لڑکا کابل میں ہی اپنے ماموں کے یہاں رہا۔ اس کے یہاں ''مکحول'' پیدا ہوئے۔ جب مکحول بڑے ہوگئے تو قیدی بنالیے گئے اور حضرت سعید بن عاص کے قبضہ میں آگئے۔ انھوں نے قبیلہ ہذیل کی ایک خاتون کو ازراہ ہبہ دے دیا، جس نے انھیں آزاد کردیا۔ امام مکحول، امام اوزاعی کے اتالیق رہے۔ ان کا قیام دمشق میں رہا۔ ان کی زبان میں عجمیت کے آثار بہت نمایاں تھے۔ یہ بعض عربی حروف بدل کر پڑھا کرتے تھے۔ یہ عجمیت، اہل سندھ میں عموماً پائی جاتی ہے۔

مورخ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ امام واقدی کا بیان ہے کہ مکحول، کابل کے قیدیوں میں سے ہیں۔ ابن عائشہ فرماتے ہیں کہ مکحول قبیلۂ قیس کی ایک عورت کے غلام سندھی نژاد تھے زبان فصیح نہ تھی۔ نوح بن قیس نے فرمایا کہ کسی امیر نے مکحول سے تقدیر کے بارے میں معلوم کیا تو انھوں نے جواب دیا ''أساهر أنا'' کیا میں کوئی ساحر اور جادوگر ہوں؟ ساحر کی حاء کو ہاء سے بدل کر پڑھا۔ معقل بن عبداللہ علی قریشی کا بیان ہے کہ میں نے سنا کہ مکحول ایک شخص سے کہہ رہے تھے ''ماذا فعلت تلك الهاجة'' یہاں بھی ''حاجة'' حاء حطی کی جگہ ہائے مہملہ پڑھی۔ ان کی وفات ۱۱۳ھ میں ہوئی۔

ابواسحاق شیرازی نے ''طبقات الفقهاء'' میں لکھا ہے کہ یہ کابل کے

قیدیوں میں سے تھے۔ ابن عائشہ کا بیان ہے کہ یہ قبیلۂ قیس کی ایک عورت کے غلام، سندھی نژاد تھے اور عربی زبان ان کی صاف نہیں تھی۔

شذرات الذہب میں ابن قتیبہ کی ذکر کردہ مذکورہ الصدر تفصیل کے بعد تحریر ہے کہ ابن ناصر الدین نے ''شرح بديعة البيان'' میں لکھا ہے کہ مکحول، مسلم بن شاذل بن صغد بن شروان کابلی ہذلی کے لڑکے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کنیت ''ابوتراب'' ہے۔

امام ذہبی نے ''تذکرة الحفاظ'' میں تحریر فرمایا کہ مکحول اہل شام کے عالم ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ والد کا نام مسلم ہے، قبیلۂ ہذیل کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہذلی کہا جاتا ہے۔ یہ فقیہ اور حافظ حدیث ہیں۔ قبیلۂ ہذیل کی ایک خاتون کے غلام تھے۔ یہ اصلاً کابل کے رہنے والے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ''کسریٰ'' کی اولاد میں سے ہیں۔ دمشق میں ان کا مکان ''سوق الاحد'' کے کنارے واقع ہے۔ یہ روایت حدیث میں بہت ارسال کرتے ہیں۔ نیز حضرت ابی ابن کعب، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کبار صحابہ سے روایت حدیث میں تدلیس بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوامامہ باہلیؓ، واثلہ بن اسقع، انس بن مالک، محمود بن ربیع، عبدالرحمٰن بن غنم، ابوادریس خولانی، ابوسلام ممطور اور دوسرے بہت سے لوگوں سے روایت حدیث کی اور خود ان سے ایوب بن موسیٰ، علاء ابن حارث، زید بن واقد، ثور بن یزید، حجاج بن ارطاۃ، امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور دوسرے بہت سے حضرات نے حدیث کی روایت کی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے امام مکحول سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے طلب علم میں ساری زمین کا چکر لگایا۔ ابو وہب نے بہ روایت مکحول بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا میں مصر میں آزاد ہوا اور میرا خیال ہے کہ جتنا علم بھی مجھے وہاں ملا، سب کو جمع کرلیا۔ اس کے بعد عراق آیا، پھر مدینہ منورہ ان دونوں شہروں میں بھی جتنا علم تھا، سارا میں نے حاصل کرلیا۔ بعد ازاں شام آ کر سارے علوم کو چھان پھٹک کر

صاف کیا۔ امام زہری نے لکھا ہے کہ اہل علم کل تین ہیں، جن میں سے ایک مکحول بھی ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میرے علم میں پورے شام کے اندر مکحول سے زیادہ فقہ کا علم کسی کو نہیں ہے۔ ابن زریر کا بیان ہے کہ میں نے مکحول کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں حضرت سعید بن عاص کے یہاں تھا تو انھوں نے مجھے مصر میں قبیلۂ ہذیل کی ایک عورت کو ہبہ کردیا۔ میں مصر سے اس وقت نکلا جب مجھے یہ یقین ہوگیا کہ مصر میں جتنا بھی علم ہے، سارا میں نے حاصل کرلیا ہے اور میں نے امام شعبی جیسا عالم نہیں دیکھا۔ سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مکحول نے فرمایا کہ میرے سینے میں جو بات بھی محفوظ ہے، اسے میں جب چاہوں بیان کرسکتا ہوں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ مکحول، امام زہری سے علم وفقہ میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ نیز فرقۂ قدریہ سے بالکل بری اور الگ تھلگ تھے۔ سعید بن عبدالعزیز ہی کا یہ بھی بیان ہے کہ ایک بار امام مکحول کو دس ہزار اشرفیوں کی تھیلی دی گئی، تو وہ ان میں سے لوگوں کو ایک گھوڑے کی قیمت پچاس دینار دیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی زبان میں لکنت تھی، جس کی وجہ سے وہ ''قاف'' کی جگہ ''کاف'' پڑھا کرتے تھے۔ ابو مسہر اور ایک پوری جماعت کا بیان ہے کہ مکحول کی وفات ۱۱۳ھ میں ہوئی۔ جب کہ ابونعیم کا بیان ہے کہ وفات ۱۱۲ھ میں ہوئی۔ بعض لوگوں نے تاریخ وفات کچھ اور بیان کی ہے۔

امام مکحول کے حالات، سیر وتراجم کی جملہ کتابوں میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ (قاضی)

حاکم ملتان: منبہ بن اسد قرشی

مسعودی نے ''مروج الذهب'' میں ''ملتان'' کے تذکرے میں لکھا ہے کہ حاکم ملتان جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، سامہ بن لوی بن غالب کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے پاس طاقت وقوت اور لشکر بہت ہیں۔ یہ مسلمانوں کی بڑی سرحدوں میں سے ایک سرحد کا محافظ ہے۔ ریاست ملتان کے تحت ایک لاکھ بیس گاؤں آتے ہیں۔

ملتان میں جیسا کہ کہا جاتا ہے ایک بت ہے، جس کا نام ''مولتان'' ہے۔ سندھ اور ہندوستان کے لوگ دور دراز علاقوں سے نذرانے چڑھاوے، مال و دولت، ہیرے جواہرات، عود اور قسم قسم کی خوشبو لے کر ملتان آتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ حاکم ملتان کی دولت کا غالب ترین حصہ، اس خالص عود پر مشتمل ہے، جو لوگ اس بت کے لیے لاتے اور جس کے ایک اوقیہ کی قیمت ایک سو دینار ہوتی ہے۔ اس بت پر اگر انگوٹھی سے مہر لگائی جائے تو انگوٹھی کا نشان پڑ جاتا ہے، جیسے کہ موم وغیرہ پر پڑ جایا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی محیر العقول باتیں ہیں، جن کے باعث لوگ یہاں آتے ہیں۔ جب ہندو راجا، مہاراجا ''ملتان'' پر فوج کشی کا ارادہ کرتے ہیں اور مسلمان ان سے جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے تو مسلمان یہی دھمکی دیا کرتے ہیں کہ ہم اس بت کو توڑ پھوڑ کر بدنما کر دیں گے۔ یہ دھمکی سنتے ہی ہندو لشکر واپس ہو جاتے ہیں۔ شہر ملتان میں میری آمد ۳۰۰ھ کے بعد ہوئی، اس وقت یہاں کا حکمراں ابولہاث منبہ بن اسد قرشی تھا۔

اصطخری نے ''مسالك الممالك'' میں لکھا ہے کہ ملتان سے باہر نصف فرسخ کے فاصلے پر بہت سی عمارتیں ہیں، جنہیں ''جندراور'' کہا جاتا ہے۔ یہ امیر ملتان کی قیام گاہ ہیں۔ امیر صرف جمعہ کے روز یہاں سے ہاتھی پر سوار ہو کر ملتان جاتا اور نماز جمعہ پڑھتا ہے۔ اہل ملتان کا امیر اس وقت، سامہ بن لوی بن غالب کی نسل کا ایک شخص ہے، جس نے ملتان پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ حاکم منصورہ کے زیرنگیں نہیں رہتا ہے۔ خلیفہ عباسی کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے۔ ملتان میں ایک بت ہے، جس کی بہت بڑی آمدنی ہے۔ چناں چہ بنو منبہ کی دولت، اسی بت کی آمدنی کا نتیجہ ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ راجگان ہند نے بنو منبہ پر حملہ کیا، لشکر جرار لے کر ملتان تک آ گئے، مگر غلبہ بنو منبہ ہی کو حاصل ہوا۔ اس لیے کہ بنو منبہ کی دولت، قوت و طاقت بہت زیادہ ہے۔ اصطخری نے ملتان کے اس بت کی بابت لکھا ہے کہ جو مال و دولت اس بت پر

چڑھاوے کے طور پر چڑھایا جاتا ہے، اسے حاکم ملتان لے لیا کرتا ہے اور اسی میں سے بت کے پجاریوں پر خرچ کرتا ہے۔

ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ملتان سے باہر ایک فرسخ کے فاصلے پر امیر ملتان کی قیام گاہ ہے۔ امیر ملتان سامہ بن لوی بن غالب کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کسی دوسرے کے زیر نگیں نہیں ہے۔ البتہ خطبہ خلفائے بنو عباس کے نام کا پڑھتا ہے۔

ابن رستہ نے ''الاعلاق النفیسة'' میں تصریح کی ہے کہ ملتان میں کچھ لوگ ہیں، جن کا خیال ہے کہ وہ سامہ بن لوی کی نسل سے ہیں، انہیں بنو منبہ کہا جاتا ہے۔ یہی لوگ ہندوستان کے اس علاقے کے حاکم ہیں۔ یہ امیر المومنین کے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ مقدسی کا بیان ہے کہ ملتان منصورہ ہی کی طرح ہے۔ مگر منصورہ کی بہ نسبت زیادہ آباد ہے۔ ملتان میں پھل کم ہوتے ہیں، مگر بہت سستے ملتے ہیں۔ ایک درہم میں تیس روٹیاں مل جاتی ہیں۔ یہ بہت خوبصورت شہر ہے، اس کی عمارتیں، سیراف کی عمارتوں جیسی ہیں، ساگوان کی لکڑی کی کئی منزلہ عمارتیں ہیں۔ اہل ملتان میں نہ تو زنا کاری کا وجود ہے نہ ہی شراب نوشی کا۔ اگر کسی کو اس میں مبتلا پاتے ہیں تو اسے قتل کرتے یا حد جاری کر دیتے ہیں۔ خرید و فروخت میں یہ لوگ نہ تو دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں، نہ ہی ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں۔ پردیسیوں، جن کی غالب اکثریت عربوں پر مشتمل ہے، سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ ایک دریا ملتان سے ہو کر بہتا ہے، اسی دریا کا پانی یہ لوگ پیتے ہیں۔ ملتان میں پیداوار بہت ہوتی ہے۔ تجارت کی حالت بڑی اچھی ہے، خوش حالی عام ہے اور بادشاہ انصاف پسند ہیں۔ بازار میں ایک بھی عورت بے پردہ نظر نہیں آتی اور نہ ہی برسر عام کوئی شخص کسی عورت سے بات چیت ہی کرتا ہے۔ یہاں کا پانی خوش ذائقہ، زندگی پر بہار، موسم خوش گوار ہے۔ شرافت بہت ہے، فارسی زبان سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ تجارت بڑی نفع مند ہے۔ لوگوں کی صحت بہت اچھی رہتی ہے۔ البتہ شہر میں گندگی ہے۔

مکانات بہت کمزور ہیں۔ ہوا خشک اور گرم رہتی ہے، اسی وجہ سے یہاں کے لوگ گندمی رنگ مائل بہ سیاہی ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنومنبہ کی سیاست کتنی اچھی اور ان کی سیرت و کردار کتنا بلند تھا۔ نیز یہ کہ ملک اور اہل ملک پر اسلامی احکام کا نفاذ کس حد تک تھا۔ (قاضی)

منصور، شاعر ہندی

علامہ ابن الندیم نے ''الفھرست'' میں منصور کا تذکرہ بھی، شعرائے محدثین بعض اسلامی عہد کے شعراء اور اپنے دور ۳۷۷ھ تک کے ان کے اشعار کی مقدار کے بیان کے ضمن میں کیا ہے۔ اس کا تذکرہ ''بیان النساء الحرائر والممالیك'' کے عنوان کے ضمن میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ منصور ہندی، حفصویہ مقل کا غلام تھا۔

منصور دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ (قاضی)

منصور بن سندھی اسکندرانی

علامہ سیوطی نے ''حسن المحاضرة'' میں لکھا ہے کہ ابوعلی منصور بن سندھی دباغ اسکندرانی نحاس، نے سلفی سے روایت کی اور ربیع الاول ۶۴۶ھ میں وفات پائی۔

شذرات الذھب میں سندھی کی جگہ ''سید'' اور دباغ کی جگہ ''دماع'' مذکور ہے۔ ایسا یا تو کتابت کی غلطی کے سبب ہے، یا طباعت کی۔ (قاضی)

منصور بن محمد سندھی اصبہانی

علامہ ابن الجزری رحمہ ''غایۃ النھایۃ'' میں تحریر ماتے ہیں کہ ابوالقاسم منصور بن محمد سندھی وراق اصبہانی، مشہور و معروف مجود اور قاری تھے۔ انھوں نے علم تجوید

قراءۃ شیخ علی بن حسن شمشاطی سے شہر ''واسط'' میں حاصل کیا۔ شمشاطی، نسبت امام ذہبی نے لکھی ہے، جب کہ حافظ ابو علاء محمد بن جعفر بن احمد نے ان کی نسبت ''شمشطی'' ذکر کی ہے۔ نیز لکھا ہے کہ یہ علم تجوید میں بہت ماہر تھے۔ شیخ علی بن حسن کے علاوہ انھوں نے شیخ ابراہیم بن احمد بزوری، محمد بن جعفر اصبہانی، زید بن علی بن ابو بلال، محمد بن ہیثم بن خالد، ابوبکر شنذائی اور علی بن محمد انصاری سے بھی اخذ و استفادہ کیا۔ جب کہ خود منصور بن محمد سے ابوالفضل خزاعی، احمد بن محمد ملنجی، عبداللہ بن محمد زراع طبرانی اور عثمان بن محمد بن ابراہیم مالکی نے قران شریف پڑھا اور حروف کی روایت ان سے احمد بن محمد بن عبداللہ اسکاف نے کی۔ حافظ ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ منصور بن محمد کی وفات کو ایک زمانہ ہو گیا، ان کی عمر لمبی نہ ہوئی۔

صاحب تذکرہ کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے تھا کیوں کہ ان کے شیخ ابوالحسن بن علی بن عبدالحمید شمشاطی، ثغری واسطی ۳۸۳ھ تک بہ قید حیات رہے۔ (قاضی)

منکہ، مشہور ہندی طبیب

علامہ ابن الندیم نے ''الفہرست'' میں جہاں فلاسفۂ طبعیات، مناطقہ، ان کی کتابوں کے نام، ان کی مختلف نقول، شرحوں، ان میں سے موجود کتابوں، کتابوں میں مذکور اور ناپید یا ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے، جو پائی جاتی تھیں مگر ہندوستان اور نبطی ناقلین کے ہاتھوں میں ضائع ہو گئیں، وہاں منکہ کی بابت لکھا ہے کہ منکہ ہندی، اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی کے وابستہ گان میں سے تھا، جو ہندی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔

بعد ازاں طب کے موضوع پر اہل ہند کی عربی زبان میں پائی جانے والی کتابوں کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ ''سسرد'' کی کتاب دس مقالوں پر مشتمل تھی، یحییٰ بن خالد برمکی نے منکہ ہندی کو حکم دیا تھا کہ وہ بیمارستان میں اس کی شرح لکھے۔

مورخ ابن اصیبعہ نے ''عیون الانباء'' میں لکھا ہے کہ منکہ ہندی علم طب کا بہت بڑا عالم، بہت اچھا معالج، حکیم ودانا اور فلسفی تھا، یہ ان چند لوگوں میں شامل تھا جن کا علوم ہند کے حوالے سے نام لیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستانی اور فارسی زبان کا ماہر تھا۔ اسی نے زہر سے متعلق ''شاناق ہندی'' کی کتاب کا ہندوستانی زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ خلیفہ ہارون رشید کے دور خلافت میں موجود تھا۔ خلیفہ کے علاج کی خاطر ہی ہندوستان سے عراق گیا اور خلیفہ کا کامیاب علاج کیا۔ بعض کتابوں میں راقم نے پڑھا ہے کہ منکہ ہندی، اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی کے متعلقین مین شامل تھا اور ہندوستانی زبان سے فارسی اور عربی میں ترجمہ کرنے پر مامور تھا۔

''اخبار الخلفاء والبرامکۃ'' کے حوالے سے یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار ہارون رشید سخت بیمار ہوگیا۔ شاہی اطباء نے علاج ومعالجہ کیا، مگر افاقہ نہ ہوا۔ خلیفہ سے ابوعمر اعجمی نے کہا کہ ہندوستان میں ایک طبیب ہے منکہ، جو بڑا عالم اور فلاسفی بھی ہے۔ اگر امیر المومنین اسے طلب کرنے کے لیے کسی کو بھیج دیں تو ہوسکتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کے ہاتھوں شفا عطا فرمادیں۔ چناں چہ خلیفہ نے اس شخص کو وافر مقدار میں زادراہ دے کر ہندوستان بھیجا۔ منکہ عراق پہنچا اور خلیفہ کا علاج کیا۔ اللہ کی حکمت کہ اس کے علاج سے خلیفہ شفایاب ہوگیا۔ اس خوشی میں ہارون رشید نے اس کا معقول ماہانہ وظیفہ جاری کرنے کے ساتھ بہت بھاری دولت بھی مرحمت کی۔ ایک روز منکہ شاہی باغ سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا، جس نے چادر بچھا کر، اس میں بہت سی جڑی بوٹیاں ڈال رکھی تھیں اور بآواز بلند کہہ رہا تھا کہ میرے پاس ایک ایسا معجون ہے، جو بیک وقت دائمی بخار، تپ دق، ٹائیفائڈ، پیٹھ اور گھٹنوں کے درد، بواسیر، ریاحی امراض، جوڑوں کی تکلیف، آنکھوں کی تکلیف، پیٹ کی جملہ پریشانیوں، سردرد، پیشاب کے ٹپکاؤ، فالج اور رعشہ جیسی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔ الغرض اس نے کوئی ایسی بیماری نہ

چھوڑی جس میں یہ دوا مفید نہ ہو۔ منکہ نے اپنے ترجمان سے معلوم کیا یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ جب اس نے بتایا تو منکہ نے مسکرا کر کہا کچھ بھی ہو، اتنا ضرور ہے کہ شاہ عرب جاہل انسان ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے، اگر وہ سب صحیح ہے تو اس نے مجھے ہندوستان سے بلوا کر مجھے میرے اہل خانہ سے کیوں جدا کیا اور میری خاطر اتنے اخراجات کیوں برداشت کیے؟ جب کہ اس کا مقصد خود اس کے محل کے برابر میں ہی حاصل ہو رہا تھا اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر خلیفہ نے اسے قتل کیوں نہ کر دیا۔ اس لیے کہ شریعت میں ایسے آدمی کا خون مباح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسے قتل کر دیا گیا تو صرف ایک جان کے زیاں سے بہت سے لوگوں کی زندگیاں بچ جائیں گی اور اگر اسے چھوٹ دی گئی تو ہر روز کسی نہ کسی کی جان لے گا، نہ صرف روزانہ ایک کی، بلکہ دو تین اور چار آدمیوں کی بھی جان لے سکتا ہے۔ یہ دین میں فساد اور مملکت کی کمزوری کے مترادف ہے۔

موسی سیلانی

علامہ ابن الاثیر جزریؒ نے اپنی کتاب ''اللباب فی تهذیب الانساب'' میں ان کی بابت صرف اتنا لکھا ہے کہ موسی سیلانی کے متعلق ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں۔

موسی بن سندھی جرجانی

امام سہمی ''تاریخ جرجان'' میں لکھتے ہیں کہ ابو محمد موسی بن سندھی جرجانی بکراباذی نے ۲۳۰ھ میں حضرت وکیع بن جراح، ابو معاویہ ضریر، ابراہیم بن ابو خالد اور یعیش بسطامی وغیرہ محدثین سے روایت کی۔ موسی بن سندھی کے پاس امام وکیع کی کئی ایک کتابیں بھی تھیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے شبابہ اور اسماعیل بن حکیم سے بھی روایت کی۔ ان کے بارے میں حافظ عبداللہ بن عدی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ محمد

بن عمر بن علاء صیر فی جب بھی ہم سے حدیث بیان کرتے تو یوں فرمایا کرتے تھے:

حدثنا ابو محمد موسی بن سندھی سکّاك، الثقة، المامون۔

امام سہمی مزید لکھتے ہیں کہ ہم سے ابو بکر اسماعیل نے، ان سے عمران بن موسی نے، ان سے موسی بن سندھی نے، ان سے وکیع بن جراح نے اور ان سے ابو زبیر نے بہ روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بین العبد وبین الکفر ترك الصلوة :قال قلت لجابر: هل کنتم تعدون شیئاً من الذنوب شر کا؟ قال :معاذ اللّٰه"

"بندے اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز نہ پڑھنا ہے۔ ابو زبیر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت جابرؓ سے معلوم کیا، کیا آپ حضرات کسی گناہ کو شرک بھی سمجھتے تھے؟ فرمایا معاذ اللہ"۔

نیز رقم طراز ہیں کہ ہم سے احمد بن موسیٰ بن عیسیٰ نے، ان سے علی بن محمد نے، ان سے موسیٰ بن سندھی نے، ان سے ابو معاویہ ضریر نے، ان سے عوام بن جویریہ نے، ان سے حسن نے بہ روایت حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ یہ حدیث بیان کی کہ انھوں نے فرمایا:

"قال لی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یا عبدالرحمن ! لاتسئل الإمارة"۔

"مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبدالرحمٰن! امارت و گورنری طلب مت کرنا"۔

امام موصوف یہی حدیث درج ذیل طریقہ سے بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم سے ابوالحسن بن ابو عمر نے، ان سے علی بن محمد جوہری نے، ان سے موسیٰ سندھی اور ابراہیم بن ابو خالد عطار نے اور ان دونوں سے وکیع بن جراح نے، ان سے علی بن رفاعہ نے اور ان سے حضرت حسن بصری نے بہ روایت حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بیان کیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ محمد بن علی بن زہیر کی بیوی ام عبدالرحمٰن نے موسیٰ بن سندھی سے یہ بات نقل کی کہ میں نے اپنے چچا: ابونصر سہم بن ابراہیم سہمی کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا کہ ہم سے ابوبکر محمد بن احمد بن اسماعیل نے، ان سے عبدالرحمٰن بن محمد بن علی بن زہیر جرجانی نے، ان سے میرے والد نے بیان کیا، میرے والد نے کہا کہ مجھ سے میری اہلیہ نے بیان کیا کہ ہم سے موسیٰ بن سندھی نے اور ان سے وکیع بن جراح نے بہ روایت ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : من امتشط قائما رکبه الدین"

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کھڑا ہو کر کنگھا کرے گا، اس پر قرض مسلط ہو جائے گا"۔

ابوبکر محمد بن احمد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ زہیر نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ ابا جان نے آپ کی روایت سے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے، آپ بتائیں کہ اس حدیث کا ماجرا کیا ہے اور پس منظر کیا ہے؟ والدہ نے کہا کہ موسیٰ بن سندھی تمہارے والد کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک روز انھیں کسی ضرورت سے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے میرے گھر آئے۔ تمہارے ابا نے کنگھا مانگا اور کھڑے ہی کھڑے کنگھا کرنے لگے۔ اس پر موسیٰ بن سندھی نے کہا کہ ہم سے وکیع بن جراح نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ امام سہمی نے ابوعلی حسن بن حفص جرجانی کے تذکرے میں یہ بھی لکھا ہے کہ انھوں نے موسیٰ بن سندھی سے روایت کی ہے اور وہ صاحب موسیٰ بن سندھی کے نام سے مشہور تھے۔

آگے امام موصوف رقم طراز ہیں کہ محمد بن یزید بن سالم استرآبادی نے موسیٰ بن سندھی سے روایت کی ہے۔ آگے ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ابوبکر جعفر بن محمد فریابی کا بیان ہے کہ میں جرجان گیا اور وہاں عصّار، سبّاک اور موسیٰ بن سندھی سے احادیث لکھیں۔

علامہ سمعانی نے ابواسحاق ابراہیم بن موسی زوزنی کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ ابوبکر محمد بن حسن فریابی کہتے ہیں کہ جرجان جاکر میں نے صفار، سباک اور موسی بن سندھی سے احادیث لکھیں۔ان دونوں روایتوں میں جو اختلاف ہے، اسے قارئین کرام خود ملاحظہ کر سکتے ہیں۔(قاضی)

موسی بن اسحاق چنداپوری صیموری کوکنی

مسعودی نے لکھا ہے کہ میں ۳۰۴ھ میں شہر صیمور (چیمور) ہندوستان گیا۔اس وقت وہاں سر برآوردہ تاجروں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔مثلاً موسی بن اسحاق صندابوری۔

صیمور کی بابت باقی تفصیلات، معروف بن زکریا صیموری کے تذکرے میں گزر چکی ہیں۔(قاضی)

بزرگ بن شہریار نے ''عجائب الهند'' میں لکھا ہے کہ ابو یوسف بن مسلم نے، ان سے صیمور میں ابوبکر نسوی نے اوران سے موسی صندابوری نے بیان کیا کہ ایک روز میں حاکم صندابور سے بات کررہا تھا کہ وہ اچانک ہنس پڑا اور مجھ سے معلوم کیا کہ تمھیں معلوم ہے میں کیوں ہنسا؟ میں نے کہا نہیں تو اس نے بتایا کہ اس دیوار پر ایک مرغابی ہے وہ کہہ رہی ہے کہ اس وقت ایک پردیسی مہمان آیا ہوا ہے۔(قاضی)

موسی بن اسحاق صندابوری، چوتھی صدی ہجری کے تھے۔

مہراج: شاہ ہندوستان

خلیفہ مہدی نے راجگان ہند کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تھے۔یہ تمام راجگان، مسلمانوں کے زیرنگیں تھے۔ان میں سے جن پندرہ راجگان ہند نے اسلام قبول کیا، ان میں ملک ہند مہراج بھی شامل تھا۔یہ خاندانِ پورس کا فرد تھا۔(قاضی)

مہروک بن رایق، حاکم الور

بزرگ بن شہریار ''عجائب الهند'' میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے ہندوستان کی جو باتیں، ابو محمد حسن بن عمرو بن حمویہ بن حرام بن حمویہ نجیرمی نے ''بصرہ'' میں بیان کی تھیں ان میں یہ بھی بتایا تھا کہ میں ۲۸۸ھ میں شہر ''منصورہ'' میں تھا۔ اس وقت منصورہ کے ایک معتبر و مستند عالم دین نے مجھ سے بیان کیا کہ ''الرا'' کے راجہ نے —— یہ ہندوستان اور اس کے آس پاس کے تمام راجاؤں میں سب سے بڑا راجہ تھا، اس کی حدود ریاست بالائی کشمیر سے زیریں کشمیر تک پھیلی ہوئی تھیں، اس کا نام مہروک بن رایق تھا —— ۲۷۰ھ میں حاکم منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا۔ اس میں اس سے درخواست کی کہ ہندوستانی زبان میں مذہب اسلام کی تشریح و تفسیر میرے لیے کر دی جائے۔ حاکم منصورہ نے ایک عراقی نژاد شخص کو بلایا، جو بہت تیز طرار، زیرک اور سمجھ دار نیز بلند قامت شاعر بھی تھا۔ اس کی نشو ونما چوں کہ ہندوستان ہی میں ہوئی تھی، اس لیے اسے ہندوستان کی مختلف زبانیں آتی تھیں۔ حاکم منصورہ نے راجہ ''الرا'' کی خواہش اس سے بتائی۔ چناں چہ اس نے ایک لمبی نظم کہی، جس میں مذہب اسلام کی جامع تعریف و تشریح ذکر کی۔ حاکم منصورہ نے یہ نظم راجہ الرا کے یہاں بھجوادی۔ جب راجہ ''الرا'' کے سامنے نظم پڑھی گئی تو اسے بہت پسند آئی اور حاکم منصورہ کے نام دوسرا خط لکھ کر درخواست کی کہ نظم لکھنے والے کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ چناں چہ وہ شخص گیا اور پورے تین سال تک اس کے یہاں قیام پذیر رہا۔ جب منصورہ واپس آیا تو حاکم منصورہ امیر عبداللہ نے اس سے راجہ ''الرا'' کی بابت معلوم کیا۔ اس نے اس کے تمام حالات بیان کیے اور کہا کہ جب میں راجہ الرا کے یہاں سے رخصت ہوا تھا، اس وقت وہ دل و زبان سے اسلام قبول کر چکا تھا۔ مگر حکومت و سلطنت چلی جانے کے اندیشے سے اس کا

اعلان نہ کر سکا تھا۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ راجہ الرا نے مجھ سے کہا کہ میں ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر و تشریح اس کے سامنے بیان کروں۔ تفسیر کرتے ہوئے جب میں سورہ یسین تک پہنچا اور درجہ ذیل آیت کی تشریح کی:

"قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ، قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ"

تو وہ اپنے تخت سے اٹھا اور فرش پر چلنے لگا۔ فرش کچا تھا اور پانی کا چھڑکاؤ ہونے کے سبب تر بھی۔ اس نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی اور زار و قطار رونے لگا یہاں تک کہ اس کی پیشانی کیچڑ آلود ہوگئی۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، یہی لائق عبادت رب ہے جو اول اور قدیم ہے، جس کی طرح کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے لیے الگ ایک کمرہ بنوایا اور اپنے اعوان وانصار سے یہ ظاہر کیا کہ میں ایک اہم کام کے سبب تنہائی میں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ اس کمرے میں وہ چپکے سے نماز پڑھا کرتا تھا، تاکہ کسی کو خبر نہ ہو سکے۔ اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ راجہ الرا نے اسے تین دفعہ میں سات سو من سونا عطا کیا۔

راجہ ہذا تیسری صدی ہجری کا ہے۔ (اروڑ موجودہ واقع پاکستان) الور کا راجہ تھا۔ بزرگ بن شہریار کی کتاب میں جو ہر جگہ "الرا" لکھا ہوا ہے یہ کتابت یا طباعت کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ (قاضی)

❁❁❁

باب: ن

ناقل ہندی

علامہ ابن الندیم زہر، اس کے اثرات کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ''اجناس الحیات'' نامی کتاب، ناقل ہندی کی تالیف ہے۔

نجیح بن عبدالرحمٰن، ابومعشر سندھی مدنی

ان کی بابت خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی نے حضرت ابوامامہ سہل بن حنیف کو دیکھا ہے اور محمد بن کعب قرظی، نافع مولی ابن عمر، سعید مقبری، محمد بن منکدر اور ہشام بن عروہ سے سماع حاصل ہے۔ خود ان سے ان کے لڑکے: محمد سمیت یزید بن ہارون، محمد بن عمر واقدی، اسحاق بن عیسی طباع اور محمد بن بکار بن ریان وغیرہ نے روایت کی۔ خلیفہ مہدی نے انھیں مدینہ منورہ سے بغداد بلوایا تھا، جہاں تاحیات سکونت پذیر رہے۔ یہ مغازی کے سب سے بڑے عالم تھے۔ فضل بن ہارون بغدادی سے منقول ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے محمد بن ابومعشر سے سنا، انھوں نے بتایا کہ میرے والد سندھی نژاد تھے، نتھنوں میں سوراخ تھا اور خیاط تھے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ پھر مغازی کس طرح یاد کیے؟ جواب دیا حضرات تابعین کرام ان کے استاذ کے یہاں بیٹھا کرتے تھے اور آپس میں مغازی کا تذکرہ کیا کرتے تھے، اس طرح انھوں نے مغازی یاد کر لیے۔

اس کے بعد خطیب نے ان کے متعلق علماء کی جرح وتعدیل کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (قاضی)

ابن سعد ''الطبقات الکبری '' میں ارقام فرماتے ہیں کہ یہ قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک عورت کے مکاتب تھے۔ بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو گئے تو ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ نے ان کا ولاء خرید لیا۔ ۱۷۰ھ میں بغداد میں ان کی وفات ہوئی۔

امام بخاری نے ''التاریخ الصغیر '' میں ان کی بابت لکھا ہے کہ نجیح ابومعشر سندھی ام سلمہ کے غلام تھے۔ ان کی روایت کردہ حدیث میں اختلاف ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور جگہ تصریح کی ہے کہ یحییٰ بن معین، ابومعشر سندھی سے حدیث نہیں لیتے تھے، انھیں ضعیف فی الحدیث گردانتے اور ہنس کر ان کا تذکرہ کرتے تھے۔

ابن الندیم نے ''الفہرست '' میں تحریر کیا ہے کہ ابومعشر سندھی، واقعات و سیر کے عالم نیز محدث تھے۔ ان کتابوں میں ایک ''کتاب المغازی '' ہے۔

امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ '' میں تحریر کیا ہے کہ ابومعشر نجیح سندھی، مدنی فقیہ، مغازی کے عالم تھے۔ ان کا نام نجیح بن عبدالرحمٰن ہے۔ بنی مخزوم کی ایک عورت سے مکاتبت کر کے بدل کتابت اسے ادا کر دیا۔ بعدازاں، جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے، ام موسیٰ بنت منصور نے ان کا ولاء خرید لیا۔ حفظ و یادداشت میں نقص کے باوصف یہ علم کے ایک برتن تھے اور حضرت اسامہ بن سہل کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ انھوں نے محمد بن کعب قرظی، موسیٰ بن بشار، نافع، ابن المنکدر، محمد بن قیس اور ان کے علاوہ ایک جماعت سے روایت حدیث کی۔ البتہ سعید بن المسیب سے ملاقات نہیں ہے۔ یہ بات، جامع ابوعیسیٰ ترمذی میں مذکور ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ سعید سے مراد، سعید مقبری ہیں، نہ کہ سعید بن المسیب، اس لیے کہ ابومعشر سندھی نے حضرت ابن المسیب سے بہ کثرت روایت حدیث کی ہے۔ ابومعشر سندھی سے ان کے صاحب زادے: محمد کے علاوہ عبدالرزاق، ابونعیم، محمد بن بکار، منصور بن ابومزاحم اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت حدیث کی۔ یحییٰ بن معین ان کی بابت فرماتے ہیں کہ یہ قوی فی الحدیث نہیں ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ یہ مغازی کے بڑے عالم، صدوق

تھے، مگر اسناد درست نہیں کرتے تھے۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ ابو معشر سندھی تھے اور ان کی زبان میں لکنت تھی۔ چناں چہ وہ کہتے تھے "حدثنا محمد بن قعب" بجائے کعب کے۔ امام ابوزرعہ نے انھیں صدوق کہا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ تاہم امام نسائی نے ابو معشر سے احتجاج واستدلال کیا ہے، البتہ حضرات شیخین نے ان کی روایت سے کوئی حدیث ذکر نہیں کی ہے۔ ان کا رنگ سفید نیلگوں تھا اور جسم بھاری تھا۔ خلیفہ مہدی نے انھیں عراق طلب کر کے ایک ہزار دینار وظیفہ جاری فرما دیا تھا اور ان سے کہا کہ آپ ہمارے دربار میں رہیں، تاکہ لوگ علم فقہ حاصل کر لیں۔ ابو معشر کی وفات ماہ رمضان ۱۷۰ھ میں ہوئی۔

ابن العمادؒ نے "شذرات الذهب" میں تحریر کیا ہے کہ ابو معشر سندھی کا نام، نجیح بن عبدالرحمٰن مدنی ہے۔ یہ مغازی اور اخبار کے مشہور عالم ہیں۔ یہ عمدہ فی الحدیث نہیں ہیں۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ ناخواندہ تھے اور خود ان کی سند حدیث سے احتیاط کرتے تھے "العبر" کے مصنف لکھتے ہیں کہ انھوں نے محمد بن کعب قرظی اور دوسرے کبار محدثین سے روایت کی ہے۔ خلیفہ مہدی نے انھیں اپنی صحبت میں رکھا تھا۔ ان کی رنگت سفید نیلگوں تھی اور یہ موٹے بدن کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا لقب "سندھی" لقب بالضد کی قبیل سے ہے۔

نجیب الدین متوکل: برادر شیخ فرید الدین گنج شکر

شیخ نجیب الدین بن شعیب بن احمد الملقب بہ "متوکل" شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے حقیقی بھائی اور مرید تھے۔ ان کے والد فتنۂ تاتار کے زمانے میں سندھ آکر رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ شیخ نجیب الدین علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع اور کثیر العیال تھے۔ اس کے باوجود معاش کے تئیں نہ تو کسی طرح کی تگ و دو کرتے اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی فکر دامن گیر رہا کرتی تھی۔ عبادت و ریاضت میں یک سوئی

سے منہمک رہتے ۔ انہماک کا عالم یہ تھا کہ انھیں دنوں اور مہینوں کے نام کی بھی خبر نہیں ہوتی ، نہ ہی معلوم تھا کہاں سے کمائیں اور کہاں خرچ کریں ۔ ایک مرتبہ شیخ نورالدین نے جب ان سے پوچھا کیا آپ شیخ فریدالدین کے بھائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں ان کا بھائی ہوں ۔ کسی عارف نے ان سے معلوم کیا آپ ہی نجیب الدین متوکل ہیں؟ فرمایا کہ میں تو ''متاکل'' (کھانے والا ہوں) نہ کہ متوکل ۔ ۹ رمضان ۶۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اور شیخ قطب الدین اوچھی کے پہلو میں دفن کیے گئے ۔ (اخبارالاصفیاء)

نصر سندھی، زنج قوم کے سربراہ

مؤرخ طبری ''تاریخ طبری'' کے اندر ۲۷۰ھ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ قوم زنج کے قائد کے رفیق و صاحب: سلیمان بن جامع نے دریائے دجلہ کے متصل جن قصبات و دیہات پر قبضہ کیا تھا، ان میں سے بیشتر پر ابوالعباس بن موفق نے قبضہ کرلیا۔ صینیہ میں بھی ان کے لشکر کی بھاری تعداد موجود تھی، جس کی قیادت نصر سندھی نامی ایک شخص کے ہاتھ میں تھی ۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے، اس کو ویران کر دیتے، جتنا اناج غلہ لے جاسکتے، اٹھا کر لے جاتے اور جہاں اقامت گزین ہوتے، اس جگہ کو آباد کرتے تھے ۔ ابوالعباس نے اپنے سپہ سالاروں کی ایک جماعت کو جس میں ~~شاہ~~ (دکمشجور) فضل بن موسیٰ بن بغا اور اس کا بھائی: محمد شامل تھے، گھوڑوں کے ساتھ صینیہ کی طرف روانہ کیا۔ ابوالعباس خود بھی اپنے وزیر نصیر کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور ''برمساور'' کو عبور کرلیا۔ زنجیوں کا لشکر بھی مقابلے کے لیے مقام ''ہرت'' تک پہنچ گیا۔ ابوالعباس نے بھی حکم دیا کہ تمام گھوڑوں کو دریائے دجلہ عبور کر کے ''ہرت'' پہنچایا جائے ۔ جب زنجیوں نے گھوڑے دیکھے تو وہ سخت دہشت زدہ ہوگئے اور فوراً کشتیوں میں جا بیٹھے اور تھوڑی ہی دیر میں شذا اور سمیریات ان کے قبضہ سے نکل گئے ۔ جب فرار کی کوئی راہ نظر نہ آئی تو زنجیوں نے

ہتھیار ڈال دیے۔ ان میں سے کچھ کو قتل اور کچھ کو قیدی بنالیا گیا۔ جب کہ بعض نے اپنے آپ کو دریائے دجلہ کی موجوں کے حوالے کر دیا۔ ابو العباس کے لشکر نے چاولوں سے بھری پری ان کی کشتیوں پر قبضہ کرلیا۔ نیز زنجیوں کے سردار نصر سندھی کو بھی پکڑ لیا۔ کچھ زنجی شکست کھا کر ''طبثا'' کی جانب فرار ہو گئے اور کچھ ''سوق الخمیس'' کی جانب۔ ابوالعباس بہت سارا مالِ غنیمت لے کر اور صینیہ کو فتح کرنے کے بعد زنجیوں کو وہاں سے جلاوطن کر کے اپنی جائے قیام واپس آیا۔

نصر سندھی کی بابت، اس سے زیادہ تفصیل راقم کو دست یاب نہ ہو سکی۔ یہ زنجیوں کا سپہ سالار تھا۔ ان کے ساتھ بنو عباس کی ضد میں جاملا تھا۔ یہ تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ (قاضی)

نصر اللہ بن احمد سندھی بغدادی

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابوالحسن نصر اللہ بن احمد بن قاسم بن سیما معروف بہ ابن السندی ''البیع'' باب الازج میں رہتے تھے۔ انھوں نے ابوالقاسم بن سنبک سے روایت حدیث کی اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے۔ یہ صدوق تھے۔

مزید لکھتے ہیں کہ ہم سے نصر اللہ بن احمد نے، ان سے عمر بن محمد بن ابراہیم مشاہد نے، ان سے محمد بن محمد بن سلیمان باغندی نے، ان سے علی بن عبداللہ مدینی نے، ان سے ملازم بن عمر یمانی نے، ان سے عبداللہ بدر حنفی نے اور ان سے قیس بن طلق نے اپنے والد حضرت طلق بن علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا:

''لدغتنی عقرب عند النبی ﷺ فرقانی و مسحھا''.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک بچھو نے مجھے ڈنک مار دیا تو آپ نے مجھ پر جھاڑ پھونک کی اور بچھو کو مار دیا''۔

ذی قعدہ ۴۳۳ھ میں نصر اللہ کی وفات ہوئی۔

نصر اللہ کے والد: ابو بکر احمد بن قاسم بن سیما بیع کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ باب الازج، مشرقی بغداد میں ایک بہت بڑا محلّہ تھا، جس میں بہت سے بازار اور متعدد محلے تھے۔ ان میں سے ہر محلّہ اتنا بڑا تھا کہ پورا ایک شہر معلوم ہوتا تھا۔ (قاضی)

نصر بن سندھی بغدادی

جاحظ نے اپنی مشہور کتاب ''البیان و التبیین'' میں لکھا ہے کہ بنی عباس کے غلاموں میں سے سندھی کے دونوں لڑکے: ابراہیم اور نصر بھی تھے۔ نصر تاریخ اور احادیث کے بڑے عالم تھے اور ابن الکلبی اور ہیثم کی حدیث سے تجاوز نہ کرتے تھے۔

نصر بن سندھی بن شاہک، خلیفہ ابو جعفر منصور کے آزاد کردہ غلام تھے اور خلافت عباسیہ کے اہم فرد شمار ہوتے تھے۔ ان کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے۔ (قاضی)

نصر بن شیخ حمید باطنی ملتانی

یہ بات واضح نہیں ہے کہ نصر بن شیخ حمید باطنی، ملتان کا حاکم تھا یا نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ چوتھی صدی ہجری کے نصف ثانی کا ہے۔

نفیس سندھی بغدادی

جاحظ نے ''البیان و التبیین'' میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے ایک خادم سے پوچھا کہ اس غلام نے کن لوگوں میں اسلام قبول کیا؟ تو اس نے بتایا کہ اصحاب سند نعال میں، اس سے اس کی مراد سندھی جوتے بنانے والے تھے۔ کتاب مذکور کے محشی نے اس پر لکھا ہے کہ جاحظ کے اس خادم کا نام ''نفیس'' تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جاحظ کے اس خادم نفیس کا تعلق شہر ''کنبایت'' سے تھا۔ اسی لیے اس کی صنعت کے سلسلے میں جوتوں کی جانب اشارہ کیا۔ کیوں کہ کنبایت کے بنے ہوئے جوتے عرب اور عراق کے بازاروں میں تیسری صدی تک بہت

مشہور تھے جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے کہ ''کنبایۃ'' ہندوستان کا ایک شہر ہے، یہی وہ شہر ہے جس کی جانب ''نعال کنبائیۃ'' منسوب ہیں۔ یہ جوتے اسی شہر میں بنتے ہیں۔ نفیس سندھی تیسری صدی ہجری کا ہے۔ (قاضی)

شیخ الشیوخ: نوح بکری سندھی

ان کی بابت ''تحفۃ الکرام'' کی تحریر کا خلاصہ درج ذیل ہے:

شیخ الشیوخ نوح بھکری سہروردی، سندھ کے اجل اولیاء اللہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے کامل ترین مریدین وخلفاء میں سے تھے۔ بھکر میں جسے قدیم زمانے میں ''فرستہ'' کہا جاتا تھا، رہائش پذیر تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے، شیخ سہروردی سے بیعت ہونے اور اکتساب فیض کرنے کے بعد جب ان سے ملتان واپس جانے کی اجازت چاہی تو شیخ سہروردی نے اجازت دیتے ہوئے ان سے فرمایا کہ فرستہ، سندھ میں میرا ایک نہایت نیک تلمیذ رہتا ہے، وہ میرے پاس اپنا چراغ، بتی اور اس کا تیل لے کر آیا اور صرف مجھ سے اکتساب فیض کیا۔ جب تم سندھ جانا تو اس سے ضرور ملاقات کرنا۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شیخ بہاء الدین جس وقت فرستہ پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ نوح بھکری کی وفات ہو چکی ہے۔

شیخ بھکری ساتویں صدی ہجری کے تھے۔

نہق ہندی

ابن الندیم نے ''الفہرست'' کے اندر معلمین، مہندسین، ارثما طیقین، علمائے موسیقی، حساب دانوں، علمائے نجوم، مختلف آلات کے بنانے والوں، ارباب حیل وحرکات کے تذکرے کے ذیل میں لکھا ہے کہ انہی میں ''نہق ہندی'' بھی تھے۔ ان کی ایک کتاب کا نام ''کتاب الموالید الکبیر'' ہے۔

❁❁❁

باب: و

وطی کلمنجا، سلطان مالدیپ

تحفۃ الادیب میں وطی کلمنجا کی بابت تحریر ہے کہ اس نے ۶۱۰ ھ سے ۶۳۰ ھ تک پورے بیس سال مالدیپ پر حکومت کی۔ اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری دعتا سورمہاردن'' تھا۔

باب: ہ

ہارون بن محمد بھروچی اسکندرانی

حموی نے ''بروص'' بھروچ کی بابت لکھا ہے کہ ابو محمد ہارون بن محمد بن مہلب سلفی بھروچی ہندی کی نسبت اسی شہر کی جانب ہے۔ میری ان سے ملاقات ''اسکندریہ'' (مصر) میں ہوئی۔

یہ بہت نیک اور صالح تھے۔ مگر اپنا مافی الضمیر ، عربی یا فارسی میں بہ مشکل تمام ہی ادا کر پاتے تھے۔ یہ حج بیت اللہ کے شرف سے بہرور تھے اور اس وقت ''اسکندریہ'' کی ایک مسجد میں اذان دینے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔

موصوف کے متعلق مزید تفصیل نہ مل سکی۔ یہ ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ (قاضی)

ہارون بن موسی ملتانی سندھی

حیوانات کے تذکرے کے ضمن میں حموی نے لکھا ہے کہ ملتان، سندھ میں

ہارون بن موسیٰ نامی ایک شخص تھا یہ قبیلۂ ازد کا غلام تھا۔ علاوہ ازیں بلند پایہ شاعر، بہادر و بے باک، اپنی قوم میں معزز و صاحب وجاہت اور ملتان سے ملحقہ، سندھ کے علاقے کا حاکم تھا۔ ایک دفعہ یہ اپنے ایک قلعہ میں تھا کہ ہندوستان کے راجہ سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی۔ ہندوستان کے راجہ نے ہاتھیوں کے لشکر کو مقابلے کے لیے آگے کر دیا۔ یہ دیکھ کر ہارون بن موسیٰ اپنی افواج کی صف کے سامنے نمودار ہوا اور ہاتھیوں کے سردار، بڑے ہاتھی کی طرف کو بڑھا۔ ہارون نے اپنے کرتے کے نیچے پہلے سے ہی ایک بلی چھپا رکھی تھی۔ جب اس ہاتھی کے قریب پہنچا تو اس کے اوپر بلی چھوڑ دی۔ اس سے گھبرا کر بڑا ہاتھی بھاگ کھڑا ہوا اور یہی تدبیر اس راجہ کی شکست کا سبب ہوئی۔ راجہ مقتول ہوا اور مسلمان فتح یاب۔ ہارون بن موسیٰ نے ایک لمبی نظم کے اندر اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے:

أليس عجيباً بان تلقه ۞ له فطن الاسد فى جرم الفيل (۱)

مؤرخ ابو دلف نے ہارون بن عبداللہ ملتانی مولی ازد کی ''ملتانی'' نسبت کے پس منظر کے تعلق سے لکھا ہے کہ اس کے آباء واجداد، قدیم زمانے سے ملتان میں آباد ہیں اور ہارون کی پیدائش اور نشو ونما بھی ملتان ہی میں ہوئی۔ یہ بہت مشہور شاعر تھا۔ اس کے اشعار کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ہارون بن موسیٰ اور ہارون بن عبداللہ دونوں ایک ہی ہوں اور والد کے نام میں غلطی ہوگئی ہو۔ ہارون بن موسیٰ تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ (قاضی)

ہبۃ اللہ بن سہل سندھی اصبہانی

ہبۃ اللہ بن سہل سندھی نے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی کے شاگرد و خادم: ابو سعید محمد

---

(۱) یہ قصیدہ سترہ اشعار پر مشتمل ہے، حضرت قاضی صاحب نے درج کتاب کیا ہے، مگر ناچیز نے اختصار کے لیے حذف کر دیا۔ (ع، ر، بستوی)

بن علی بن محمد خشاب نیساپوری متوفی ۴۴۱ھ اور ابومعالی بغدادی سے روایت کی اور ان سے حافظ ابن عساکر اور علامہ سمعانی نے روایت کی۔

علامہ سمعانی نے ''الانساب'' کے اندر ابوسعید محمد بن علی بن محمد خشاب کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ہمارے لیے ان سے محمد بن فضل فرادی اور ہبۃ اللہ بن سہل سندھی نے روایت کی۔

امام ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام ابومعالی بغدادی متوفی ۴۷۶ھ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے ہبۃ اللہ بن سندھی سے اصبہان میں سماع حدیث کیا ہے۔

ہبۃ اللہ بن سہل سندھی جیسے عظیم المرتبت شیخ وعالم کے حالات مزید نہ مل سکے۔ یہ نہ صرف حدیث کے عالم تھے، بلکہ اس میں امام بھی تھے۔ اصبہان میں رہتے تھے۔ ان کا تعلق پانچویں صدی ہجری سے تھا۔ (قاضی)

ہدی کلمنجا، سلطان مالدیپ

تحفۃ الادیب میں مذکور ہے کہ ہدی کلمنجا کی ماں کا نام ''ہریاماواکلع'' تھا، جو قہر یاماواکلع کی لڑکی تھی۔ ہدی کلمنجا کا جدی نسب تو تاریخ میں مذکور ہے۔ یہ ۶۵۵ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور ۶۶۲ھ تک پورے سات سال حکومت کی، اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری ویرابارن مہاردن'' تھا۔

ہلی کلمنجا، سلطان مالدیپ

تحفۃ الادیب ہی میں ہلی کلمنجا کی بابت بھی تحریر ہے کہ ایدع ماواکلع نامی خاتون نے بوقہل کلوالکندری سے شادی کی، جس سے سلطان ہلی کلمنجا پیدا ہوا۔ الکندری مالدیپ کے ایک جزیرہ کا نام ہے۔ اس نے ۶۶۴ھ سے ۶۶۶ھ تک محض ڈیڑھ برس ہی حکومت کی۔ اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری سنھا ابارن مہاردن'' تھا۔

ہیمو، ملکۂ سندھ

ہیمو، سنکھار بن دودہ بن بھونگر بن سومرہ کی بیوی تھی۔ سنکھار کا چوں کہ کوئی لڑکا نہ تھا، جو تخت و تاج کا وارث ہوتا، اس لیے اس کی بیوی نے ہی امور سلطنت اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور ''شہر طور و تہری'' کے خاندان سومرہ کے تخت پر اپنے بھائیوں کو بٹھا دیا۔ یہ دیکھ کر سومرہ خاندان کے ایک شخص اور ''قلعہ دھمکہ'' کے حاکم: ''دودہ'' نے چند دنوں کے بعد، ملک کے اطراف و اکناف سے اپنی قوم کے افراد اور اپنے بھائیوں کو یکجا کر کے ''ھیمو'' کے بھائیوں سے جنگ کی اور انھیں ''شہر طور و تہری'' کی سلطنت سے بے دخل کر دیا۔ (تحفۃ الکرام)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سومرہ، سندھ کا ایک خانہ بدوش خاندان تھا، جس نے سندھ پر قبضہ کر کے ۴۴۵ھ سے ۷۵۲ھ تک حکومت کی۔ اس خاندان کی تاریخ بالکل معلوم نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ زمانہ قدیم سے اس خاندان کے لوگ سندھ میں رہ رہے ہیں۔ آل تمیم سے تعلق رکھنے والے آخری عباسی گورنر کے بعد سے سندھ میں ان کی حکومت رہی۔ درحقیقت سندھ پر قبضہ بنو تمیم کے عہد تک اس خاندان کے بعض افراد کا ہی تھا۔ بنو تمیم کے بعد یہ خود مختار حاکم بن گئے اور ۵۵۰ھ تک حکومت و سلطنت ان کے ہاتھ میں رہی۔ منتخب التواریخ میں مذکور ہے کہ سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی جب بادشاہ بنا اور اس کی حدود سلطنت، سندھ تک پہنچ گئی تو چوں کہ یہ کم عقل بے وقوف اور امور مملکت سے لاپرواہ تھا، اس لیے امرائے سندھ نے بغاوت کر دی۔ اور ''تہری'' کے نواحی علاقوں میں خاندان سومرہ کے کچھ لوگوں نے بھی ۴۴۵ھ میں خروج کیا اور اپنے ہی خاندان کے ایک شخص ''سومرہ'' کو اپنا حکمراں نامزد کر دیا۔ جب کہ یہ لوگ سندھ کے نواحی علاقوں پر دو سو سال سے قابض چلے آ رہے تھے۔ تاہم خلفائے بنو عباس کے فرماں بردار تھے اور

انھیں سالانہ خراج بھی ادا کرتے تھے۔

امرائے خاندانِ سومرہ کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ دیگر اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگوں پر مہر لگا دیا کرتے اور کہتے کہ یہ سارے لوگ ہمارے غلام ہیں۔ یہ خود تو عمامہ باندھتے، مگر دوسروں کو یہ حکم تھا کہ سروں پر بٹی ہوئی رسی باندھا کریں، عمامہ نہ باندھیں۔ اسی طرح یہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے ناخن جڑ سے اکھاڑ ڈالتے اور وجہ جواز کے طور پر کہا کرتے تھے کہ اس طرح ہم، دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ جب کسی عورت کے یہاں ولادت ہوتی تو یہ اس کے پاس نہیں جاتے بلکہ اسے یوں ہی عضو معطل بنا کر چھوڑ دیتے۔ کچھ دنوں بعد ایک ذہین عورت نے ایک تدبیر اختیار کی، جس سے یہ عادت ختم ہوگئی۔ یہ لوگ بھیڑ کے بھنے ہوئے گوشت کے ہمراہ شراب پیتے تھے اور اس سلسلے میں یہاں تک ظلم و تعدی سے کام لیتے کہ اگر کسی گھر پر مرد نہ ہوتے تو عورتوں سے ہی بھیڑ جبراً لے جایا کرتے۔ بعد میں اسی بات کو لے کر سومرہ اور سمہ قوموں کے درمیان شدید جنگ ہوئی اس کے بعد سے ''سمہ'' کے لوگ سندھ کی حکومت و ریاست پر قابض ہوگئے۔ اس سے پہلے قوم ''سمہ'' زمین دار اور کاشت کار تھی۔ (تحفۃ الکرام)

علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ خاندان سومرہ کے لوگ اسماعیلی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور کھانے پینے، نیز شادی بیاہ کی بعض کفریہ رسوم بھی ان کے یہاں پائی جاتی تھیں۔ بایں ہمہ یہ لوگ خود کو مسلمان شمار کرتے تھے اور اپنا لقب ''ملک فیروز'' رکھ رکھا تھا۔ ان کا مذہب، قرامطہ اور اسماعیلیوں کے مذاہب کا ملغوبہ تھا۔ انہی لوگوں نے ہندوستان میں یہ بات پھیلائی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ''وشنو'' کے مظہر اور اوتار ہیں۔ حکام سومرہ کے پاس، اسماعیلیوں کے مرکز: قلعۃ الموت سے مبلغین آیا کرتے تھے۔ ان کی حکومت کم از کم تین سو پچھتر سال، سلطان محمد تغلق کے عہد تک رہی۔ ۷۵۲ھ میں ان کے ہاتھ سے حکومت چھن گئی۔ (عرب و ہند کے تعلقات)

خاندان سومرہ کے حکام وامراء اوران کی مدتِ سلطنت درج ذیل ہے:

۱- سومرہ اول

۲- بھونگر بن سومرہ اول، وفات: ۴۶۱ھ مدت حکومت: ۱۵؍سال

۳- دودہ بن بھونگر اول: ۲۴؍سال

۴- سنگھار: ۱۵؍سال

۵- حفیف: ۳۳؍سال

۶- عمر: ۴۰؍سال،

۷- دودہ ثانی: ۱۴؍سال

۸- بھٹو: ۳۳؍سال،

۹- کھینرہ اول: ۱۶؍سال

۱۰- محمد طور: ۱۵؍سال

۱۱- کھینرا ثانی: چند سال

۱۲- دودہ ثالث: ۱۴؍سال

۱۳- طائی: ۲۴؍سال

۱۴- چنیسر: ۱۸؍سال

۱۵- بھونگر ثانی: ۱۵؍سال

۱۶- خفیف: ۱۸؍سال

۱۷- دودہ رابع: ۲۵؍سال

۱۸- عمر: ۳۵؍سال

۱۹- بھونگر ثالث: ۱۰؍سال

۲۰- حمیر۔ خاندان سومرہ کا آخری حاکم اس کی حکومت کا خاتمہ ۷۵۲ھ میں سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں ہوا۔ (عرب وہند کے تعلقات)

باب: ی

یحییٰ ابو معشر سندھی

امام ابو معشر محمد بن احمد بن حماد دولابی نے اپنی گراں قدر تالیف ''کتاب الکنی و الأسماء'' کے اندران حضرات کا تذکرہ کرتے ہوئے، جن کی کنیت ''ابو معشر'' ہے، لکھا ہے کہ ان میں سے ابو معشر یحیی سندھی مولی ابن ہاشم ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ میں نے عباس بن محمود سے سنا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ ابو معشر کا نام نجیح ہے اور وہ مولی ام موسی ہیں۔

غالباً صاحب تذکرہ دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سے پہلے امام دولابی نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کے تلمیذ: ابو معشر زیادہ بن کلیب اور ابو معشر یوسف بن یزید براء کا تذکرہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ابو معشر یحیی سندھی مولی ابن ہاشم اور ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مولی ام موسی بنت منصور میں واضح فرق ہے۔ جسے علامہ دولابی نے بھی بیان کیا ہے۔ (قاضی)

یحییٰ بن محمد اموی، حاکم سندھ

ابو دلف مسعر بن مہلہل نے اپنے سفر نامے کے اندر ''ملتان'' کے تذکرے میں تحریر کیا ہے کہ یہ شہر یحییٰ بن محمد اموی کے قبضہ میں ہے، جو منصورہ کا بھی حاکم ہے۔ بلکہ سندھ پورا کا پورا اس کے زیر نگیں ہے۔ ملتان میں حکومت مسلمانوں کی ہے اور اس کا کرتا دھرتا حضرت علی بن ابو طالب کی نسل میں سے ہے۔ جامع مسجد

اس عظیم شہر کے متصل ہی ہے۔ یہاں اسلام کی شان وشوکت ظاہر و باہر ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خوب رواج ہے۔ یہاں سے روانہ ہو کر میں سندھ کے ایک شہر ''منصورہ'' گیا، جہاں خلیفہ اموی مقیم تھا، یہ اپنے نام کا خطبہ پڑھتا اور حدود وقصاص نافذ کرتا ہے۔ یہ تمام سندھ کیا خشکی، کیا سمندر سب کا مالک ہے۔ منصورہ سے سمندر کا فاصلہ پچاس فرسخ ہے۔ اس کے ساحل پر شہر ''دیبل'' ہے۔ حموی نے چین کے تذکرے میں ایسا ہی لکھا ہے۔

یحییٰ بن محمد اموی، تیسری صدی ہجری کا ہے۔ لگتا ہے کہ اس کی ولادت اور نشو ونما سب کچھ سندھ ہی میں ہوئی۔ یہ سندھ کے بیش تر علاقوں کا حاکم تھا۔ اس کے دور حکومت میں اسلامی قوانین کا نفاذ بھرپور انداز میں رہا۔ اس حوالے سے آج بھی، اس اطراف میں اس کی خاصی شہرت ہے۔ (قاضی)

یزید بن عبداللہ قرشی بیسری ہندی

امام ابن ابو حاتم رازی نے ''**کتاب الجرح والتعدیل**'' میں تصریح کی ہے کہ یزید بن عبداللہ قرشی بیسری نے عمر بن محمد عمری سے روایت حدیث کی اور خود یزید سے علی بن ابو ہاشم طبراخ وغیرہ نے۔ نیز لکھا ہے کہ یہ بات میں نے اپنے والد سے سنی ہے۔

مسعودی نے ''صیمور'' کے بیان میں لکھا ہے کہ یہاں تقریباً دس ہزار بیاسرہ آباد ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ ''بیاسرہ'' سے مراد وہ مسلمان ہیں، جن کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی، بیاسرہ ان کا لقب ہے۔ بیاسرہ کا واحد ''بیسر'' ہے اور جمع 'بیاسر''

گجراتی زبان میں ''بے'' دو کو کہا جاتا ہے۔ جب کہ ''سرہ'' راس کو۔ اس طرح ''بیسر'' کا معنی ہوتا ہے ''ذوراسین'' دوسروں والا۔ اس سے مراد ایسا شخص ہے جس کے والدین میں سے ایک ہندی نژاد ہو اور دوسرا عربی نژاد۔ غالباً یزید بن عبداللہ تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ (قاضی)

یعقوب بن مسعود بن سلیمان اجودھنی

شیخ یعقوب بن فریدالدین بن سلیمان بن احمد بن یوسف بن محمد بن فرخ شاہ عمری اجودھنی، حضرت شیخ مسعود فریدالدین کے سب سے چھوٹے صاحب زادے تھے۔ یہ جودوکرم اور سخاوت و دریادلی میں بہت مشہور تھے۔ ملامتیہ جارہے تھے کہ نواحی امروہہ میں قتل کردیے گئے۔اور پھر کچھ پتہ نہ چل سکا۔

شیخ محمد بن مبارک کرمانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ، یعقوب کے ہمراہ ''اودہ'' گیا۔ اتفاق سے اسی شب حاکم اودہ شدید بیمار ہوگیا۔ اس کے پیٹ میں حد درجہ درد پیدا ہوگیا۔ اطباء نے ہر ممکن علاج کیا، مگر بجائے شفا کے مرض مزید شدت اختیار کرگیا۔ تب کسی نے کہا کہ شیخ یعقوب بن شیخ فریدالدین آج کل یہاں آئے ہوئے ہیں، لہٰذا انھیں بلوایا جائے۔ چناں چہ آپ تشریف لائے۔ حاکم اودہ کے پاس بیٹھ گئے اور اس کے پیٹ پر اپنی دو انگلیاں رکھ کر کچھ پڑھا اور اللہ رب العزت نے اسی لمحے شفا دے دی۔ اس سے خوش ہوکر حاکم اودہ نے انھیں بہت سارا مال اور بیش قیمت کپڑے ازراہ نوازش عطا کیے۔ مگر آپ نے سارا کا سارا اس کے حاجبوں اور دربانوں میں تقسیم کردیا اور خود کچھ بھی نہ لیا۔ (کرامات الاولیاء)

یوسف اول، سلطان مالدیپ

تحفۃ الادیب میں اس کی بابت تحریر ہے کہ یوسف اول، سلطان علی کلمنجا بن سلطان محمد اود کلمنجا بن سلطان وطبی کلمنجا کا حقیقی بھائی تھا۔ اس نے ۶۸۶ھ سے ۶۹۳ھ تک کل سات سال، مالدیپ پر حکومت کی۔ اہل مالدیپ کی زبان میں اس کا لقب ''سری بونا دیت مہاردن'' تھا۔

باب الآباء

ابو جعفر سندھی

امام ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں عمرو بن مالک راسبی کی بابت لکھا ہے کہ امام ترمذی نے بیان کیا کہ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ عمرو بن مالک کذاب ہے، اس نے ابو جعفر سندھی کی کتاب بہ طور عاریت لے کر اس میں بہت سی احادیث ملحق کر دیں۔

ابو جعفر سندھی کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی بات راقم کو نہ مل سکی۔ مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عظیم المرتبت محدث تھے اور ان کی ایک کتاب بھی تھی۔ یہ تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے۔ (قاضی)

ابو حارثہ ہندی بغدادی

ابو حارثہ، خلیفہ مہدی عباسی کے دور خلافت میں سرکاری بیت المال کے خزانوں کے نگراں اور ذمے دار تھے۔ مسعودی نے "مروج الذہب" میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی خاص و عام کے نزدیک ہر دل عزیز تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی گزشتہ حکومتوں کی جانب سے کیے گئے مظالم پر نظر ثانی کی، لوگوں کے قتل سے باز رہا، ڈرنے اور گھبرانے والوں کو امن دیا، مظلوم کے ساتھ انصاف کیا اور خوب داد و دہش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ منصور کے زمانے میں جو چھ لاکھ درہم اور چودہ ہزار دینار بیت المال میں جمع کیے گئے تھے، وہ سارے نیز مہدی کے دور میں جو کچھ وصول کیا گیا تھا، سارا کا سارا ختم ہو گیا۔ جب بیت

المال خالی ہو گیا تو بیت المال کے خازن ونگراں ابو حارثہ ہندی نے مہدی کے پاس آ کر بیت المال کی چابیاں اس کے سامنے پھینک دیں اور کہا جب سارا خزانہ ختم ہو گیا تو ان چابیوں کا اب کیا کام؟ یہ سن کر مہدی نے خراج وعشر کی وصولی کے لیے بیس آدمیوں کو حکم دیا۔ چناں چہ چند ہی دنوں میں بہت سارا مال بیت المال میں آ گیا، اس کے سبب ابو حارثہ تین روز تک خلیفہ مہدی کی خدمت میں نہ آ سکے۔ جب تین روز کے بعد آئے تو مہدی نے پوچھا تاخیر کیوں ہوئی؟ ابو حارثہ نے کہا کہ بیت المال کے اموال کی ترتیب وتصحیح میں لگا رہا، اس لیے نہ آ سکا۔ اس پر مہدی نے کہا تم اعرابی اور احمق ہو۔ یہ سمجھتے ہو کہ بیت المال جب خالی ہو گیا تو اگر ہمیں ضرورت پڑی، پھر پیسے نہیں آ سکتے۔ اس پر ابو حارثہ نے کہا حادثہ جب پیش آتا ہے تو اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ آپ مال کی وصولی کر کے اسے جمع کر لیں۔

مؤرخ ابن خلکان نے بھی اپنی تاریخ میں والی خراسان: ابو عبداللہ داؤد بن عمر بن طہمان سلمی کے تذکرے میں یہی بات تحریر کی ہے۔ چناں چہ لکھا ہے کہ ابو حارثہ ہندی بیت المال کے خازن تھے۔ جب بیت المال کا خزانہ خالی ہو گیا تو خلیفہ مہدی کے پاس آ کر کہا کہ جب سارا مال آپ نے خرچ کر ڈالا تو ان چابیوں کا کیا مطلب؟ اس لیے آپ کسی سے کہیں کہ چابیاں مجھ سے لے لے۔ خلیفہ مہدی نے کہا نہیں چابیاں اپنے پاس ہی رہنے دو، چند ہی دنوں میں پیسے آ جائیں گے۔ چناں چہ وصول یابی کے لیے اپنے کارندے روانہ کر دیے اور تھوڑے سے عرصے میں بہت سارا دُرہم ودینار بیت المال میں آ گیا۔ ادھر خلیفہ نے دادودہش میں اپنا ہاتھ ذرا سا روک لیا۔ نتیجتاً اتنا مال جمع ہو گیا کہ ابو حارثہ اس کی ترتیب وتصحیح میں مشغول ہونے کے سبب تین روز تک خلیفہ کے یہاں نہ آ سکے۔ اس نے حاضرین دربار سے پوچھا کہ اس احمق اعرابی کو کیا ہو گیا؟ جب اس سے تاخیر کی وجہ بتائی گئی تو اس نے ابو حارثہ کو بلوایا اور کہا اتنی تاخیر کیوں کی؟ ابو حارثہ نے جواب دیا کہ درہم ودینار بہت

جمع ہو گئے تھے۔ اس پر خلیفہ نے کہا احمق !تم یہ سمجھتے تھے کہ اب درہم ودینار ہمارے پاس نہیں آئیں گے؟ ابو حارثہ نے عرض کیا امیر المومنین ! جب کوئی بات پیش آجائے اور پیسوں کی ضرورت پڑے، وہ کام بغیر پیسوں کے ہونے والا نہ ہوتو اسے اس بات کا انتظار نہیں ہوتا کہ آپ کارندے بھیج کر پیسے یک جا کر لیں۔

مہدی نے ابو حارثہ سے جو یہ کہا کہ ''انت اعرابی احمق'' تو اس سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ ابو حارثہ ہندی نہیں تھے۔ اس لیے کہ اہل عرب ''اعرابی'' بدو کو کہتے ہیں، چاہے وہ عربی نہ ہو۔

ابورواح سندھی بصری

جاحظ نے ''کتاب الحیوان'' میں لکھا ہے کہ خرچ کرنے کے سلسلے میں اہل سندھ کا ایک خاص مزاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بصرہ میں جتنے صراف ہیں، سب کے یہاں ''کیشیر'' کوئی نہ کوئی سندھی ہی ہے۔

اسی نقطۂ نظر سے محمد بن سکن نے ابورواح سندھی کو خریدا تھا، جس نے انھیں بہت سارا مال کما کر دیا۔

ابورواح سندھی، مولی محمد بن سکن کا تعلق تیسری صدی ہجری سے تھا اور یہ بہت بڑے صراف تھے۔ (قاضی)

ابوزھر برختی ناخدا ہندی سیرافی

بزرگ بن شہریار نے ''عجائب الھند'' میں تحریر کیا ہے کہ ابو زھر برختی ناخدا، سیراف کے بڑے اور سر برآوردہ افراد میں سے تھے اور اہل ہند کے مذہب کے پیروکار مجوسی تھے۔ مگر تمام اہل سیراف کی نظر میں امانت دار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ ان کی بات مانتے اور ان کے یہاں اپنے روپے پیسے اور اپنی والاد کو چھوڑ

جاتے تھے۔ بعد میں اسلام قبول کرلیا اور بہت نیک وصالح ہوگئے۔ جزیرۃ النساء کی رہنے والی ایک خاتون کو پیغام نکاح دینے کی وجہ سے حج بھی کیا۔

ابوزھر برختی ناخدا، چوتھی صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے۔ (قاضی)

ا۲۔ سالمہ زوطی ہندی بصری

یہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ''سیابجہ'' کے والی تھے۔ نہایت نیک طبیعت کے آدمی تھے۔ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ جماعت سیابجہ، بصرہ کے بیت المال میں ملازم تھے۔ ان کی تعداد ایک روایت کے مطابق چالیس تھی اور دوسری روایت کے مطابق چار سو۔ جب حضرت طلحہ بن عبداللہ اور حضرت زبیر بن عوام بصرہ آئے، اس وقت عثمان بن حنیف انصاری، حضرت علی کی جانب سے والی بصرہ تھے تو جماعت سیابجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری تک، بیت المال ان کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ انکار پر انھوں نے علی الصباح ''سیابجہ'' پر اچانک حملہ کرکے انھیں قتل کرڈالا۔ اس حملہ آور جماعت کی قیادت حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت سیابجہ کے والی ابوسالمہ زوطی تھے، جو خود ایک نیک آدمی تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قدیم زوطیوں اور سیابجہ کو شام اور انطاکیہ کے ساحلی علاقوں میں بھیج دیا تھا۔ اسی طرح خلیفہ ولید بن عبدالملک نے بھی کچھ زوطیوں کو انطاکیہ اور اس کے اطراف میں منتقل کردیا تھا۔

سیابجہ اصل میں ''سیاہ بچہ'' ہے۔ سیاہ بچہ، سندھ کے بہادر اور زور آور لوگوں کو کہا جاتا تھا۔ ابن الفقیہ ہمدانی نے ''کتاب البلدان'' میں ''یمن'' کے بارے میں لکھا ہے کہ امام کلبی فرماتے ہیں کہ مصر میں سب سے بہادر اور جری لوگ، قبط ہیں، شام میں ''جراجمہ''، الجزیرہ میں ''جرامقہ'' اہل سواد میں نبط، سندھ میں قوم سیابجہ، عمان میں مزرن اور یمن میں سامران۔

''زط'' جاٹ کا معرب ہے۔ جاٹ، زمانۂ جاہلیت ہی میں عرب پہنچ گئے تھے اور ان میں سے ایک بڑی تعداد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی لشکر میں بھی شامل تھی۔ انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور تاریخ اسلام میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ (قاضی)

بلاذری نے لکھا ہے کہ زوطی (جاٹ) اہل فارس کی فوج میں شامل تھے، انھیں اہل فارس نے قید کرلیا تھا۔ یہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے جو لڑنے والے تھے، انھیں گرفتار کرلیا تھا۔ جب انہوں نے ''اساورہ'' کا انجام سنا تو اسلام قبول کرلیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی خدمت میں آئے۔ آپ نے اساورہ کی طرح انھیں بھی بصرہ میں آباد کیا۔ اسی ذیل میں بلاذری نے مزید لکھا ہے کہ شیرویہ اسواری نے انھیں خالد بن معمر اور بنی سدوس کے ہمراہ قبیلۂ بکر بن وائل میں آباد کرنا چاہا، مگر انھوں نے اس کو منظور نہ کیا اور بنو تمیم میں آباد ہوئے۔ اس وقت تک بصرہ میں نہ تو قبیلۂ ازد کے لوگ تھے اور نہ ہی عبد شمس کے۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ سیابجہ، اساورہ کے ساتھ شامل ہوگئے۔ جب کہ قبول اسلام سے پہلے یہ لوگ اور زوطی دونوں ہی ساحلی علاقوں میں رہتے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ گھاس اور چارے کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے تھے۔ جب اساورہ، زوطی اور سیابجہ یک جا ہوگئے تو قبیلۂ بنو تمیم کے لوگوں نے ان سے جھگڑا کرنا شروع کردیا۔ اس کے نتیجے میں اساورہ تو بنو سعد کے ساتھ ہوگئے اور زوطی اور سیابجہ بنو حنظلہ کے ساتھ اور کفار و مشرکین سے ان کے ساتھ جنگیں بھی کیں۔ یہ لوگ ابن عامر کے ہمراہ ''خراسان'' بھی گئے، مگر نہ تو جنگ صفین میں انھوں نے حصہ لیا، نہ ہی جنگ جمل میں شریک ہوئے۔ نیز ابن عامر کے ساتھ قبیلۂ بنو اشعث کے ایک مسئلے میں بھی شریک رہے۔ اس کی وجہ سے حجاج نے ان میں سے بہت سوں کو ادھر ادھر منتشر کردیا، مکانات منہدم کردیے، وظیفے کم کردیے اور کچھ کو تو جلاوطن کردیا۔ اور ان

سے کہا کہ شرط یہ ہے کہ تم ہمارے درمیان ہونے والی جنگ میں کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دو گے مگر انھوں نے اپنے اوپر عائد کی جانے والی سیاسی زندگی سے کنارہ کش رہنے کی شرط کے باوجود، سیاسی زندگی میں حصہ لینا شروع کیا اور انھیں اپنی جبلی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کا بھرپور میدان بھی میسر آ گیا۔

چناں چہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ حجاج نے سندھ سے وہاں کے زوطیوں کی ایک بڑی تعداد، نیز سندھ کی بعض دوسری قوموں کو مع اہل وعیال و مویشی لاکر ''کسکر'' کے نشیبی علاقے میں آباد کیا تو یہ اس نشیبی علاقے کے پورے حصے پر قابض ہو گئے اور وہاں ان کی نسلیں بھی خوب پھلیں پھولیں۔ اسی کے ساتھ بہت سے بھگوڑے غلام اور محمد بن سلیمان بن علی کے ماموں اور قبیلۂ باہلہ کے غلام بھی ان کے ساتھ جا ملے۔ اس سے انھیں قزاقی اور سلطان کی حکم عدولی کا حوصلہ ہوا۔ اس سے پہلے یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے کہ سلطان سے کوئی معمولی سی چیز مانگ لیتے یا کسی کشتی پر حملہ کر کے جتنا لوٹ سکتے، لوٹ لیتے تھے۔ مامون رشید کے عہد امارت میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ لوگ ان کے علاقے سے نہایت احتیاط کے ساتھ گزرتے تھے۔ اس قزاقی کے سبب، بصرہ سے جو کشتیاں سامان لے کر بغداد آتی تھیں وہ سب رک گئیں۔ لیکن جب معتصم باللہ خلیفہ ہوا تو اس نے خود کو ان کے لیے فارغ کر کے ''عجیف بن عنبہ'' نامی ایک خراسانی شخص کو ان سے جنگ کرنے کی ذمے داری سونپی اور بہت سے نامی گرامی سپہ سالار اور ایک لشکر جرار اس کے ساتھ روانہ کیا۔ نیز عجیف نے اس مقصد کے لیے جتنے پیسے طلب کیے، بلا چون و چرا فراہم کئے۔ عجیف نے ان نشیبی علاقوں اور بغداد کے درمیان ہلکے پھلکے اور چھریرے بدن کے گھوڑے جا بجا تعینات کر دیے۔ اس کی وجہ سے زوطیوں کی خبریں دن میں بھی مختلف اوقات میں اور رات کے ابتدائی حصے میں بغداد پہنچ جایا کرتی تھیں۔ معتصم کے حکم پر عجیف نے بھاری سامان خورد ونوش کے ساتھ دریا میں کشتیاں داخل کر دیں۔ جب زوطی انھیں لوٹنے آئے تو سب کے سب گرفتار

کر لیے گئے، ایک بھی بچ کر نہ جا سکا اور عجیف انھیں چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار کر کے بغداد لے آیا۔ معتصم نے ان میں سے کچھ کو تو ''خانقین'' میں بسایا اور باقی کو ''عین زربہ'' اور سرحدی علاقوں میں منتشر کر دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ زوطی بنوامیہ اور بنو عباس دونوں زمانوں میں اپنی ایک الگ اکائی بنانے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح بصرہ، واسط اور بغداد کے درمیان نشیبی علاقوں میں انھیں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے مناسب جگہ بھی مل گئی تھی۔ بصرہ اور واسط کا یہ درمیانی نشیبی علاقہ، بہت وسیع و عریض تھا۔ یہاں کبھی دریائے دجلہ میں طغیانی کے سبب سیلاب آیا تھا، جس کی وجہ سے مزید وسیع ہو گیا تھا۔

مؤرخ ابن اثیر نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ بحرین میں بھی تھے اور لکھا ہے کہ زوطی اور سیابجہ بحرین کے علاقہ ''خط'' میں رہتے تھے۔ ۲۰۵ھ میں مامون رشید نے عیسی بن یزید جلودی کو ان کے مقابلے کا حکم دیا۔ پھر ۲۰۶ھ میں داؤد بن ماسحور کو اس مہم کے لیے نامزد کیا۔ اس کے بعد ابن اثیر نے بھی عجیف بن عنبہ کی ان کے ساتھ جنگ کی وہی بات لکھی ہے، جو ابھی مذکور ہوئی اور یہ کہ یہ جنگ ۲۱۹ھ میں ہوئی۔

مسعودی نے ''کتاب التنبیه والاشراف'' میں تصریح کی ہے کہ جب خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے عمال و گورنروں نے اس کے عہد میں ظلم و زیادتی کی تو ہندوستان کی ملاح قوم، جن کے پاس کشتیاں اور لشکر عظیم تھا، انھوں نے ساحل فارس، عمان، بصرہ اور واسط کے درمیانی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ پھر زوطیوں نے نشیبی علاقوں نیز بصرہ، واسط اور بغداد کے تمام مقبوضہ علاقوں سے انھیں بے دخل کر دیا اور خود قزاقی اور خوں ریزی کرنے لگے۔ یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں تھے جو ہندوستان کی ہوش ربا گرانی کے سبب وہاں سے نقل مکانی کر کے کرمان، اہواز کے اطراف واکناف اور فارس میں آباد اور ان پر قابض بھی ہو گئے۔ جب ان کی حیثیت بہت مستحکم ہو گئی اور گرفت مضبوط تو معتصم نے انھیں خانقین، جلولاء، عین زربہ اور شام

کے سرحدی علاقوں میں منتشر کر دیا۔ اسی وقت سے شام میں بھینسوں کا رواج ہوا، اس سے پہلے بھینسوں کو وہاں کوئی جانتا ہی نہیں تھا۔ جب کہ ایک روایت یہ ہے کہ شام کے سرحدی اور ساحلی علاقوں میں بھینسوں کی ابتداء بصرہ، بطائح اور طفوف میں آباد آل مہلب کی بھینسوں سے ہوئی۔ بعد میں جب یزید بن مہلب قتل کر دیا گیا تو یزید بن عبدالملک بن مروان نے بہت سے زطیوں کو ان علاقوں میں منتقل کر دیا۔

زطی، قدیم زمانے سے ہی ان ممالک میں موجود تھے اور ان کا بڑا اثر و رسوخ بھی رہا اور تمام لوگوں میں یہ ممتاز بھی تھے۔ چناں چہ اصطخری نے لکھا ہے کہ جغرافیہ نویسوں نے عام طور پر، ان ممالک میں بہت سی جگہوں، مقامات اور بستیوں کے نام زطیوں کے نام پر لکھے اور بہت سے علاقے ''زط'' کی نسبت کے ساتھ مشہور بھی ہوئے۔ (قاضی)

ابوسعید مالکی ہندی

علامہ سمہودی نے ''وفاء الوفاء'' میں روضۂ اقدس کے آدابِ زیارت کے ضمن میں لکھا ہے کہ برہان ابن فرحون نے علمائے مالکیہ میں سے ابوسعید ہندی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص روضۂ اقدس کے پاس ٹھہرنا چاہے تو اسے دیر تک نہ ٹھہرنا چاہیے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا سلام ذکر کیا اور فرمایا کہ یہی حضرت عمرؓ کا طریقہ تھا۔ امام مالکؒ نے بھی دیر تک کھڑا نہ ہونے کی بابت ابن عمرؓ کی پیروی کی ہے۔ جب کہ بعض دوسرے علمائے مالکیہ نے طول قیام کو پسند کیا ہے اور یہی اکثر علمائے مالکیہ کا مسلک ہے۔

ابوسعید ہندی کے بارے میں مزید کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ مذکورہ بالا عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا شمار کبار علمائے مذہب مالکی میں ہوتا تھا، مسائل کی بابت جن کے اقوال نقل کیے جاتے تھے۔

ابوسندھی

ان کا پورا نام سہیل بن ذکوان مکی واسطی ہے۔

ابوصلع سندھی

علامہ ابن الندیم نے ''الفہرست'' میں اسلامی عہد کے بعض شعراء نیز شعرائے محدثین اور اپنے زمانے تک ان شعراء کے اشعار کی مقدار کے بیان میں ابو صلع سندھی کا بھی ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شعرائے ممالیک میں سے ابوصلع سندھی بھی ہیں۔ ان کے اشعار تیس اوراق پر مشتمل ہیں۔

مقالۂ رابعہ کے فن ثانی میں لکھا ہے کہ جب ہم یہ لکھتے ہیں کہ فلاں شعر، دس ورق کا ہے، تو ورق سے ہماری مراد، ورقِ سلیمانی ہوتی ہے، جس کے ایک صفحے پر بیس سطریں ہوتی ہیں۔ اس لیے جتنے اشعار کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ کم ہوں یا زیادہ انھیں اسی مقدار پر مشتمل سمجھا جائے۔ ہم نے یہ بات از راہ تقریب لکھی ہے اور مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے دیکھا ہے، اس کی بنیاد پر لکھا ہے، نہ کہ شمار کرنے کے مقصد سے۔ اس طرح ابوصلع سندھی کے کل اشعار کی تعداد بارہ سو ہوتی ہے۔

علامہ قزوینی نے ''آثار البلاد'' میں ذکر کیا ہے کہ ابوصلع سندھی نے درج ذیل اشعار کہے:

لقد أنكر أصحابی وما ذلك بأمثل ۞ إذا ما مدح وسهم الهند فی المقتل(۱)

''میرے احباب نے اس کی خوبیوں کا انکار کردیا، حالاں کہ تعریف کے وقت جب کہ ہندوستانی تیر مقتل میں ہو، یہ انکار اچھا نہیں''۔

(۱) قاضی صاحبؒ نے یہاں کل آٹھ اشعار ذکر کیے ہیں، مگر اختصار کے سبب راقم نے صرف پہلا شعر لیا ہے۔ (ع.ر.بستوی)

ابو صلع سندھی، قومی شاعر تھے اور غالباً یہ دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔(قاضی)

ابوعطاء سندھی کوفی

علامہ ابو الفرج اصبہانی نے ''کتاب الأغانی'' میں لکھا ہے کہ ابو عطاء سندھی کا پورا نام یہ ہے: افلح بن یسار مولی بنی اسد، ومولی عنترہ بن سماک بن حصین اسدی۔نشو ونما کوفہ میں ہوئی۔ یہ مخضرمی ہیں عہد بنوامیہ اور عہد بنوعباس دونوں میں رہے ہیں۔انھوں نے بنوامیہ اور بنو ہاشم کی مدح بھی کی۔ ان کے والد: یسار سندھی عجمی تھے، زبان عربی فصیح نہ بولتے تھے۔اسی طرح خود عطاء کی زبان میں بھی لکنت شدیدہ تھی۔علامہ موصوف نے مزید لکھا ہے کہ ابوعطاء سندھی کا شمار خلفائے بنوامیہ کے شعراء اور ان کے ثناخوانوں میں ہوتا ہے۔یہ انھیں حد درجہ عزیز اور محبوب خاطر بھی تھے۔اگرچہ خلافت عباسیہ کا بھی کچھ زمانہ انھیں ملا، مگر اس میں ان کوئی خاص اہمیت اور پوچھ نہ ہوئی، اسی وجہ سے بنو عباس کی ہجو کی۔ان کی وفات خلیفہ منصور عباسی کے آخری دورِ خلافت میں ہوئی۔ابوعطاء سندھی، سب سے زیادہ برجستہ گو، حاضر جواب اور جری و بہادر تھے۔بنوامیہ اور بنوعباس کے درمیان ہونے والی جنگ میں یہ بھی شریک تھے۔جب انھیں آزاد کردیا گیا تو ان کے مال واسباب میں بہت زیادہ اضافہ ہوا، اس کے سبب ان کے سابقہ آقاؤں کو ضد اور لالچ ہوئی اور انھوں نے ان کے غلام ہونے کا دعوی کردیا۔ابوعطاء سندھی نے یہ بات اپنے بھائیوں سے بتائی تو انھوں نے کہا تم ان سے کتابت کا معاملہ کرلو۔ان لوگوں نے چار ہزار بدل کتابت مقرر کیا۔جسے ابوعطاء نے ادا کردیا اور آزادی حاصل کی۔

ابن قتیبہ نے ''کتاب الشعر والشعراء'' میں لکھا ہے کہ ابوعطاء سندھی کا نام مرزوق تھا اور یہ بنو اسد بن خزیمہ کے مولی تھے۔شعر بہت بلند کہتے تھے۔ مگر

زبان میں لکنت تھی۔ حماد نے بیان کیا کہ ایک روز میں، حماد عجرد، حماد بن زبرقان نحوی اور بکر بن مصعب مزنی ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے کہ آج ہماری مجلس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہے، کاش کہ ابوعطاء سندھی کو بھی بلا لیتے۔ چناں چہ ہم نے ابوعطاء سندھی کو بلانے کے لیے ایک آدمی کو بھیج دیا۔ پھر کہنے لگے کہ ابوعطاء سے مذاق کون کرے گا؟ یہاں تک کہ وہ کہنے لگے: حماد کہتے ہیں میں نے کہا کہ یہ کام میں کردں گا۔ اتنے میں ابوعطاء آگئے اور آتے ہی کہا ''مرهبامرهبا هياك الله'' ہائے ہوز کے ساتھ حائے حطی کی جگہ پر۔ ہم نے کہا اندر تشریف لایئے، وہ آگئے۔ ہم نے پوچھا کیا آپ نے شام کا کھانا کھالیا ہے؟ جواب دیا ہاں ''قد تاسيت'' ہم نے کہا پانی پئیں گے؟ کہنے ہاں ''قدسربت'' چناں چہ پانی پیا، یہاں تک کہ گردن کی رگیں پھول گئیں۔ حماد راویہ نے کہا ابوعطاء! آپ کی نگاہ کیسی ہے؟ کہنے لگے ٹھیک ہے ''دھسن''

جاحظ نے ''البيان و التبيين'' میں لکھا ہے کہ ابوعطاء نے اپنی ملاقات کو آئے ہوئے ایک شخص کی بابت جو ابوعطاء کی بیوی کو اشارہ کر رہا تھا یہ شعر کہا:

كل هنيئا وماشربت مرئيا ۞ ثم قم صاغرا فغبر كريم

لا أحب النديم يوهن بالعين ۞ إذا ماخلا بعرس النديم

''مزے سے کھاؤ، تم نے رغبت سے پانی نہیں پیا پھر ذلت کے ساتھ جاؤ تم معزز نہیں ہو۔ میں اپنے دوست سے محبت نہیں کرتا جو دوست کی بیوی کے ساتھ خلوت میں آنکھ سے اشارہ کرے''۔

جاحظ نے مزید لکھا ہے کہ ابوعطاء سندھی نے ابومعشر عبیداللہ بن عباس کندی سے کہا کہ انھوں نے تمہارے بھائی کو ہلاک اور تمہیں کافر قرار دے دیا ہے، اس کے بعد تمہارا کیا خیال ہے؟ پھر خود ہی عبیداللہ سے کہا کہ اگر جعفر زندہ ہوتا تو وہ نہ ہٹتا، مگر تم قتل کر دیے جاتے۔

شیخ محمد بن شاکر بن احمد کتبی نے ''فوات الوفیات'' میں لکھا ہے کہ افلح بن یسار ہی ابو عطاء سندھی مولی بنی اسد ہیں۔ ان کی پیدائش کوفہ میں ہوئی۔ انھوں نے خلافت امیہ اور خلافت عباسیہ دونوں کا زمانہ پایا ہے۔ ان کے والد سندھی نژاد عجمی تھے۔ عربی زبان صاف نہیں بولتے تھے۔ نیز ابو عطاء کی زبان میں بھی عجمیت اور لکنت تھی۔ جب یہ گفتگو کرتے، تو بات بہ آسانی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ انھوں نے سلیم بن سلیم کلبی کے متعلق چند اشعار کہے ان میں سے دو درج ذیل ہیں:

أعوزتني الرواة يا سليم! ۞ وأبىٰ أن يقيم شعري لساني

وغلا بالذي احجم صدري ۞ وجفاني لعجمتي ....سلطاني

''اے سلیم! میرے پاس راوی (ناقل کلام) نہیں ہیں، میری زبان اشعار ٹھیک نہیں ادا کر پاتی۔ میرے سینے نے راز ہائے نہاں کو عیاں کر دیا، میری قوت نے لکنت کے سبب مجھ سے بے وفائی کی''۔

چناں چہ ابن سلیم کے حکم پر ابو عطاء کو ایک ترجمان دیا گیا، جس کا اس نے ''عطاء'' نام رکھا اور اپنا متبنی بنالیا۔ اس نے اس کے اشعار بیان کیے۔ اس کے بعد جب بھی ابو عطاء کسی کی شان میں مدحیہ شعر وغیرہ پڑھنا چاہتا تو اپنے ترجمان سے پڑھواتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ابو عطاء نے ایک روز اپنے متبنی ترجمان سے کہا ''وانا منذ دأوتك وقلت لبيك،مالنت تصنأ'' اصل میں کہنا یہ تھا ''وانك منذ ان دعوتك وقلت لبيك ما كنت تصنع'' کہ جب میں نے تمھیں آواز دی اور تم نے لبیک کہا، تو اس وقت کیا کر رہا تھا؟ ابو عطاء بنو امیہ اور بنو عباس میں ہونے والی جنگ میں بنو امیہ کی طرف سے شریک ہوا اور خوب خوب دادِ شجاعت دی۔ اس جنگ میں ابو عطاء کا متبنی ابن ہبیرہ کے ساتھ مارا گیا اور خود شکست خوردہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ علامہ مدائنی نے بیان کیا ہے کہ ابو عطاء جنگ لڑ رہا تھا، اس کے سامنے قبیلۂ بنو مرّہ کا ایک شخص: ابو یزید تھا، جس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹ دی گئی تھیں۔ اس نے

ابو عطاء سے کہا تم اپنا گھوڑا مجھے دے دو میں تمہاری طرف سے بھی جنگ کروں گا اور اپنی طرف سے بھی۔ اس وقت ابو یزید اور ابو عطاء دونوں کو ہی اپنی ہلاکت کا یقین ہو چلا تھا۔ چناں چہ ابو عطاء نے اپنا گھوڑا اسے دے دیا۔ ابو یزید مری گھوڑے پر بیٹھا اور نہایت برق رفتاری کے ساتھ اپنے آپ کو بچا کر نکل بھاگا، اس پر ابو عطاء نے کہا:

لعمرك إنني وأبا يزيد لكالساعي إلى لمع السراب
رأيت مخيلة فطمعت فيها وفي الطمع المذلة للرقاب
فما أعياك من طلب ورزق وما أغناك عن سرق الدواب
وأشهد أن مرّة حي صدق ولكن لست فيهم في النصاب

''بخدا میں اور ابو یزید چمکتے ریت کی طرف دوڑنے والے شخص کے مانند ہیں۔ مجھے برسنے والا بادل نظر آیا تو میں نے اس کی طمع کر لی جب کہ طمع اور لالچ میں گردنوں کی ذلت ہے۔ بھلا طلب و جستجو سے تمھیں کس چیز نے روکا، چوپایوں کی چوری سے تمہیں کس نے بے نیاز بنا دیا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مرہ بلا شبہ سچا قبیلہ ہے لیکن تو ان کے معیار کا نہیں ہے''۔

علامہ مدائنی سے یہ بھی منقول ہے کہ یحیی بن زیاد حارثی، حماد راویہ اور مسلم بن هبیرہ کے مابین شاعرانہ چپقلش تھی۔ مسلم کی خواہش تھی کہ حماد کو ایک ایسے شخص کی زبان میں پیش کرے جو اس کی ہجو کر رہا ہو۔ حماد راویہ کا بیان ہے کہ مسلم نے ایک روز مجھ سے یحیٰی بن زیاد حارثی کی موجودگی میں کہا کیا تم ابو عطاء سے کہتے ہو وہ (زج) (جرادہ) اور (مسجد بنی شیطان) کہہ کر دکھائے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس پر تم نے کیا انعام رکھا؟ کہنے لگا کہ میرا اپنا خچر مع زین ولگام کے انعام ہے۔ میں نے اس سے وعدہ وفائی کی پختہ قسم لے لی۔ اتنے میں ابو عطاء بھی آ گیا اور ہمارے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا (مرھبا بکم مرھبابکم) ہم نے بھی اسے خوش آمدید کہا۔ شام کا کھانا پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا اور نبیذ کی فرمائش کی، چناں چہ ہم نے نبیذ لا کر اسے دی،

جسے اس نے اتنا زیادہ پی لیا کہ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ پھر میں نے کہا:

أين لي إن شئت ابا عطاء! ❁ يقينا كيف علمك بالمعاني(۱)

''ابوعطاء بتاؤ اگر میں یقینی علم چاہوں تو مجھے کہاں ملے گا؟ معانی کی معلومات تمہاری کیسی ہے؟''۔

حماد راویہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں اور بھی زیادہ سرخ ہو گئیں اور چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں تھے۔ میں یہ دیکھ کر ڈر گیا اور کہا ابوعطاء! یہ تجھ سے پناہ مانگنے والی جگہ ہے اور جو کچھ مجھے ملنے والا ہے، اس کا نصف تمہارا ہوگا۔ اس نے کہا مجھ سے صحیح صحیح بتاؤ۔ میں نے اسے سارا واقعہ بتا دیا۔ تب اس نے کہا ناس ہو تیرا تو بھی بچ گیا اور تیرا انعام بھی۔ تو ہی اسے لے لے۔ خدا اس میں تمہارے لیے برکت دے، مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مسلم بن ھبیرہ کو برا بھلا کہتا چلا گیا۔

ایک مرتبہ ابوعطاء سندھی، نصر بن سیار کی خدمت میں آیا اور اس کی شان میں یہ قصیدہ پڑھا:

قالت بريكة بنتي وهيّ عافية ❁ إن المقام على الإفلاس تعذيب

''میری بیٹی بریکہ نے جب کہ وہ عافیت میں تھی کہا، فقر و افلاس کے ساتھ گزر بسر اپنے کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے''۔

چناں چہ نصر بن سیار نے چالیس ہزار درہم اسے دیے جانے کا حکم دیا۔ ابو عطاء کی وفات ۱۸۰ھ کے بعد ہوئی۔

نزهة الخواطر میں تحریر ہے کہ اس نے سلیمان بن سلیم کلبی سے کہا

''اعوزتني الرواة يا ابن سليم!''

اور مزید یہ اشعار پڑھے:

ثم أصبحت قد انخت ركابي ❁ عند رحب الفناء والأعطان

(۱) یہاں کل آٹھ اشعار تھے، جنھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ (ع.ر. بستوی)

فأعطني ماتضيق عنه رواتي ❁ بفصيح من صالح الغلمان
يفهم الناس ما أقول من الشعر ❁ فإن البيان قد أعياني
واعتمدني بالشكر يا إبن سليم! ❁ في بلادي وسائر البلدان
ستری فیهم قصائد غرّا ❁ فيك سباقة بكل لسان

''پھر صبح کو کشادہ صحن اور باڑ کے پاس میں نے اپنی سواری باندھ دی۔ سو تم مجھے ایک نیک فصیح و بلیغ خادم کی شکل میں وہ چیز دو جس سے میرے روات عاجز ہیں۔ جو لوگوں کو میرے اشعار سمجھا سکے کیوں کہ میں صاف صاف بات کہنے سے عاجز ہو گیا ہوں۔ اور اے فرزند سلیم! براہ کرم میرے اس ملک اور دیگر ممالک میں میرا اعتماد بحال کرو۔ عنقریب وہاں اپنے بارے میں شاندار قصیدے پاؤ گے جو ہر زبان پر رواں ہوں گے''۔

چناں چہ سلیمان بن سلیم نے ایک ترجمان دیے جانے کا حکم دیا، جسے اس نے اپنا متبنی بنا کر اس کی نسبت سے اپنی کنیت اختیار کی۔ اس کے بعد جب بھی ابوعطاء کسی کی مدح وغیرہ میں کوئی شعر کہنا چاہتا تو ترجمان کو حکم دیتا اور وہ پڑھ کر سناتا۔

ضحی الاسلام میں احمد امین نے لکھا ہے کہ ابوعطاء سندھی دولت امویہ وعباسیہ کا مخضرمی شاعر ہے۔ اس کے والد سندھی نسل کے تھے، ان کی زبان بھی صاف نہیں تھی۔ اس کا لڑکا مسلمانوں میں پرورش پا کر عظیم شاعر ہوا، اگر چہ اس کی زبان میں بھی لکنت شدیدہ تھی، جس کے باعث اسے مجبوراً ایک بچے کو ساتھ رکھنا پڑا، تاکہ اسے خود شعر نہ پڑھنا پڑے۔

خاندان بنوعباس کے لوگ ابوعطاء سے اس وجہ سے سخت نفرت کرتے تھے کہ اس نے خلفائے بنوامیہ کی شان میں بہت سے مدحیہ قصائد کہے تھے۔ لیکن جب اقتدار بنوامیہ سے نکل کر خاندان بنوعباس میں آ گیا تو اس نے بھی اپنا قبلہ بدلنا چاہا، مگر بنوعباس نے اسے منظور نہ کیا، اس کی وجہ سے ان کی مذمت کرنے لگا۔ اسی قبیل

کا درج ذیل شعر ہے:

فلیت جور بنی مروان عادلنا ❁ ولیت عدل بنی العباس فی النار

''بنو مروان کا ظلم بھی ہمارے حق میں انصاف ہے، کاش بنو عباس کا انصاف بھی جہنم کی نذر ہو''۔

ابوتمام طائی نے ''دیوان حماسہ'' میں اس کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں:

ذکرتك والخطی یخطر بیننا ❁ وقد نهلت منا المثقفة السمر

فوالله ما أدری وإنی لصادق ❁ أداء عرانی من صبابك أم سحر

فإن كان سحرا فاعذرینی علی الهوی ❁ وإن كان داءا غیره فلك العذر

''میں نے تم کو اس وقت بھی یاد کیا جب ہمارے درمیان خطی نیزے چل رہے تھے اور گندمی رنگ کے سیدھے نیزوں نے ہمارا خون پیا۔ بخدا میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آیا مجھے تیرے عشق کا مرض لاحق ہوگیا ہے یا میں سحر زدہ ہوگیا ہوں۔ اگر سحر ہے تو مجھے محبت کے سلسلے میں معذور سمجھ اور اگر سحر کے علاوہ کوئی مرض ہے تو تو معذور ہے''۔

اسی طرح ''باب المراثی'' میں بھی ابوتمام نے ابوعطاء کا وہ شاہکار مرثیہ بھی نقل کیا، جو اس نے عمرو بن ھبیرہ کی وفات پر کہا تھا۔ اس کا پہلا شعر ہے: (ألا ان عینًا لم تجدبهم واسط) عمرو بن ھبیرہ کو خلیفہ ابوجعفر منصور نے امان دینے کے بعد ''واسط'' میں قتل کرادیا تھا۔ جب کہ ''العقد الفرید'' میں مذکور ہے کہ ابراہیم بن ھبیرہ کو جب ''واسط'' میں قتل کردیا گیا تھا تو اس کے ماتم میں ابوعطاء سندھی نے یہ مرثیہ کہا تھا۔

ابوعطاء سندھی اور اس کے والد، دونوں قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ کے غلام تھے۔ بعد میں ابوعطاء عمرو بن سماک بن حصین اسدی، یا عنترہ بن سماک کا غلام ہوگیا تھا۔ اس نے ابوعطاء کو آزاد کردیا۔ جب شعر و سخن کے سبب ابوعطاء کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا اور اسے جاہ و رتبہ بھی حاصل ہوگیا تو اس سے اس کے سابقہ مالک نے چار

ہزار درہم لیے، جس کی بناء پر اس نے، مذکورہ رقم ادا کرنے کے بعد مالک کی ہجو کی۔
ابوعطاء کا نام افلح یا مرزوق تھا اور اس کے والد کا نام یسار۔ جب کہ ابوعطاء کنیت اس نے اپنے متبنی بنائے ہوئے ترجمان کی نسبت سے اختیاری کی۔ ابوعطاء پر جوش اور شجاعت انگیز نہایت باکمال شاعر تھا۔ کتاب الأغانی وغیرہ میں اس کے حالات بہت شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔ ابوعطاء کی وفات ۱۶۸ھ میں ہوئی۔ علامہ کتبی نے ''فوات الوفیات'' میں تحریر کیا ہے کہ ابوعطاء کا انتقال ۱۸۰ھ کے بعد ہوا۔

ابوعبداللہ دیبلی، قاری شام

مشہور زاہد اور تارک الدنیا المقری ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی۔

ابوالعباس سندھی بغدادی

ان کا نام فضل بن سخیت قطیعی سندھی ہے۔

ابوعلاء ہندی بغدادی

شیخ ابوعلاء ہندی بغدادی کو مقری ابوبکر محمد بن حسن مرزقی سے سماع حاصل ہے۔ علامہ حموی نے ''مرزقۃ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بغداد سے آگے دریائے دجلہ کے ساحل پر ایک بستی ہے۔ اس کے اور بغداد کے درمیان تین فرسخ کی مسافت ہے۔ اسی بستی کی جانب نسبت کرتے ہوئے شیخ ابوبکر محمد بن حسن کو مرزقی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ابوجعفر ابوالحسن بن نقورہ، ابوالغنائم اور ابوالحسین بن مہدی سے حدیث کی روایت کی ہے۔ یہ ثقہ اور صالح ہیں۔ ان سے خفاف بن ناصر، ابوعساکر اور ابوعلاء ہندی نے سماع حدیث کیا ہے۔

ابوعلاء ہندی کے متعلق اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ لگتا ہے کہ یہ حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ کے ہم عصر تھے۔ ان کے شیخ ابوبکر مرزقی کی وفات شروع محرم ۵۲۷ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ سے ابوعلاء ہندی چھٹی صدی ہجری سے تعلق رکھنے

والے ہوئے۔ (قاضی)

ابوعلی سندھی بغدادی

شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے اپنی کتاب ''جامع کرامات الاولیاء'' میں ابوعلی سندھی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ابونصر سراج نے ابویزید کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا کہ ایک بار ابوعلی سندھی جو میرے استاذ بھی ہیں، میرے پاس آئے اور ان کے ہاتھ میں چمڑے کی ایک تھیلی تھی۔ انھوں نے جب اسے زمین پر ڈالا تو اس میں ہیرے جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا یہ آپ کو کہاں ملے؟ فرمایا یہاں راستے میں ایک وادی سے گزر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چراغ کی طرح یہ تھیلی روشن ہے۔ چناں چہ اسے اٹھالیا۔ اس پر میں نے دریافت کیا آپ اس وادی میں کس وقت داخل ہوئے تھے؟ فرمایا سابقہ حال ووجد کے انقطاع کے وقت۔ قشیری نے لکھا ہے ''النزھۃ'' میں مذکور ہے کہ شیخ کبیر ابوعلی سندھی ارباب حقیقت میں سے تھے اور یہ کہ ابویزید طیفور بن عیسیٰ متوفی ۲۶۱ھ نے ان کی صحبت اختیار کی۔ ابویزید کا بیان ہے کہ میں انھیں قرآن کی سورت کی تلقین کرتا، جس سے فرض نماز صحیح پڑھ سکیں اور یہ مجھے توحید خداوندی اور حقائق کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ابویزید ہی سے منقول ہے کہ ایک بار میرے پاس ابوعلی سندھی آئے۔ ان کے ساتھ چمڑے کی ایک تھیلی تھی۔ اسے انھوں نے میرے سامنے زمین پر ڈال دیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ رنگ برنگے ہیرے جواہرات بھرے پڑے ہیں۔ میں نے ان سے معلوم کیا کہ آپ کو یہ کہاں سے ملے؟ کہنے لگے یہاں ایک وادی ملی، جس میں یہ چراغ کی مانند چمک رہے تھے، چناں چہ میں نے اٹھالیا۔ میں نے عرض کیا وادی میں آنے کا وقت کیسا تھا۔؟ فرمایا حال سے انقطاع کا وقت تھا۔ پھر پورا واقعہ ذکر کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے انقطاع حال کے وقت انھیں ان جواہرات

میں مشغول کر دیا گیا ہے۔ ابو یزید کا مزید کہنا ہے کہ مجھ سے ابوعلی سندھی نے فرمایا کہ پہلے میں اس حال میں تھا، جس میں مجھے رہنا چاہیے تھا، پھر اس کے بدلے دوسرے حال میں چلا گیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال پر نظر ڈالتا ہے اور ان افعال کو اپنی جانب منسوب کرتا ہے۔ لیکن اس کے دل پر معرفت الٰہی کے انوار غالب آجاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ سے ہی قائم ہے، اسی کو معلوم ہے اور اسی کی جانب لوٹ کر جا رہی ہے۔ ابونصر عبداللہ بن سراج طوسی نے ابوعلی سندھی کا تذکرہ اپنی کتاب ''اللمع'' میں کیا ہے۔

ان کے متعلق ''تحفة الکرام'' میں تحریر ہے کہ ابو یزید بسطامیؒ کے اساتذہ سے نقل کرتے ہوئے ''شرح شطحیات'' کے حوالے سے ''نفحات'' میں مذکور ہے کہ ابو یزید نے بیان کیا کہ میں نے ابوعلی سندھی سے علم فنا اور علم توحید حاصل کیا اور انھوں نے مجھ سے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھی۔

شیخ ابوعلی سندھی بغدادی کا تعلق تیسری صدی ہجری سے تھا۔ (قاضی)

ابوالفوارس صابوبی سندھی مصری

ان کا نام احمد بن محمد بن حسین بن سندھی ہے اور لقب مسند دیار مصر۔

ابوالفرج سندھی کوفی

ابوجعفر طوسی نے ''الفہرست'' باب الکنیٰ میں لکھا ہے کہ ابوالفرج سندھی کی ایک کتاب ہے۔ یہ بات ہمیں تلعکبری ابوہمام عن حمید عن قاسم بن اسماعیل عن احمد بن رباح کے حوالے سے ایک جماعت نے بتائی۔ احمد بن رباح نے براہ راست ابوالفرج سے یہ بات نقل کی۔ ملاحظہ ہو معجم المصنّفین تذکرہ ابان بن محمد سندھی کوفی۔

حاکم طوران: ابوالقاسم سندھی بصری

ان کا تذکرہ مؤرخ ابن حوقل نے کیا ہے اور ''طوران'' کی بابت تصریح کی ہے کہ

یہاں کا حکمراں، ابوالقاسم نامی ایک بصری شخص ہے، یہی وہاں کا حاکم بھی ہے، قاضی بھی اور سپہ سالار عساکر بھی۔ اس کے باوجود اسے تین اور دس میں تمیز کرنا نہیں آتا۔

ان کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے تھا۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش اور نشو ونما سندھ میں ہوئی تھی۔ (قاضی)

ابو محمد ہندی بغدادی

ابو محمد ہندی بغدادی نے امام فرج سے روایت حدیث کی اور خود ابو محمد سے علی بن محمد مدائنی نے روایت کی۔

علامہ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ مجھ سے علی بن محمد المدائنی نے بہ روایت، امام فرج، ابو محمد ہندی کے حوالے سے بیان کیا کہ جب راجہ داہر مارا گیا تو سندھ پر محمد بن قاسم کا غلبہ ہوا۔

علاوہ ازیں کوئی اور بات ان کے متعلق معلوم نہ ہو سکی۔ یہ تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ (قاضی)

ابو محمد دیبلی بغدادی

خطیب بغدادی نے ''تاریخ بغداد'' میں احمد بن حسین ابو محمد جریری متوفی ۳۱۱ھ کے تذکرے میں- ان کا شمار کبار صوفیہ میں ہوتا تھا اور جنید بن محمد بغدادی بھی ان کا بے حد احترام کرتے تھے- لکھا ہے کہ ابو عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ میں نے ابو سعید بن ابو حاتم سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ابو محمد دیبلی نے بتایا کہ وفات سے کچھ پہلے ہم نے حضرت جنید بغدادی سے دریافت کیا کہ سلوک واحسان کے سلسلے میں آپ کے بعد ہم کس کے پاس بیٹھیں؟ فرمایا ابو محمد جریری کے۔

ابو محمد دیبلی، حضرت جنید بغدادی کے اجل خلفاء میں سے تھے اور تیسری صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے۔ (قاضی)

ابومعشر سندھی

علامہ دولابی نے ''کتاب الکنی والاسماء'' میں ان کی بابت صرف اتنا لکھا ہے: ابومعشر سندھی مولی ابن ہاشم۔

ابوقبیل ہندی

کشف الظنون میں تحریر ہے کہ ''کتاب التوھم فی الأمراض والعلل'' ابوقبیل ہندی کی ہے۔

ابوہندی

امام رازی نے ''کتاب الجرح والتعدیل'' میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ابوہندی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے ابوعاصم نبیل نے اور لکھا ہے کہ یہ بات میں نے خود اپنے والد سے سنی ہے۔

امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں لکھا ہے کہ ابوہندی نے حضرت انس بن مالک سے حدیث ''الطیر'' کی روایت کی ہے اور ان سے ابوالقاسم نے۔ یہ غیر معروف ہیں۔

ابوالہندی ثانی

امام ابوحاتم رازی ان کی بابت لکھتے ہیں کہ ابوالہندی نے ابوطالوت سے سماع کیا ہے اور ان سے معتمر نے اور یہ کہ یہ بات میں نے اپنے والد سے سنی ہے۔

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ابوالہندی یہ دوسرے ہیں، انہوں نے ابوطالوت سے اور ان سے معتمر بن سلیمان نے روایت حدیث کی ہے۔ مگر غیر معروف ہیں۔

ابوہندی کوفی، شاعر

ابن فضل اللہ عمری نے ''مسالك الابصار فی ممالك الامصار'' کے اندر

سجستان کی شراب کی دوکان کے بیان میں لکھا ہے کہ جب ابو ہندی کو "سجستان" بھیج دیا گیا تو وہ شراب کی دوکان پر ہی رہتا اور اپنے ایک ہم نشین کے ساتھ شراب پیا کرتا۔ ایک روز دونوں نے اتنی زیادہ شراب پی لی کہ بے ہوش ہو گئے اور نیند آ گئی۔ جب صبح کی ہوا چلی تو ابو ہندی کی آنکھ کھلی۔ دیکھا شراب کا مٹکا گر پڑا ہوا ہے اور اس میں تھوڑی سی شراب بچ رہی ہے۔ چناں چہ مٹکے کو سیدھا کر کے گلاس میں شراب انڈیلی اور اپنے ہم نشین کے پاس آ کر اسے ادھر ادھر سے حرکت دی اور چند اشعار کہے۔ (۱)

حیرہ کے ایک شراب خانے کے تذکرے میں لکھا ہے کہ عون، خوش طبع، خوش نوش اور خوش پوشاک تھا۔ کوفہ کے نوجوان اسی کی دوکان پر شراب پیتے اور اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ ایک رات، ابو ہندی شاعر نے بھی اس کے یہاں شراب پی۔ تا آں کہ صبح صادق ہو گئی اور مرغ نے بانگ دینی شروع کر دی۔ وہ یوم شک تھا۔ جب ابو ہندی سے کہا گیا کہ یہ رمضان کا دن ہے تو اس نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

شربت الخمر فی رمضان حتی ❁ رأیت البدر للشعری شریکا

فقال اخی : الدیوك منادیات ❁ فقلت له: وما یدری الدیوکا (۲)

"میں نے ماہ رمضان میں اتنی شراب پی لی کہ بدر منیر شعری ستارہ کا ہم پلہ نظر آیا۔ میرے بھائی نے کہا کہ مرغ اعلان کر رہے ہیں، میں نے اس سے کہا مرغوں کو کیا خبر ہے"۔

ابو ہندی، ممتاز اور معروف و مشہور شاعر تھا۔ اس نے اپنے وطن اور اپنی عادات و اطوار کی بابت ان اشعار کی مدد سے خود ہی بتا دیا۔ یہ متقدمین شعراء میں سے ہے۔ (قاضی)

---

(۱) یہاں پانچ اشعار درج تھے، جنھیں ترجمہ میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ (ع۔ ر۔ بستوی)

(۲) یہاں کل پانچ اشعار حضرت قاضی صاحبؒ کے نقل کیے تھے۔ بندے نے صرف دو شعر ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ (ع۔ ر۔ بستوی)

ابوموسی دیبلی بغدادی

علامہ ابن الجوزیؒ نے 'صفة الصفوة'' کے اندر، مشہورومعروف زاہدو عابد حضرت ابو یزید بسطامی کے حالات میں ایک حدیث نقل کی ہے، جو مع سند و متن درج ہے:

"أخبرنا محمد بن أبی منصور، قال أخبرنا المبارك بن عبدالجبار، قال أنا محمد بن علی الصوری، قال حدثنا أحمد بن الحسن المالكی، قال : نا علی بن جعفر البغدادی قال : قال أبو موسی الدیبلی ابن أخت أبی یزید البسطامی، أنبانا أبو یزید البسطامی، یعنی طیفور بن عیسی، قال : أنبانا محمد بن منصور الطوسی، قال: أخبرنا سفیان بن عیینة عن محمد بن سوقة عن نافع بن جبیر عن أم سلمة قالت:

"ذکر رسول الله ﷺ الجیش الذی یخسف بهم، فقال أم سلمة :لعل فیهم المکرة، قال : إنهم یبعثون علی نیاتهم"

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا تذکرہ فرمایا، جسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ شاید وہ لوگ مکاروریاکار ہوں گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انھیں ان کی نیتوں کے اعتبار سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا''۔

علامہ ابن الجوزی نے اپنی اسی کتاب میں ابوموسی دیبلی کے حوالے سے شیخ ابو یزید بسطامی کے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

ا- ابوموسی دیبلی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو یزید کو فرماتے ہوئے سنا کہ سارے لوگ حساب و کتاب سے بچ رہے اور بھاگ رہے ہوں گے۔ مگر میں اللہ تعالی سے عرض کروں گا کہ میرا حساب لے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا ایسا کیوں؟

تو فرمایا شاید اللہ تعالی اس دوران ''عبدی'' اپنا بندہ کہہ کر مجھے مخاطب فرمائیں اور اس پر میں ''لبیک'' کہوں۔ اللہ رب العزت کا مجھے ''عبدی'' کہنا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالی کی جو مرضی ہو فیصلہ کریں۔

۲- ابوموسی دیبلی کا بیان ہے کہ میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ حضرت ابویزید سے عرض کرر ہا تھا کہ آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیں، جس کے باعث مجھے اللہ کا تقرب حاصل ہو جائے۔ فرمایا اولیاء اللہ سے محبت کرو تاکہ وہ تم سے محبت کریں۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت اولیاء کے قلوب پر نظر ڈالتا ہے، ممکن ہے کہ اپنے ولی کے قلب میں اسے تمہارا نام ملے اور اس پر تمہاری مغفرت فرمادے۔

۳- کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابویزید سے سنا کہ میرا قلب آسمان پر لے جایا گیا۔ جہاں طواف اور گھومنے پھرنے کے بعد واپس آیا۔ اس پر میں نے دریافت کیا اپنے ساتھ آپ کیا لے کر آئے؟ فرمایا محبت اور رضائے الٰہی۔

۴- وہی حضرت ابویزید بسطامی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا جب میں نے دیکھا کہ دنیا میں تو لوگ نکاح، کھانے اور پینے سے لذت اندوز ہورہے ہیں اور آخرت میں منکوح اور ملذوذ سے لطف اندوز ہوں گے تو میں نے دنیا میں تو اپنی لذت کا سامان، ذکر خدا کو اور آخرت میں اللہ کی طرف دیکھنے کو بنالیا۔(۱)

ابوموسی دیبلی بغدادی، حضرت شیخ ابویزید بسطامی متوفی ۲۶۱ھ کے خواہر زادہ اور تیسری صدی ہجری کی ممتاز شخصیات میں سے تھے۔ مگر مجھے ان کے مزید حالات معلوم نہ ہوسکے۔ (قاضی)

❁❁❁

---

(۱) چند اور اقوال بھی حضرت قاضی صاحب ؒ نے نقل کیے تھے، مگر اختصار کے پیش نظر احقر نے حذف کردیے۔ (ع۔ر۔بستوی)

باب الابناء

ابن الاعرابی سندھی کوفی لغوی

ان کا نام محمد بن زیاد ہے۔ کنیت ابو عبداللہ، ابن الاعرابی سے مشہور ہیں۔ ممتاز لغت داں گزرے ہیں۔

ابن ابو قطعان دیبلی

ان کا نام ابوالقاسم شعیب بن محمد دیبلی ہے۔

ابن حامد دیبلی

ان کا اسم گرامی حسن بن حامد بن حسن دیبلی ہے۔

ابن دھن ہندی بغدادی

ابن ندیم نے "الفہرست" میں لکھا ہے کہ ابن دھن شفاخانہ، ترجمۂ کتب کا نگراں تھا۔ اس نے ایک کتاب کا ہندوستانی زبان سے، عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ "استانکر الجامع" نامی کتاب، ابن دھن کی تشریح ہے۔ اسی طرح "سندستاق" بمعنی (صفوة النجع) بھی شفاخانۂ برامکہ کے نگراں ابن دھن کی تفسیر ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ معروف طبیب ابن دھن ہندی دوسری صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ (قاضی)

ابن السندی بغدادی

ان کا پورا نام یہ ہے: ابو بکر احمد بن قاسم بن سیا البیع۔ ابن السندھی سے مشہور ہیں۔

ابن قمانص ہندی

مشہور و معروف ہندوستانی طبیب ''شاناق'' ہی ابن قمانص کے نام سے جانا جاتا تھا۔

ابن الہندی

ان کا نام احمد بن سعید مالکی ہمدانی ہے۔